إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِّبَ الفِتَنَ

(سنن أبي داود)

فتنوں کی کثرت

اور

ہماری غفلت

مؤلف

مولانا امان احمد قاسمی

سنہرا، امبیڈکر نگر (فیض آباد) یوپی

استاذ دارالعلوم اسلامیہ عربیہ تلوجہ، رائے گڈھ، نیو ممبئ

تفصیلات

اسمِ کتاب: فتنوں کی کثرت اور ہماری غفلت

مؤلِف: مولانا امان احمد قاسمی، سنہرا، امبیڈکر نگر (فیض آباد) یوپی
(استاذ دارالعلوم اسلامیہ عربیہ تلوجہ، رائے گڈھ، نیو ممبئی)

سنِ طباعت: ۲۰۲۳ء بمطابق ۱۴۴۴ھ

تعدادِ صفحات: ۳۶۷

فون نمبر: ۹۶۵۱۳۶۳۱۲۵

إِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الفِتَنَ (سنن أبی داود)

فتنوں کی کثرت

اور

ہماری غفلت

مؤلف

مولانا امان احمد قاسمی

سنہرا، امبیڈکر نگر (فیض آباد) یوپی

استاذ دارالعلوم اسلامیہ عربیہ تلوجہ، رائے گڈھ، نیو ممبئی

فہرست

تقریظ

استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی عبد اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث وصدر مفتی مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جونپور، یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج کل انفرادی فتنوں یعنی خالق و مخلوق کے حقوق کی بے تحاشا پامالی کے سبب اجتماعی انتشار و خلفشار علاقائی صوبائی ملکی بین الاقوامی فتنوں کی یلغار ہے ایسے نازک وقت میں فتنوں کی نشاندہی اور ان سے امتِ مسلمہ کو بچانے کی کوشش علماء کا دینی و منصبی فریضہ ہے، جناب مولانا امان احمد صاحب حفظہ اللہ نے فتنوں کی نشاندہی خوب تحقیق کے ساتھ فرمائی ہے، یہ تحریر علمی و اصلاحی ذخیرہ میں قابلِ قدر اضافہ ہے، ہر فرد کے لئے اس کا مطالعہ نہ صرف مستحسن ہے بلکہ ضرورت کے درجہ میں ہے، ماشاء اللہ زبان آسان اور لفظی و معنوی پیچیدگیوں سے پاک ہے، مؤلف کو اللہ جل شانہ زیادہ سے زیادہ علمی و دینی مقبول خدمتوں کی توفیق ارزانی فرمائیں۔ آمین

عبد اللہ غفرلہ ریاض العلوم گورینی جونپور

۱۴/ شوال/ ۱۴۴۳ھ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی عبد الرشید صاحب المظاہری دامت برکاتہم العالیہ

شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ یوپی الہند

خلیفہ و مجاز حضرت اقدس فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند

نحمده ونصلي على رسوله الكريم اما بعد!

بندۂ ناچیز کے سامنے حضرت مولانا امان احمد صاحب فیضی امبیڈکر نگری استاذِ حدیث دار العلوم اسلامیہ عربیہ تلوجہ، رائے گڈھ، نیو ممبئی کی جدید تالیف "فتنوں کی کثرت اور ہماری غفلت" ہے۔

موصوف مکرم زاد فضلہ نے وقت کی خاص ضرورت کے پیش نظر اس میں فتنوں کا تعارف، فتنۂ خوارج، عقیدۂ خلقِ قرآن، فتنۂ ارتداد، فتنۂ انکارِ حدیث، فتنۂ دعوئ نبوت، فتنۂ عصمت دری و ہم جنسی، بد نظری، فتنۂ اِفلاس و اموال واولاد، عذابِ قبر، سزاء نار، موبائل و تصویر کشی پر سیر حاصل بحث دلائل کی روشنی میں کی ہے تاکہ ان مفاسد کو سمجھ کر ان سے بچنے کی تدبیر اور دعا و الحاح و زاری اختیار کریں۔

اور ان اوقات میں سنت نبویہ علی صاحبہا الفُ الفِ صلاۃ و تحیۃٍ کو اختیار کرنے کی سعی کریں۔ موصوف کی اس سے قبل چار تالیفات نظرِ نواز ہوچکی ہیں (۱) مہدئ موعود (۲) مسیح ہدایت عیسیٰ ابن مریم (۳) دجالِ اکبر (۴) قیامت اور اس کی علامت۔ ان کُتُب و رسائل کی ورق گردانی سے مولانا محترم کے وسعتِ

مطالعہ اور ذوقِ تصنیف و تالیف کا اندازہ ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ قبول فرمائیں، خلقِ خدا کو منتفع فرمائیں اور مزید علمی، دینی، اصلاحی خدمات کی توفیق ارزانی فرمائیں اور طباعت وغیرہ کے تمام مراحل آسان فرمائیں۔ وھو علی مایشاء قدیر

بندہ عبد الرشید غفرلہ المظاہری سلطان پوری

خادم مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ یوپی

۶/ ربیع الاول/ ۱۴۴۴ھ یوم دوشنبہ/ ۱۳ اکتوبر/ ۲۰۲۲ء

تقریظ

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جیسے انسان کے لئے زندگی کی ضرورتوں کا علم ضروری ہے، اسی طرح خطرات کا علم بھی ضروری ہے، خواہ ان خطرات کا تعلق جان و مال، عزت و آبرو سے ہو یا دین و ایمان سے، ایسے ہی خطرات کو محدثین نے فتن سے تعبیر کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے قیامت تک آنے والے بہت سے فتنوں کی نشاندہی فرمائی، بعض فتنے وہ ہیں جو شروع سے رہے ہیں اور شاید قیامت تک رہیں، یہ زیادہ تر اخلاق سے متعلق ہیں، اور بعض فتنے وہ ہیں، جن کا تعلق واقعات سے ہے، کچھ گزر چکے ہیں، کچھ اس زمانہ میں موجود ہیں اور کچھ وہ ہیں جو مستقبل میں آئیں گے، اور جوں جوں قیامت قریب آتی جائے گی، اسی پس منظر میں ان کی رفتار بڑھتی جائے گی، صحابہ رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فتنوں سے متعلق مرویات کو محفوظ کرنے اور نقل کرنے کا خصوصی اہتمام کیا اور بعد میں کتب حدیث میں یہ ایک مستقل موضوع بن گیا۔

برصغیر کے علماء نے اردو میں بھی اس موضوع پر قابل قدر کام کیا ہے، ان کو گہری نظر سے پڑھنے اور ان سے باخبر رہنے کی ضرورت ہے، محبّ عزیز مولانا امان احمد قاسمی استاذ دار العلوم اسلامیہ عربیہ تلوجہ (رائے گڈھ، نیو ممبئی)

نے اس سلسلے میں اچھی کوشش کی ہے، جس میں موجودہ دور کے فتنۂ شکیلیت ، فتنۂ قادیانیت، فتنۂ انکار حدیث اور فتنۂ مہدویت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، راقم الحروف اگر چہ اپنی عدیم الفرصتی اور ضعف صحت کی وجہ سے مسودہ نہیں دیکھ سکا؛ لیکن کتاب کی فہرست دیکھ کر اندازہ ہوا کہ مصنف نے مفید کام کیا ہے، جس میں ضمنی طور پر بعض فقہی بحثیں بھی آگئی ہیں، دعاء ہے کہ اللہ تعالی اس کو لوگوں کے لئے نافع بنائے اور مؤلف کو اعتدال فکر و عمل کے ساتھ مزید علمی کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد)

۷/ جمادی الثانی ۱۴۴۴ھ
۳۱/ دسمبر ۲۰۲۲ء

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم أَمَّا بَعْد:

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (الأنفال:۲۵)

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الفِتَنَ، إِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ، إِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ، وَلَمَنِ ابْتُلِيَ فَصَبَرَ فَوَاهًا. (سنن أبی داود:۴۲۶۳)

جس طرح قیامت قریب آتی جارہی ہے اور دنیا اپنے فنا و زوال کی طرف تیزی سے قدم بڑھا رہی ہے تو اسی طرح آنحضور اقدس ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق طرح طرح کے ایمان و اعمال سوز اور چین وسکون غارت کردینے والے فتنے بھی ظاہر ہو رہے ہیں اور امتِ مسلمہ مرحومہ کو اپنوں اور غیروں کی طرف سے برپا کردہ مختلف فتنوں و سازشوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، دورِ حاضر انتہائی پُر فتن دور ہے، ہر طرف سے فتنوں کی یلغار ہے اور آنے والا وقت اس سے بھی زیادہ پُر فِتَن ثابت ہو گا، بڑے بیدار مغزی اور حد درجہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے ورنہ ایمان واعمال بچا پانا بڑا مشکل کام ہے اِلَّامَنْ رَحِمَ رَبِّيْ، مگر رحمتِ خداوندی جس کی دست گیری فرمائے۔

آنحضور اقدس ﷺ خاتمُ النبیین اور رحمۃٌ للعلمین تھے، قیامت تک پیش آنے والے فتنوں کا علم آپ کو عطا کیا گیا تھا، آپ کی امت اَفْضَلُ الاُمَم اور سب سے آخری امت تھی، زیادہ تر فتنوں سے اسی امت کو سابقہ پڑنا اور دوچار ہونا تھا،

اس لیے حضور اقدس ﷺ نے پیش آنے والے فتنوں سے اپنی امت کو آگاہ کیا حتی کہ اگر کوئی ایسی تحریک وسازش یا کوئی ایسا فتنہ قریب یا دور زمانہ میں جنم لینے والا تھا کہ جس کے قائد و لیڈر کے پیرو کار وماننے والوں کی تعداد کم از کم ۳۰۰/ تین سوافراد پر مشتمل ہوتو ایسے قائد، ایسے لیڈر کا نام، ولدیت اور قبیلہ تک کو آپ نے بیان فرما دیا تاکہ امت ان فتنوں اور ایسے قائدین سے اپنے آپ کو مکمل طور سے بچا سکے۔

چنانچہ حضور ﷺ کے رازدار صحابی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: وَاللهِ مَا أَدْرِي أَنَسِيَ أَصْحَابِي أَوْ تَنَاسَوا؟ وَاللهِ مَا تَرَكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ قَائِدِ فِتْنَةٍ إِلىٰ أَنْ تَنْقَضِيَ الدُّنْيَا يَبْلُغُ مَنْ مَعَه ثَلٰثُ مِائَةٍ فَصَاعِدًا إِلَّا قَدْ سَمَّاهُ لَنَا بِاِسْمِهِ وَاِسْمِ أَبِيْهِ وَاِسْمِ قَبِيلَتِهٖ (سُنَن اَبي داود: ۴۲۴۳) کہ قسم بخدا! مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھی (یعنی صحابہ کرام) بھول گئے یا بالقصد وہ بھلا بیٹھے (کہ کسی مصلحت کی بنا پر بیان نہیں کرتے) قسم اللہ کی! دنیا ختم ہونے تک کسی فتنے کا کوئی ایسا قائد ولیڈر نہیں آنے والا تھا کہ جس کے پیروکاروں کی تعداد تین سو کے قریب ہو اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا اور اس کے باپ اور اس کے قبیلے کا نام نہ بیان کیا ہو۔

بہت سے فتنے تو آکر گزر بھی گئے، بہت سوں سے امت دوچار ہے اور بہت سارے فتنوں سے زمانۂ مستقبل میں دوچار ہونے والی ہے، خیال رہے کہ آپ ﷺ نے مختلف فتنوں سے صرف امت کو باخبر ہی نہیں کیا ہے بلکہ جس نوعیت اور جس قسم کا فتنہ تھا اس کے مطابق آپ نے اس کے لئے خصوصی ہدایت جاری فرمائی، اس کا دنیوی واخروی حکم بیان فرمایا، اس میں عملی وزبانی شرکت وشمولیت کے انجام ونتائج سے آگاہ کیا، اس سے بچنے اور اسے ختم کرنے کی تدابیر وطریقے

بیان فرمائے، اب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم خود بھی فتنوں کے تعلق سے پوری واقفیت وجانکاری حاصل کریں اور دوسروں کو بھی واقف کرانے کی کوشش کریں، اور دینی وشرعی حدود میں رہ کر ان فتنوں کا مقابلہ کریں اور ان سے بچنے کی نبوی وشرعی تدبیریں اختیار کریں۔

ہر دور وہر زمانے میں علمائے امت نے امتِ مسلمہ کو فتنوں سے آگاہ کرنے اور بچانے کے واسطے کتابُ الفِتَن کے عنوان سے مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اسی سلسلے کی ایک ادنیٰ وحقیر کوشش رسالۂ ہذا بھی ہے، اللہ تعالیٰ اسے شرفِ قبولیت سے نوازیں اور زیادہ سے زیادہ اس کے فائدے کو عام وتام فرمائیں۔ آمِیْن یَارَبَّ الْعٰلَمِیْن!

بندہ امان احمد قاسمی صدیقی، سنہرا، امبیڈکر نگر، یوپی،
خادم مدرسہ دارالعلوم اسلامیہ عربیہ تلوجہ، پنویل، رائے گڈھ، نیو ممبئی۔
۱/جمادی الاولی ۱۴۴۱ھ

فتنہ کی لغوی تحقیق

لفظِ "فتنہ" مشتق ہے فَتْنٌ سے جس کی جمع فِتَنٌ ہے اور معنی ہیں سونے کو آگ میں تپا کر کھرا کھوٹا معلوم کرنا، قرآنِ کریم میں ہے: يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ (الذاریات:۱۳) جس دن کافر لوگ آگ پر تپائے جائیں گے۔

فتنہ کے معانی

لفظِ فتنہ کے متعدد معانی ہیں

(۱) فتنہ بمعنیٰ "آزمائش"

فتنہ کے اصل معنیٰ "امتحان و آزمائش" کے ہیں، لفظِ فتنہ کا زیادہ تر استعمال اسی معنی میں ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: "إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ" (الأعراف:۱۵۵) "کہ یہ محض تیری آزمائش ہے، اس کے ذریعے آپ جسے چاہیں گمراہ کر دیں اور جسے چاہیں ہدایت سے ہم کنار کر دیں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَفَتَنَّاكَ فُتُوناً" (طٰہٰ:۴۰) "اور ہمنے تمہیں کئی آزمائشوں سے گزارا، اور فرمایا: وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً" (الأنبياء:۳۵) اور ہم تمہیں آزمانے کے لیے بُری اور بھلی حالتوں میں مبتلا کرتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ (الانعام:۵۳) اور اسی طرح ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزمایا۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فتنہ کی نسبت جس وقت اللہ رب العزت اپنی طرف یا اپنے کسی رسول وپیغمبر کی طرف فرمائیں جیسا کہ اوپر مذکورہ آیتوں میں، تو اس وقت فتنہ سے مراد خیر و شر اور نعمتوں و مصائب کے ذریعے ابتلا اور آزمائش مراد ہوا کرتی ہے۔ (زاد المعاد)

(۲) فتنہ بمعنی "کفر و شرک"

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ" (البقرۃ: ۱۹۳) اور تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ یعنی شرک باقی نہ رہے اور دین خالص اللہ کا ہو جائے۔

(۳) فتنہ بمعنیٰ "عذاب و سزا"

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ هَٰذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ" (الذاریات: ۱۴) کہ اپنے عذاب کا مزہ چکھو یہی ہے وہ عذاب ہے جس کے بارے میں تم جلدی مچا رہے تھے۔

وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَقُولُ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ فَإِذَآ أُوذِىَ فِى ٱللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ ٱلنَّاسِ كَعَذَابِ ٱللَّهِ (العنکبوت: ۱۰) اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں پھر جب ان کو اللہ کے راستے میں کوئی تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کی پہنچائی ہوئی تکلیف کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے اللہ کا عذاب"

(۴) فتنہ بمعنی "دکھ دینا و تختۂ مشق بنانا"

کما قال اللہ تعالی: رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِين (یونس: ۸۵) اے ہمارے پروردگار ہمیں ان ظالم لوگوں کے ہاتھوں تختۂ مشق نہ بنایئے۔

(۵) فتنہ کا اطلاق مال اور اولاد پر بھی ہوتا ہے

جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: "وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ" (الأنفال: ۲۸) "اور یہ بات سمجھ لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک آزمائش ہیں اور یہ کہ عظیم انعام اللہ ہی کے پاس ہے۔"

(٦) فتنہ بمعنی دنگا و فساد

انسانوں کی طرف سے برپا کئے ہوئے دنگے و فساد اور ان کی آپسی لڑائی وہنگامہ آرائی کو بھی فتنہ کہتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: "اَلْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" (البقرۃ:۱۹۱) کہ "فتنہ قتل سے زیادہ سنگین برائی ہے۔ اور فرمایا: لَقَدِ ٱبْتَغَوُا ٱلْفِتْنَةَ مِن قَبْلُ(التوبہ:۴۸) کہ ان لوگوں نے اس سے پہلے بھی لڑائی وفساد پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

خیال رہے کہ عام طور پر فتنہ کا اطلاق "مسلمانوں کے درمیان پائی جانے والی لڑائی، جھگڑا، دنگا وفساد اور ان کے باہمی رائے و نظریات کے اختلاف پر ہوتا ہے۔"

اور حدیث پاک میں بیان کردہ فتنہ کا مفہوم زیادہ تر مسلمانوں کے باہمی فساد، خانہ جنگی اور باہمی کشمکش کی ایسی صورتحال پر بولا گیا ہے جب کچھ واضح نہ ہو پائے، حق وناحق میں امتیاز نہ ہو سکے اور اخلاقیات کی سطح اس قدر گر جائے کہ معاملات سدھرنے کے بجائے الجھتے ہی چلے جائیں۔

اسی لیے بعض احادیث میں واضح الفاظ میں "بَينَ الْمُسْلِمِيْنَ" کا لفظ وارد ہوا ہے، چنانچہ ابن ماجہ شریف میں ہے اِذَاكَانَتْ اَلْفِتْنَةُ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنِ فَاتَّخِذْ سَيْفًا مِنْ خَشَبٍ (ابن ماجہ:۳۹۶۰) کہ جب مسلمانوں کے درمیان فتنہ کھڑا ہو تو لکڑی کی تلوار بنالو، یعنی لڑائی کا ارادہ بالکل ترک کردو۔

بعض صحابہ کرام نے ایسا کیا بھی کہ جب مسلمانوں کے درمیان فتنہ اور اختلاف برپا ہوا تو انھوں نے لکڑی کی تلوار بنالی چنانچہ ترمذی شریف میں ہے حضرت عُدَیْسَہ بنتِ اُہْبَان کہتی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میرے والد کے پاس تشریف لائے اور انہوں نے میرے والد کو اپنے ساتھ (اہل شام یعنی حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ) لڑائی کرنے کی دعوت دی تو میرے والد نے ان سے کہا:
إنَّ خليلي وابنَ عمِّكَ عَهِدَ إِلَيَّ إِذَا اِخْتَلَفَ النّاسُ اَنْ أَتَّخِذَ سَيْفًا مِنْ خَشَبٍ فَقَدْ اتَّخَذْتُهُ فَإِنْ شِئْتَ خَرَجْتُ بِهِ مَعَكَ قَالَتْ: فَتَرَكَهُ (ترمذی شریف: ۲۲۰۳) کہ بیشک میرے دوست اور آپ کے چچا زاد بھائی یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد لے رکھا ہے کہ جب لوگ باہم اختلاف کریں (اور نوبت لڑائی جھگڑا تک آپہنچے) تو اس وقت میں لکڑی کی تلوار بنالوں پس میں نے لکڑی کی تلوار بنالی ہے اگر آپ چاہیں تو اسی لکڑی والی تلوار کے ساتھ آپ کے ساتھ چلوں عدیسہ کہتی ہیں کہ یہ سنکر حضرت علی ان کو چھوڑ کر چلے گئے۔

فتنہ کی تعریف حضرت گنگوہی کے نزدیک

فتنہ کی تعریف کے متعلق حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: "اِنَّ الْفِتْنَةَ فِتْنَةٌ مَالَمْ تُعْلَمْ أَيِ اَلْحَقُّ مِنَ الْبَاطِلِ (بذل المجہود ج: ۱۷ ص: ۸۱) کہ فتنہ وہ ہے جس کے حق و باطل ہونے کے درمیان فرق و امتیاز نہ ہوسکے۔ اور جس کا حق یا باطل ہونا واضح ہو وہ فتنہ نہیں ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اَلْفِتْنَةُ حَقٌّ وَبَاطِلٌ يَشْتَبِهَانِ فَمَنْ عَرَفَ الْحَقَّ لَمْ تَضُرَّهُ الْفِتْنَةُ کہ فتنہ وہ حق و باطل کا آپس میں مشتبہ اور خلط ملط ہونا ہے، پس جس نے حق کو پہچان لیا تو اسے فتنہ نقصان نہ پہنچائے گا۔ (نُعَیم بن حماد کتابُ الفِتَن)

فتنہ کی قسمیں:

فتنے دو طرح کے ہیں:

(۱) علمی فتنہ۔ (۲) عملی فتنہ۔

علمی فتنہ" وہ فتنہ ہے جس کا تعلق علم سے ہو یعنی اس فتنے کا اثر انسان کے

عقیدے اور ایمان پر پڑے جس کے سبب انسان کا ایمان خراب ہو۔

عملی فتنہ "وہ فتنہ ہے جس کا تعلق اعمال سے ہو یعنی جس سے اعمال خراب ہوں مثلاً چغل خوری، بد دیانتی، شراب نوشی، زناکاری، بے حیائی وغیرہ۔

علمائے کرام کے نزیک فتنوں کی قسمیں

علمائے کرام نے فتنوں کی چھ قسمیں بیان فرمائی ہیں

(١) آدمی کے اندر کا فتنہ: اور وہ یہ ہے کہ آدمی کے احوال بگڑ جائیں اس کا دل سخت ہو جائے اور اس کو عبادت میں حلاوت اور مناجات میں لذت محسوس نہ ہو۔

(٢) گھر میں فتنہ: اور وہ نظام خانہ داری کا بگاڑ ہے۔

(٣) وہ فتنہ جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے: اور وہ نظام مملکت و حکومت کا بگاڑ ہے اور لوگوں کا ناحق حکومت کی طمع ولالچ کرنا ہے، حدیث پاک میں ہے شیطان اِس سے تو مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرۃُ العرب میں نمازی اس کی پرستش کریں البتہ وہ ان کو آپس میں لڑانے میں لگا ہوا ہے۔

(۵) عالَم گیر فتنہ: یہ بد دینی کا فتنہ ہے۔

(۴) مِلّی فتنہ: وہ یہ ہے کہ مخصوص صحابہ وفات پا جائیں اور دین کا معاملہ نا اہلوں کے ہاتھ میں چلا جائے، پس اولیاء اور علماء، دین میں غلو کریں اور بادشاہ و عوام دین میں سستی برتیں، نہ اچھے کاموں کا حکم دیں نہ برے کاموں سے روکیں، پس زمانہ، زمانۂ جاہلیت ہو کر رہ جائے۔

(٦) فضائی حادثات کا فتنہ: بڑے بڑے طوفان اٹھتے ہیں، وبائیں پھیلتی ہیں، زمین دھنستی ہے اور بڑے علاقوں میں آگ لگتی ہے اور عام تباہی مچ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ ان حادثات کے ذریعہ مخلوق کو ڈراتے ہیں تاکہ وہ اپنی بد اعمالیوں سے باز آئیں۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ مع حجۃ اللہ البالغہ: ۵/ ٦۵٨-٦۵٧)

فتنوں سے متعلق احکام

معلوم ہونا چاہیے کہ فتنہ کا اطلاق اگرچہ مختلف معانی پر ہوتا ہے لیکن سب فتنوں کا درجہ اور حکم یکساں وبرابر نہیں ہے بلکہ فتنہ اگر بمعنی آزمائش ہو تو اس کا درجہ اور حکم اور ہے، اوراگر بمعنی کفروشرک ہو تو اس کا درجہ اور حکم دوسرا ہے، اوروہ فتنہ جو اہل اسلام کے مابین پیدا ہو اس کا درجہ و حکم کچھ اور ہے، اور اسی طرح مومن آدمی کا فتنہ اس کے مال واولاد میں اس کا حکم اور اس کا درجہ کچھ اور ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ فتنوں کا حکم بیان کردیا جائے۔

فتنہ اگر بمعنیٰ آزمائش وامتحان ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) ایک یہ کہ وہ آزمائش اللہ کی طرف سے ہو۔

(۲) دوسری صورت یہ کہ وہ آزمائش بندوں کی طرف سے ہو۔

اگر وہ آزمائش اللہ کی طرف سے ہو تو اس کا مقصد لوگوں کیلئے مخلص اور غیر مخلص میں فرق کرنا اور کھرے کھوٹے میں امتیاز پیدا کرنا ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ھُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ (العنکبوت:۳،۲) کیالوگوں نے یہ خیال کررکھاہے کہ وہ اتنا کہنے سے چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایانہ جائے گا، اور ہم تو ان لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں، اللہ تعالی ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا۔

اور اس آزمائشِ خداوندی کی بھی دو صورتیں ہیں:

(۱) بشکلِ نعمت (۲) بشکلِ مصیبت

کیوں کہ آزمائش نعمت اور مصیبت دونوں کے ذریعے ہوتی ہے،

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ" (سورۃ الانبیاء: ۳۵) "اور ہم تمھیں آزمانے کے لیے بُری اور بھلی حالتوں میں مبتلا کرتے ہیں اور ہماری طرف ہی تم سب لوٹائے جاؤ گے۔"

اگر آزمائش بشکلِ نعمت ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ بندہ نعمت کی قدر کرے اوراس کا شکر ادا کرے، حقوقِ نعمت بجالائے اس سے نعمت بڑھتی ہے جیسا کہ وعدۂ خداوندی ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (سورۂ ابراہیم: ۷) کہ اگر تم میرا شکر ادا کروگے تو میں تمھیں اور نعمت دوں گا۔

نعمت کی ناقدری وناشکری ہرگز نہ کرے، نعمت کی وجہ سے سرکشی ومعصیت میں قطعاً مبتلا نہ ہو، ورنہ وہی نعمت وبالِ جان اور عذابِ خداوندی کا سبب بنے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (ابراہیم: ۷) کہ اگر تم ناشکری کروگے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

اور اگر آزمائش بشکلِ مصیبت ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اپنی بھلائی سمجھے، جزع وفزع اور شکوہ وشکایت کرکے بے صبری کا مظاہرہ نہ کرے، بلکہ دامنِ صبر کو تھام کر شریعت کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا رہے، اللہ کی طرف رجوع ہو، اس کے دور کرنے کی اللہ سے دعا وتدبیر کرے، کیوں کہ اللہ کی طرف سے آنے والی آزمائش بندوں کے رفعِ درجات کا سبب یا گناہوں کی معافی کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے، اور بندے کو اللہ رب العزت کی رحمت ومہربانی کا مستحق بناتی ہے جیسا کہ وعدۂ خداوندی ہے: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۵۵) اور دیکھو ہم تمھیں آزمائیں گے

ضرور (کبھی) خوف سے اور (کبھی) بھوک سے اور (کبھی) مال جان اور پھلوں میں کمی کر کے اور جو لوگ (ایسے حالات میں) صبر سے کام لیں ان کو خوشخبری سنا دو، یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی طرف سے خصوصی عنایت ہے اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہیں جو ہدایت پر ہیں"

اور حدیث پاک میں ہے مَا يَزَالُ الْبَلاءُ بِالْمُؤْمِنِ والمُؤْمِنَةِ فِيْ نَفْسِهٖ وَوَلَدِهٖ وَمَالِهٖ، حَتّٰى يَلْقَىٰ اللهَ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيْئَةٌ (ترمذی:۲۳۹۹) کہ مؤمن مرد اور مؤمن عورت کو اس کی ذات اس کی اولاد اور اس کے مال میں مصیبت پیش آتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس پر کوئی خطا باقی نہ رہے گی۔

اور اگر وہ فتنہ و آزمائش بندوں کی طرف سے برپا کردہ ہو، وہ بھی کفار و مشرکین کی طرف سے مثلاً مسلمانوں کو اسلام و ایمان سے پھیرنے وروکنے انھیں گھر بار سے اجاڑنے و نکالنے کی شکل میں یا مار پیٹ قتل و غارت گری کا بازار گرم کرنے کی صورت میں یا موبلینچنگ وغیرہ کے ذریعے انھیں ڈرانے، ہراساں کرنے یا اور کسی قسم کی اذیت و تکلیف پہنچانے کی شکل میں تو یہ انتہائی مذموم اور بہت برا اور خراب فتنہ ہے، ایسے فتنے اوراس کے برپا کرنے والوں پر اللہ کی طرف سے بڑے سخت عذاب و سزا کی وعید آئی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ لَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ (البروج:۱۰) کہ " یقین رکھو جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ستایا، تکلیف دی

پھر توبہ نہیں کی ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور ان کو آگ میں جلنے کی سزا دی جائے گی"۔

ایسے فتنے کو قرآن کریم میں قتل سے بھی زیادہ سخت کہا گیا ہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: "وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ"،(البقرۃ:۱۹۱)"اور فتنہ قتل سے زیادہ سنگین برائی ہے۔

ایسے بدترین فتنے کا ذریعہ اور آلۂ کار ہرگز نہ بنے، اس سے بچنے اور دور رہنے کی حد درجہ کوشش کرے، جب تک کفار و مشرکین سے مقاومت اور مقابلے کی طاقت و قوت حاصل نہ ہو صبر وضبط سے کام لے، اس سے بچنے اور نجات حاصل کرنے کی جو بھی صورت اور تدبیر بن پڑے اختیار کرے، ہمت ہار کر اور مایوس ہو کر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا نہ رہے، بلکہ طاقت و قوت حاصل کرنے اور غلبہ پانے کی مسلسل سعی و کوشش میں لگا رہے۔

اسی طرح اگر فتنہ بمعنی کفر و شرک ہو اور بصورتِ کفر و شرک پایا جائے تو یہ سب سے بڑا فتنہ اور سب سے گندا پاپ و گناہ ہے، آخرت میں جس کی معافی و تلافی ہو ہی نہیں سکتی، جیسا کہ اعلانِ باری تعالیٰ ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا (النساء/۴۸)"یقینا اللہ اپنے ساتھ شرک کرنے کو تو نہیں معاف کرے گا ہاں البتہ اس کے علاوہ تمام گناہ جس کے لئے چاہے گا معاف کر دے گا اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو تحقیق کہ اس نے گناہ کا بہت بڑا بہتان باندھا۔

اس غیر قابلِ معافی و تلافی پاپ و گناہ سے کوسوں دور رہے مرتے دم تک خود کو اس سے بچائے اور دور رکھنے کی سب سے زیادہ فکر و کوشش کرے، حد

درجہ دل میں اس کی نفرت رکھے، اس کو ختم کرنے کے لیئے حدودِ شرع میں رہتے ہوئے مقدور بھر کوشش کرے، شوکتِ کفر کو توڑ کر شوکتِ اسلام قائم کرنے کے واسطے ہر طرح کی جانی مالی قربانی پیش کرے، کفر وشرک کو مغلوب، اسلام اور مسلمانوں کو غالب کرنے کے لیے زندگی کے آخری لمحے وسانس تک اپنی جدوجہد جاری رکھے۔

جیسا کہ حکم خداوندی ہے: وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (سورۃ الانفال:۳۹) "اور (مسلمانو) ان کافروں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔

ضروری تنبیہ: خیال رہے کہ ایمان وعقائد کے خلاف باطل عقائد اور نظریات کا بھی وہی حکم ہے جو کفر وشرک کا ہے۔ لہٰذا اگر ایمان وعقائد کے خلاف کوئی باطل عقیدہ و نظریہ وجود میں آئے خواہ وہ اپنوں کی طرف سے ہو یا غیروں کی طرف سے تو اس کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کرے اور اسے ختم کرنے تک اپنی جد وجہد جاری رکھے، جیسا کہ خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فتنۂ ارتداد یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام سے پھر جانے والوں کے فتنوں کو اور مانعینِ زکوۃ یعنی زکوۃ دینے سے انکار کرنے والوں کے فتنہ کو تلوار کے زور سے ختم کرکے دم لیا اور یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا وَتَمَّ الدِّينُ أَيُنْقَصُ وَأَنَا حَيٌّ؟ (مشکوۃ: ۵/ ۳۹۷) "کہ دین مکمل ہو چکا ہے، کیا میرے ہوتے ہوئے دین میں کمی کی جائے گی؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔

اور اسی طرح جب جب اسلام و مسلمانوں کے خلاف فتنوں کی کوئی سیاہ آندھی چلی اور کوئی فتنہ وجود میں آیا تو اہلِ حق میدان میں اترے اور بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا، اور اس کو ختم کر کے دم لیا، ان شاء اللہ العزیز آئندہ بھی قیامت تک

جب کبھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف باطل عقیدہ و نظریہ کا کوئی فتنہ سر اٹھائے گا تو اہلِ حق اس کا مقابلہ کریں گے اور اس کو ختم کرکے دم لیں گے۔ جیسا کہ آنحضور ﷺ کی پیشین گوئی موجود ہے لا تَزالُ طائِفَةٌ مِن أُمَّتي يُقاتِلُونَ عَلَى الحَقِّ ظَاهِرِينَ إلىٰ يَومِ القِيامَةِ: (مسلم شریف:۱۵۶) کہ میری امت کا ایک گروہ قیامت تک حق کے واسطے لڑتا رہے گا جسے اللہ تعالی (ان کے مخالفین پر) غلبہ عطا فرماتا رہے گا۔

اور اگر فتنہ بمعنیٰ مسلمانوں کے درمیان پائی جانے والی لڑائی و جھگڑا اور فساد ہو اور ان کی باہمی رائے و نظریات کا اختلاف ہو تو اس سلسلے میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اہلِ علم کے تین مسلک بیان فرمائے ہیں۔

(۱) عَدَمُ التَّعَرُّضِ مُطْلَقاً یعنی بالکل حصہ نہ لینا اور غیر جانب دار رہنا، نہ کسی کی حمایت کرنا نہ کسی کی مخالفت، نہ کسی کی مدح و تعریف نہ کسی کی مذمت وبرائی، یہ مسلک ہے صحابہ کرام میں سے حضرت ابو بَکرہ اور دیگر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا، گویا کہ ان حضرات کے نزدیک فرمانِ رسول اِذَا كَانَت الْفِتْنَةُ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنِ فَاتَّخِذْ سَيْفًا مِنْ خَشَبٍ (ابن ماجہ/۳۹۶۰) کا یہی مطلب ہے کہ جب مسلمانوں کے درمیان فتنہ کھڑا ہو تو لکڑی کی تلوار بنالو (یعنی لڑائی کا ارادہ بالکل ترک کردو)۔

(۲) جَوَازُ الْمُدَافَعَةِ یعنی بس مدافعت و دفاع اور اپنے بچاؤ تک حصہ لینے کی گنجائش ہے کہ اگر فریقین میں سے کوئی ایک گروہ ہم پر چڑھ دوڑے اور حملہ کردے تو صرف اس کا دفعیہ اور اپنا بچاؤ کرسکتے ہیں یہ مسلک ہے حضرت عبد اللہ ابن عمر، عمران بن حصین وغیرھم رضی اللہ عنہم اجمعین کا۔

(۳) نُصْرَةُ اَهْلِ الْحَقِّ یعنی اوّل اس کی تحقیق اور جستجو کی جائے کہ فریقین

میں سے حق پر اور حق کے زیادہ قریب کون ہے پھر اس کے مطابق جس کو حق پر سمجھے اس کا تعاون اور اس کی امداد و تائید کرے، جمہور صحابہ و تابعین اور اکثر اہلِ علم کا مسلک یہی ہے، ان حضرات کے نزدیک احقاقِ حق وابطالِ باطل (حق کو ثابت اور باطل کو مٹانے) کے واسطے اہلِ حق وصاحبِ حق کا ساتھ دینا اور ان کی نصرت ومدد کرنا واجب اور ضروری ہے کیونکہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو فتنہ و فساد اور بھڑکے گا، اہلِ باطل اور باغیوں کو فتنہ وشر انگیزی اور سرکشی کا خوب موقع ملے گا، دنیا فتنہ وفساد کی آماجگاہ بن جائے گی، ان حضرات کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ ہے: "وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ" (الحجرات:۹) "اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے کے ساتھ زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے"۔

ضروری تنبیہ

صحابہ کرام کے مابین جو اختلافات اور جنگیں ہوئیں خواہ وہ جنگ جَمَل کی شکل میں ہو یا جنگ صِفِّین کی، ان میں شریک اور غیر شریک کسی بھی صحابی کو قابلِ ملامت سمجھنا یا برا بھلا کہنا بالکل درست نہیں کیونکہ ان جنگوں میں ہر ایک صحابی کا موقف و نظریہ قرآن و حدیث کی روشنی میں تھا جس کے مطابق اس نے عمل کیا، چنانچہ جو حضراتِ صحابہ ان جنگوں سے کنارہ کش رہے اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کے نزدیک حق و باطل واضح نہ تھا ان کی نظر میں یہ جنگیں فتنہ تھیں اور فتنہ سے دور رہنے کا حدیث پاک میں حکم تھا اس لیے وہ ان جنگوں سے دور رہے اور کسی فریق کا ساتھ نہیں دیا، اور جو صحابہ شریکِ جنگ ہوئے ان کے نزدیک

حق و باطل واضح ہو چکا تھا، حکمِ خداوندی کے مطابق احقاقِ حق و ابطالِ باطل کے واسطے شریک ہوئے، جس کے نزدیک جو جماعت حق پر تھی اس کی تائید و نصرت کے واسطے اس کا ساتھ دیا، اس لیے یہ سب کے سب مستحقِ اجر و ثواب ہیں اور جو مقتول ہوئے وہ شہید ہیں۔

فتنوں کے ذکر کا مقصد

فتنوں کے ذکر کا مقصد فتنوں میں مبتلا و ملوث ہونے سے بچانا ہے، معلوم ہونا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ نے بہت سارے شر اور فتنوں سے صحابہ اور امت کو حدیثوں کے ذریعے آگاہ فرمایا ہے، آنحضور ﷺ کے فتنوں سے آگاہ فرمانے اور ان سے متعلق احادیث ذکر کرنے کا مقصد صرف پیشگوئی سنانا اور خبر دینا نہیں ہے بلکہ امت کو آگاہ اور خبر دار کرنا ہے تاکہ امت کہیں نادانستہ طور پر ان شر و فتن کا شکار نہ ہو جائے بلکہ ان حدیثوں کی روشنی میں اپنے آپ کو ان فتنوں اور برائیوں میں مبتلا و ملوث ہونے سے بچا سکے۔

فتنوں کا مقتول اور اس کا شکار دوزخی ہے

مسلمانوں کے درمیان واقع ہونے والا فتنہ جب تک فتنہ ہو یعنی حق و باطل واضح نہ ہو اور حق و ناحق سمجھ میں نہ آسکے تو ایسی حالت میں اس سے کنارہ کش اور دور رہے اس میں کسی قسم کی شرکت و شُمولیت درست نہیں اور اگر حق و ناحق کی تحقیق کیے بغیر، فتنہ پردازی و شر انگیزی کے واسطے کوئی شخص اس میں شریک ہوا اور مارا گیا تو حدیث کے مطابق قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "إِنَّهَا سَتَكُونُ فِتْنَةٌ تَسْتَنْظِفُ الْعَرَبَ قَتْلَاهَا فِي النَّارِ. اَللِّسَانُ فِيهَا اَشَدُّ مِنْ وَقْعِ السَّيْفِ." (سنن أبي داود: ۴۲۶۵) کہ عنقریب ایک ایسا فتنہ ظاہر ہونے والا ہے جو پورے عرب کو اپنی لپیٹ میں

لے لے گا اس میں قتل کیا ہوا شخص دوزخ میں جائے گا اور اس فتنے کے موقع پر زبان کھولنا تلوار چلانے سے بھی زیادہ سخت ہو گا، اورایک موقعہ پر فرمایا: اذَا تَوَاجَهَ الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ.(سنن ابی داود ۴۲۶۸:) کہ جب دو مسلمان آپس میں لڑنے کے واسطے اپنی تلوار لے کر نکلیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہوں گے۔

ہاں! البتہ اگر حق واضح ہونے کے بعد شریک ہوا اور احقاقِ حق اور تائیدِ حق میں مارا گیا، یا فتنہ سے کنارہ کش اور علٰحدہ تھا پھر بھی ظلماً قتل کر دیا گیا تو وہ مقتولِ فتنہ ہرگز نہیں جس کو حدیثِ پاک میں جہنمی کہا گیا ہے بلکہ وہ شہید اور جنتی ہے۔

جیسا کہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت "قَتْلَاهَا كُلُّهُمْ فِي النّارِ" (سنن أبي داود:۴۲۵۸) کی تشریح میں اپنے شیخ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وَقَدْ عَرَفْتَ أَنَّ الْفِتْنَةَ فِتْنَةٌ مَالَمْ تُعْلَمْ أَيُ الحَقُّ مِنَ البَاطِلِ فَمَنْ قُتِلَ فِيهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يَقْصِدَ إِحْقَاقَ الحَقِّ كَانَ كَذٰلِكَ (أَيْ فِي النَّارِ) وَأَمَّا مَنْ قُتِلَ فِي تَايِيدِ الحَقِّ أَوْ قُتِلَ ظُلْماً لَا يُرِيدُ قَتْلَ أَحدٍ فَلَيسَ هُوَ قَتِيلُ فِتْنَةٍ فَاغْتَنِمْ فَإِنَّهُ غَرِيبٌ". (بذل المجهود :ج۱۷ص۸۱) کہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ فتنہ وہ ہے جس کا حق اور باطل ہونا معلوم نہ ہو سکے۔ پس جو شخص فتنے میں مارا گیا بغیر اس کے کہ حق ثابت کرنا اس کا مقصد ہو تو وہ دوزخ میں جائے گا، اور جو شخص حق کی تائید میں قتل کیا گیا یا اس طرح ظلماً مارا گیا کہ وہ کسی کے قتل کا ارادہ نہیں رکھتا تھا تو وہ مقتولِ فتنہ نہیں ہے، اس نادر توضیح کو غنیمت سمجھو۔

فتنہ میں لب کشائی کا حکم

فتنہ جب تک فتنہ ہو یعنی اس کا حق و ناحق ہونا واضح نہ ہو تو خاموش رہنا ضروری ہے، کسی ایک فریق کی تائید اور تردید یا مدح و مذمت میں لب کشائی یا کسی قسم کی تبصرہ نگاری بالکل درست نہیں، کیونکہ اس سے فتنہ مزید بھڑکے گا، اس سے یا تو اپنے مسلمان بھائی کی غیبت و عیب جوئی ہو گی یا آبروریزی لازم آئے گی جو کہ ناجائز و حرام ہے۔

زمانۂ فتنہ میں حق و ناحق کی تحقیق کے بغیر زبان چلانے کو حدیثِ رسول میں تلوار چلانے سے بھی زیادہ سخت کہا گیا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا مبارک ارشاد ہے: "ستكونُ فِتنةٌ صَمَّاءُ بَكْماءُ عَمْياءُ، مَن أَشْرَفَ لَهَا اِسْتَشْرَفَتْ لَهُ، وَإِشْرَافُ اللِّسانِ فِيهَا كَوُقُوعِ السَّيْفِ"(سنن أبي داود:۴۲۶۴)

اور دوسری روایت میں ہے: "اللِّسَانُ فِيهَا أَشَدُّ مِنْ وَقْعِ السَّيْفِ" (رواه الترمذي:۲۱۷۸)

کہ عنقریب بہرے گونگے اور اندھے فتنے ظاہر ہوں گے، جو اس کی طرف جھانک کر دیکھے گا تو وہ فتنہ اس کو اپنی طرف کھینچ لے گا اور اس میں زبان چلانا تلوار چلانے کے مانند ہو گا یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گا، یعنی فتنہ کے زمانہ میں بے تحقیق کسی ایک فریق کی تائید یا تردید، مدح یا مذمت میں گفتگو کرنا اور صلح و مصالحت کے ارادے کے بغیر لب کشائی کرنا آگ پر تیل کا کام کرے گا۔

تنبیہ

حدیثِ مذکور: "اللِّسَانُ فِيهَا أَشَدُّ مِنْ وُقُوعِ السَّيْفِ" کی تشریح میں شُرّاحِ حدیث کے اور بھی اقوال منقول ہیں:

۱) مسلمانوں کے دو گروہ میں جب فتنہ اور لڑائی ہو تو اس صورت میں بلا تحقیق کسی ایک فریق کی مذمت کرنا ایسا ہی حرام ہے جیسے مسلمانوں میں تلوار چلانا حرام ہے کیوں کہ وہ لڑائی مسلمانوں کے درمیان ہے جن کی غیبت کرنا حرام ہے۔

۲) لسان سے مراد کلمۂ باطل ہے یعنی جو فریق غیر حق پر ہے اس کی زبانی تائید گناہ ہونے میں تلوار چلانے سے زیادہ سخت ہے۔

۳) لسان سے مراد کلمۂ حق ہے یعنی فتنہ کے زمانے میں حق بات زبان سے نکالنا تلواروں کی ضرب ومار برداشت کرنے سے بھی زیادہ شاق اور مشکل ہوگا اسلئے کہ وہ اہلِ فتنہ باطل پر ایسے اڑے ہوں گے کہ ذرہ برابر اپنے موقف و نظریے سے ہٹنے کے لئے تیار نہ ہوں گے، اسی کی تعبیر ایک عربی شاعر نے اس طرح کی ہے:

الشعر:

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِئَامُ وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

کہ نیزہ و تلوار کا زخم تو بھر جاتا ہے لیکن زبان کا زخم نہیں بھرتا

فتنوں سے محفوظ خوش نصیب ہے

جو شخص فتنوں سے محفوظ رہا وہ بڑا خوش نصیب اور سعادت مند ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِّبَ الفِتَنَ، إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِّبَ الفِتَنَ، إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِّبَ الفِتَنَ، ولَمَنِ ابتُلِيَ فَصَبَرَ فَوَاهًا". (سنن أبي داود: ۴۲۶۳) کہ "بے شک خوش نصیب ہے وہ جو فتنے سے بچا لیا گیا، بے شک خوش نصیب ہے وہ جو فتنے سے بچا لیا گیا، بے شک خوش نصیب ہے وہ جو فتنہ سے بچا لیا گیا، اور قابلِ افسوس ہے یا قابلِ داد و تعریف ہے وہ (جو بلا قصد) فتنے کی زد میں آگیا مگر اس نے صبر کیا۔

فتنوں سے بچنے کی دو صورتیں ہیں

(۱) پہلی صورت یہ کہ آدمی فتنے کا زمانہ ہی نہ پائے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اسے فتنے کے زمانہ سے پہلے ہی اٹھالیں، چنانچہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے حَبَّذَا مَوتاً عَلیٰ الْاِسْلامِ قَبْلَ الْفِتَنِ کہ کیا ہی خوب ہو تاکہ فتنوں سے پہلے اسلام پر موت آجاتی۔ (نعیم ابن حماد / الفتن)

(۲) دوسری صورت یہ کہ آدمی فتنے کا زمانہ تو پائے لیکن فتنوں سے دور رہے اور اللہ تعالی اسے اپنی رحمت سے فتنوں سے محفوظ فرمادیں۔

آج ہم فتنوں کے زمانے میں موجود ہیں اس لیے پہلی صورت تو ممکن نہیں، البتہ دوسری صورت ممکن ہے کہ ہم فتنوں سے دور بھاگیں اور اللہ تعالی کی طرف رجوع کریں تاکہ اللہ اپنی رحمت سے ہمیں فتنوں سے محفوظ فرمالیں۔

ابنِ جوزی رحمہ اللہ کا مقولہ:

علامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مارَئَیتُ اَعْظَمَ فِتْنَةً مِنْ مُقَارَبَةِ الفِتَنِ وَقَلَّ مَنْ يَّقْرُبُهَا اِلَّايَقَعُ فِيهَا ومَنْ حَامَ حَولَ الحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَّقَعَ فِيْهِ" کہ فتنے سے قریب ہونا سب سے بڑا فتنہ ہے، فتنہ سے قریب ہونے والا شخص اکثر فتنہ میں مبتلا ہو کر رہتا ہے، چراگاہ کے قریب چکر لگانے والا شخص قریب ہے کہ چراگاہ میں جاگھسے۔

زمانۂ فتنہ میں سب سے بہتر شخص کون؟

حضرت اُمّ مالک بزیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر فرمایا اور اسے قریب تر بتایا، "قُلتُ: یا رسولَ اللهِ مَنْ خَيرُ النّاسِ فيها؟" میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اس میں بہترین آدمی کون ہو گا؟ قال: "رَجُلٌ فِي مَاشِيَتِهِ يُؤَدِّي حَقَّهَا وَيَعْبُدُ رَبَّهُ، وَرَجُلٌ آخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ

يُخِيفُ العَدُوَّ ويُخَوِّفُونَهُ (سنن الترمذي: ۲۱۷۷) آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "وہ شخص جو اپنے جانوروں میں رہے اور ان کا حق ادا کرے اور اپنے رب کی عبادت کرے، اور وہ شخص جو اپنے گھوڑے کا سر پکڑے ہوئے دشمن کو ڈرائے اور دشمن اسے ڈرائیں (یعنی مسلمانوں کے باہمی قتل و قتال اور اختلاف کو چھوڑ کر کافروں کا رخ کرے اور ان سے جہاد کرنے میں مشغول ہو جائے)۔

وفی روایة: أو رَجلٌ مُعتَزِلٌ في بادِيَةٍ يُؤَدِّي حَقَّ اللهِ الذي عليهِ (الجامع الصحيح)

یا وہ آدمی ہے جو کسی جنگل میں جا کر گوشہ نشیں ہو جائے اور اللہ کی طرف سے جو حقوق اس پر عائد ہوں اس کی ادائیگی میں مشغول ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سب سے محبوب لوگ اللہ کے نزدیک غُرَباء ہیں قِيلَ: ومَن الغُرَبَاءُ؟ قالَ: اَلفرّارُونَ بِدِينِهِم، يَبْعَثُهُمُ اللهُ يومَ القيامةِ معَ عيسى ابنِ مريمَ عليهما السَّلامُ پوچھا گیا کہ غرباء کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا جو اپنے دین کو (فتنوں وغیرہ سے بچانے کی خاطر) بھاگتے پھرتے ہیں، اللہ رب العزت ایسے لوگوں کو قیامت کے دن عیسی ابن مریم علیہما السلام کے ساتھ اٹھائے گا۔ (نعیم بن حماد کتاب الفتن)

فتنوں سے بچنے کا ذریعہ خَلْوَت یا بادیہ وصحراء نشینی ہے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "يُوشِكُ أَنْ يَكونَ خَيْرَ مَالِ المُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الجِبالِ ومَواقِعَ القَطْرِ، يَفِرُّ بدِينِهِ مِنَ الفِتَنِ." (صحیح البخاري: ۷۰۸۸)

عنقریب مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جن کو لے کر وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کے اترنے کے مقامات پر جائے گا اور اپنے دین کو فتنوں سے بچا

کر بھاگے گا۔

یعنی فتنے سے بچنے اور دور رہنے کے واسطے چند بکریاں لے کر آبادی سے دور نکل جائے، قدرتی چراگاہوں میں بکریاں چَرا کر اپنی روزی کا انتظام کرے۔

یعنی آبادی کو چھوڑ کر جنگل یا بیابان اپنا مسکن ورہائش گاہ بنالے، جَلْوَت پر خَلْوَت کو ترجیح دے، لوگوں کے ساتھ رہنے کے مقابلے میں تنہا رہنے کو محبوب رکھے، عام لوگوں کی فکر چھوڑ کر اپنے ایمان واعمال کی فکر کرے اور فتنوں سے محفوظ رہے، فتنے سے بچنے کا یہ بہتر طریقہ ہے۔

اور ایک روایت میں ہے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارا کیا حال ہوگا؟ جب تم لوگوں کے بُھس یعنی بالکل ناکارہ لوگوں میں رہ جاؤ گے، ان کی امانتوں اور عہد و پیمان میں گڑبڑ ہوگی، اور وہ آپس میں اختلاف کریں گے اور اس طرح ہو جائیں گے آپ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈالا، (یعنی وہ اس طرح ایک دوسرے سے نزاع اور جھگڑا رکھتے ہوں گے اور ایک دوسرے کی ہلاکت کے درپے ہوں گے اور ان کے دین کا معاملہ باہم مختلط اور گڈ مڈ ہوگا کہ امین اور خائن کی پہچان اور نیک وبد کا امتیاز نہ ہوسکے گا) عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مجھے اس وقت کیا حکم ہوگا؟ تو آپ ﷺ آنے فرمایا: "عَلَيْكَ بِمَا تَعْرِفُ وَدَعْ مَا تُنْكِرُ وَعَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَإِيَّاكَ وَعَوَامَّهُمْ." وفي روايةٍ: "اِلْزَمْ بَيْتَكَ وَامْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَخُذْ مَا تَعْرِفُ وَدَعْ مَا تُنْكِرُ وَعَلَيْكَ بِأَمْرِ خَاصَّةِ نَفْسِك وَدَعْ أَمْرَ الْعَامَّةِ" (سنن أبي داود: ۴۳۴۳)

کہ "جس کو بھلا سمجھو اسے مضبوطی سے تھام لو اور جسے برا جانو تو اسے ترک کر دو، تم اپنا خاص خیال رکھو عوام سے بچو، یعنی ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو، اور ایک

روایت میں اس طرح ہے کہ اپنے گھر کو لازم پکڑو، اور اپنی زبان کو قابو میں رکھو، اچھائی کو اختیار کرو اور برائی کو چھوڑ دو، اور اپنے خصوصی معاملات (کی درستگی) پر توجہ دو اور عام لوگوں کے معاملات (کے درستگی) کی فکر چھوڑ دو یعنی اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرو اور دوسرے لوگوں کے خیال و فکر میں مت پڑو۔

تنبیہ: معلوم ہونا چاہیے کہ علماء کے نزدیک یہ حکم اس وقت ہے جب کہ شریر اور برے لوگوں کی کثرت ہو اور نیکوں کی قوت انتہائی درجہ ضعیف و کمزور ہو تو پھر ایسے حالات میں امر بالمعروف کے ترک کر دینے کی گنجائش اور رخصت ہے، اگرچہ اس وقت بھی اعلانِ حق اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا ہی اولیٰ و افضل ہے۔

سوال: عُزلت و تنہائی افضل ہے یا اختلاط؟

لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا اور زندگی گزارنا زیادہ افضل و بہتر ہے یا کہ گوشہ نشینی اور لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر زندگی بسر کرنا؟

جواب (۱): علامہ قسطلانی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہا اللہ کے قول کے مطابق اخیر زمانے میں جب بکثرت فتنے ظاہر ہوں اور عمومِ بلویٰ یعنی عام وباء کی شکل اختیار کر جائیں ایسے وقت گوشہ نشینی اور تنہائی والی زندگی اختلاط و ملاپ والی زندگی سے زیادہ بہتر ہے، اوپر ذکر کی ہوئی حدیثوں کا محمل و مصداق اخیر زمانہ ہی ہے کہ جب بکثرت فتنے ظاہر ہوں۔

البتہ عام حالتوں میں عُزلت و تنہائی اور اختلاط کے تعلق سے علماء کے متعدد اقوال ہیں جنھیں ملاحظہ فرمائیں:

جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ اختلاط اور لوگوں کے ساتھ مل جل کر گزاری جانے والی زندگی، گوشہ نشینی اور تنہائی والی زندگی سے بہتر ہے، جیسا کہ آنحضور

ﷺ کا ارشاد گرامی ہے المُؤمِنُ الَّذي يُخَالِطُ النّاسَ ويَصْبِرُ عَلىٰ أَذَاهُم أَفْضَلُ مِن المُؤمِنِ الَّذِي لَا يُخَالِطُ النّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلىٰ أَذَاهُم (صحیح الجامع:٦٦٥١) کہ جو مومن لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہے اور ان کی اذیت اور تکلیف پر صبر کرے وہ اس مومن سے اجر و ثواب میں زیادہ بڑھا ہوا ہے جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر نہ رہے اور نہ ان کی اذیت وتکلیف پر صبر کرے۔

نیز اختلاط کی صورت میں دینی فوائد حاصل کرنے کے جو بے شمار مواقع ہیں وہ عُزلَت اور تنہائی میں نہیں ہیں مثلاً تحصیلِ علم، شعائرِ اسلام مثلاً جمعہ، جماعت، عیدین وغیرہ کا قائم کرنا، مسلمانوں کی تعداد کو بڑھا کر ان کی قوت، شوکت اور رونق کا باعث بننا اور ان کی اعانت، زیارت، عیادت وغیرہ کرکے ثوابِ دارین حاصل کرنا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: جس شخص کو معصیت و گناہ میں مبتلا ہونے کا غلبۂ ظن (غالب گمان) نہ ہو اس کے لئے مخالطت اور لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا خلوت و تنہائی سے بہتر ہے، اور جس شخص کو گناہ و معصیت میں مبتلا ہونے کا شک و تردد ہو تو اس کے حق میں گوشہ نشینی اور تنہائی بہتر ہے۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس میں اشخاص وافراد اوراحوال کے اختلاف سے حکم مختلف ہے، بعضوں کے حق میں عزلت و تنہائی بہتر ہے اور بعضوں کے حق میں اختلاط اور مل جل کر رہنا بہتر ہے اور بعض کے حق میں ترجیح کو دیکھا جائے گا۔

یعنی کس کے حق میں کیا مفید ہے؟ اور کس کے حال کے کیا مناسب ہے؟ اس کے مطابق فیصلہ ہو گا۔

فتنوں سے پناہ مانگنے کا حکم

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرو، صحابہ کرام نے کہا "ہم دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں" آپ نے فرمایا "عذابِ قبر سے بھی اللہ کی پناہ چاہو" صحابہ کرام نے کہا "ہم عذاب قبر سے بھی اللہ کی پناہ چاہتے ہیں" آپ نے فرمایا "تَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ، مَا ظَهَرَ منها وما بَطَنَ قَالُوا: نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ،(صحیح مسلم:۲۸۶۷)

"ظاہری اور پوشیدہ تمام فتنوں سے بھی اللہ کی پناہ مانگو" صحابہ کرام نے کہا "ظاہری اور پوشیدہ تمام فتنوں سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں" آپ نے فرمایا دجال کے فتنے سے بھی اللہ کی پناہ طلب کرو" صحابہ کرام نے کہا "ہم دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں"۔

زمانۂ فتنہ میں دین پر ثابت قدم رہنے کا ثواب

حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے آگے ایسا زمانہ آرہا ہے جس میں صبر کی سِل یعنی پتھر چھاتی پر رکھنی ہوگی، جو شخص ان ایام میں صبر کرے گا وہ گویا اپنے ہاتھ میں انگار لے گا(یعنی ان دنوں میں دین پر ثابت قدم رہنا اتنا ہی مشکل ہوگا جتنا ہاتھوں میں انگارہ لینا دشوار ہوتا ہے۔) "لِلْعَامِلِ فِيهِنَّ مِثْلُ أجرِ خَمْسِينَ رجلًا يَعْمَلُونَ مِثْلَ عَمَلِكُمْ .. قيلَ: يا رسولَ اللهِ! أجرُ خَمْسِينَ رَجُلًا مِنَّا أَوْ مِنْهُم؟ قالَ بَلْ أَجْرُ خَمْسِينَ رَجُلًا مِنْكُم (رواه الترمذي:۳۰۵۸) "ان دنوں میں دین پر عمل کرنے والے کے لیے پچاس شخصوں کے عمل کا ثواب ہوگا" صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں سے پچاس شخصوں کے عمل کا ثواب اس کو ملے گا

یا اس زمانے کے پچاس شخصوں کے عمل کا ثواب اس کو ملے گا؟ فرمایا: نہیں! بلکہ تم میں سے پچاس شخصوں کے عمل کا ثواب اس کو ملے گا۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "جو شخص فتنہ و فساد اور لڑائی و جھگڑے کے زمانہ میں ان سب چیزوں سے منہ موڑ کر اللہ رب العزت کی عبادت میں مشغول ہو جائے تو اس کی عبادت کا ثواب ہجرت کرنے کے مثل ثواب ہے۔

چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اَلْعِبادَةُ فِي الْهَرْجِ كَهِجْرَةٍ إِلَيَّ." (صحیح مسلم:۲۹۴۸)

کہ قتلِ عام کے زمانہ میں عبادت کرنا میری طرف ہجرت کرنے کی طرح ہے (یعنی اس کی عبادت کا ثواب اس قدر زیادہ ہے جیسے کہ اس نے مکۃ المکرمہ سے جب کہ وہ دارُ الحرب تھا ہجرت کی اور مدینہ منورہ میں آپ کی صحبت اختیار کی)۔

تنبیہِ ضروری: اس حدیث سے ہر گز یہ سمجھنا درست نہیں کہ غیرِ صحابی کا اجر کلی و مجموعی طور پر صحابی کے اجر سے بڑھ سکتا ہے کیوں کہ حدیثِ مذکور میں اس غیرِ صحابی کے عمل کے اجر کا صحابہ کے عمل پر پچاس گُنا زیادہ ہونا صرف اس خاص عمل کے اعتبار سے مذکور ہے جس عمل کو اختیار کرنا آنے والے زمانے میں انسان پر زیادہ شاق اور مشکل ہو گا نہ کہ مطلقاً ورنہ تو کلّی اور مجموعی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے عمل کے اجر و ثواب کی فضیلت و فوقیت قرآن و حدیث میں بیان کی گئی ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ ٱلْفَتْحِ وَقَـٰتَلَ ۚ أُو۟لَـٰٓئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ ٱلَّذِينَ أَنفَقُوا۟ مِنۢ بَعْدُ وَقَـٰتَلُوا۟ ۚ وَكُلًّا وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلْحُسْنَىٰ ۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (الحدید:۱۰) تم میں سے جنہوں نے (مکہ کی) فتح سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی لڑی برابر نہیں، یہی لوگ

بڑے درجے والے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد خرچ کیا اور لڑائی لڑی، یوں تو اللہ تعالی نے بھلائی کا وعدہ ان سب سے کر رکھا ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

اور حدیث پاک میں ہے لا تَسُبُّوا أَصْحابِي، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ ولا نَصِيفَهُ (صحیح بخاري:۳۶۷۳) کہ میرے صحابہ کو برا بھلامت کہو کیوں کہ اگر تم میں کا کوئی شخص احد پہاڑ برابر بھی سونا خرچ کرے تو ان کے ایک مد بلکہ نصف وآدھے مد تک بھی نہ پہنچ سکے گا۔

(مد ایک پیمانہ ہے جس کی مقدار تقریباً ۸۱۶ گرام ہوتی ہے)

فتنہ کو ہوا نہ دینے اور اس میں قِتال سے گریز کا حکم

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب فتنے برپا ہوں گے، سنو! پھر فتنے برپا ہوں گے، خبردار! پھر فتنے برپا ہوں گے کہ جن میں بیٹھنے والا چلنے والے سے اور چلنے والا ان میں دوڑنے والے سے بہتر ہو گا، سنو! جب یہ واقع ہو جائیں تو جس کے اونٹ ہوں اسے اپنے اونٹوں سے جاملنا چاہئے اور جس کے پاس بکریاں ہوں اسے اپنی بکریوں میں چلا جانا چاہیے اور جس کے پاس زمین ہو تو اسے اپنی زمین میں چلے جانا چاہیے، اس پر ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! جس کے پاس نہ اونٹ ہوں، نہ بکریاں ہوں تو وہ کیا کرے؟ قالَ: "فَلْيَأْخُذْ حَجَرًا فَلْيَدُقَّ بِهِ عَلَىٰ حدِّ سيفِهِ ثُمَّ لِيَنْجُ إنِ اسْتَطَاعَ." تو آپ نے فرمایا: "وہ اپنی تلوار لے کر اس کی دھار پتھر سے کوٹ ڈالے اور اگر وہ اپنے آپ کو بچا سکتا ہے تو اپنے آپ کو بچائے، اے اللہ! میں نے لوگوں کو پیغام پہنچا دیا، یہ بات آپ نے تین بار فرمائی۔

ایک آدمی کہنے لگا: یارسول اللہ! اس وقت کے لیے آپ کا کیا حکم ہے جب

مجھے کوئی مجبور کر کے لے جانا چاہے کہ میں لڑنے والوں کی دونوں صفوں میں سے ایک میں شامل ہو جاؤں، تو اس وقت کوئی آدمی مجھے اپنی تلوار سے مار دے یا کوئی تیر آکر ہلاک کر دے، تو ارشاد فرمایا وہ تیرا اور اپنا گناہ لے کر لوٹے گا اور وہ دوزخی ہو گا۔ (رواہ مسلم:۲۸۸)

اور حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت سے پہلے اندھیری رات کے ٹکڑوں کے مانند فتنے ظاہر ہوں گے، ان میں آدمی صبح کے وقت مومن اور شام کو کافر ہو جائے گا، اور شام کو مومن اور صبح کے وقت کافر ہو جائے گا، اس میں بیٹھا ہوا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہو گا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا، اس میں کمانوں کو توڑ ڈالنا اور تانتوں کو کاٹ دینا اور اپنی تلواروں کو پتھر پر مار کر کُند اور بے دھار کر دینا، اور اگر تم میں سے کسی کے پاس وہ فتنہ اندر داخل ہو جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کے اچھے بیٹے (ہابیل) کی طرح ہو جانا، یعنی مقتول ہو جانا لیکن قاتل نہ بننا۔ (سنن أبي داود:۴۲۵۹)

سنن أبي داود ہی کی دوسری روایت میں مزید اتنا اضافہ اور ہے کہ پھر لوگوں نے پوچھا کہ آپ ہمیں ایسے حالات میں کیا حکم فرماتے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: "اپنے گھروں کی چٹائیاں اور ٹاٹ بن جانا" یعنی جس طرح ٹاٹ ہمیشہ اچھے فرش کے نیچے زمانۂ دراز تک بچھا رہتا ہے، جلدی نکالا نہیں جاتا اسی طرح تم بھی اپنے گھروں میں مقیم وبر قرار رہنا، باہر ہر گز نہ نکلنا، تاکہ کہیں فتنے میں مبتلا نہ ہو جاؤ جو تمہارے دین کو ملیامیٹ کر دے۔

اور ترمذی شریف میں ہے حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ راوئ حدیث ہیں کہ أَنَّ النّبِيّ صلى الله عليه وسلم قَالَ فِي الْفِتنةِ: "كَسِّرُوا فِيهَا قِسِيَّكم،

وَقَطِّعُوا فِيهَا أَوْتَارَكُم، والزمُوا فِيهَا أَجْوافَ بُيُوتِكُم، وَكُونُوا كَابْنِ آدَمَ"
(سنن الترمذي:۲۲۰۴)

کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا: " فتنے کے دوران اپنی کمانوں کو توڑ ڈالنا اور اس کی تانتوں کو کاٹ ڈالنا(یعنی ہتھیار توڑ کر لڑنے اور مقابلہ کرنے کا خیال بالکل دل سے نکال دینا) اور اپنے گھروں کے اندرون کو لازم پکڑنا، اور حضرت آدم کے بیٹے(ہابیل) کی طرح ہو جانا(یعنی صبر سے کام لینا اور مقابلہ سے ہاتھ روک لینا یہاں تک کہ ہابیل کی طرح جان کی بازی لگا دینا لیکن قابیل کا طرزِ عمل اختیار کر کے اپنا ہاتھ قتل سے رنگین نہ کرنا)۔

اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہو گا اس وقت جب کہ اتنی کثرت سے اموات ہوں گی جس میں ایک قبر کے بقدر جگہ ایک غلام کے بدلے میں ملے گی (یعنی کثرتِ مقتولین او کثرتِ اموات کی وجہ سے دفن کرنے کے لیے زمین پیسے سے خریدنی پڑے گی اور بہت گراں و مہنگی ہو جائے گی) تو اس پر حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانیں یعنی آپ ہی بتلائیے کہ کیا کرنا چاہیے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "عَلَيْكَ بِالْصَّبْرِ" کہ صبر اختیار کرنا، اس کے بعد آپ نے دریافت فرمایا کہ اے ابو ذر! تمہارا اس وقت کیا حال ہو گا "إذا رَأيتَ أحجَارَالزَّيتِ قدْ غَرِقَتْ بالدِّمِ" جب تم دیکھو گے کہ " أحجارالزیت " (مدینہ شریف میں ایک جگہ کا نام ہے یہ جگہ مدینہ شریف کے مغربی جانب واقع ہے، وہاں بکثرت سیاہ پتھر پائے جاتے ہیں جو دیکھنے میں اس طرح محسوس ہوتے ہیں کہ ان پر زیتون کا تیل مل دیا گیا ہو) خون سے لت پت و رنگین ہو جائے گا، انھوں نے عرض کیا کہ جو اللہ اور اس کا رسول میرے لیے

پسند کرے گا وہی کروں گا، تو آپ نے فرمایا "عليكَ بِمَنْ أَنْتَ مِنْه" اس وقت تم لازم پکڑنا ان لوگوں کو جن میں سے تم ہو یعنی اپنا گھر اور قبیلہ، اور یا یہ مطلب ہے کہ جس امام سے تمہاری بیعت کا تعلق ہے اس کے ساتھ رہو، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اس وقت میں اپنی تلوار لے کر اس کو اپنے کندھے پر نہ رکھوں یعنی قتال نہ کروں؟ آپ نے فرمایا: کہ اس صورت میں تو تم ان فتنہ پردازوں کے ساتھ شرکت کرنے والے ہو جاؤ گے۔ قَالَ قُلْتُ فَإِنْ دُخِلَ عَلَيَّ بيتِي قَالَ فَإِنْ خَشِيتَ أَنْ يَبْهرَكَ شُعَاعُ السَّيفِ فَأَلْقِ ثَوْبَكَ عَلىٰ وَجهِكَ يَبُوءُ بِإِثْمِكَ وَإِثْمِهِ (سنن أبي داود: ۴۲۶۱)

انہوں نے عرض کیا کہ اس وقت اگر کوئی فتنہ پرداز گھر میں داخل ہو جائے تو پھر کیا کروں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر دشمن کی تلوار کے بارے میں تجھے یہ خطرہ ہو کہ اس کی شعاع (چمک) تجھ پر غالب آجائے گی، تو اس وقت تو بجائے اپنے دفاع و بچاؤ کے اپنا کپڑا اپنے چہرے پر ڈال لے (تاکہ پتہ نہ چلے کہ کون میرے ساتھ کیا کر رہا ہے) پس اس صورت میں وہ تیرا قاتل، تیرے اور اپنے دونوں کے گناہ کے ساتھ لوٹے گا۔

ضروری تنبیہ

خیال رہے کہ حدیثِ مذکور میں فتنہ سے کنارہ کشی و علحدگی اور دورانِ فتنہ کسی کے حملہ کرنے کی صورت میں جو ترکِ دفاع اور مدافعت نہ کرنے کا حکم آیا ہے وہ مسلمانوں میں کُشت وخوں ہونے اور لڑائی و فساد کا بازار گرم ہونے سے بچانے کے لئے ہے، ورنہ اگر دشمن ناحق خوں ریزی کرے، یا ناحق حملہ آور ہو، تو اگر حملہ آور مسلمان ہو تو اپنا دفاع جائز ہے اور اگر حملہ آور کافر ہے تو امکان کی حد تک دفاع واجب اور ضروری ہے، اور دونوں صورتوں میں اگر مقتول ہو گیا تو

شہید ہو گا، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ. وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دِينِهِ فهوَ شَهِيدٌ. وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دَمِهِ فهوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ أَهلِهِ فهوَ شَهِيدٌ."(سنن الترمذي:۱۴۲۱) کہ "جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا گیا وہ شہید ہے، اور جو اپنے دین کی حفاظت میں قتل کیا گیا وہ شہید ہے، اور جو اپنی جان کے دفاع میں مارا گیا وہ شہید ہے، اور جو اپنے اہل وعیال کی مدافعت وبچاؤ میں قتل کیا گیا وہ شہید ہے۔

اور صحیح مسلم میں ہے "جاءَ رَجُلٌ إلىٰ رَسولِ اللهِ ﷺ، فقالَ: يا رَسولَ اللهِ، أرَأَيْتَ إنْ جاءَ رَجُلٌ يُرِيدُ أَخْذَ مالِي؟ قالَ: فلا تُعْطِهِ مَالَكَ قالَ: أرَأَيْتَ إنْ قَاتَلَنِي؟ قَالَ: قَاتِلْهُ قَالَ: أرَأَيْتَ إنْ قَتَلَنِي؟ قالَ: فأنْتَ شَهِيدٌ، قالَ: أرَأَيْتَ إنْ قَتَلْتُهُ؟ قالَ: هُوَ فِي النّارِ." (مسلم شریف: ۱۴۰) کہ ایک صحابی نے حضور ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا: یارسول اللہ! اگر کوئی شخص مجھ سے میرا مال چھیننے کی کوشش کرے تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: اسے مت دو! اس نے عرض کیا: اگر وہ مجھ سے قتال شروع کر دے تو؟ آپ نے فرمایا: تم بھی اس سے قتال کرو! عرض کیا: اگر وہ مجھے قتل کر دے؟ فرمایا: تم شہید ہو گے، عرض کیا: اگر میں اسے قتل کر ڈالوں تو آپ نے فرمایا: وہ جہنم میں گیا۔

دورانِ فتنہ قتال کے بجائے مقتول ہو جانا ذریعۂ نجات ہے

سعید بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں كُنّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ، فَذَكَرَ فِتْنَةً، فَعَظَّمَ أَمْرَهَا، فَقُلْنَا أَوْ قَالُوا: يَا رَسولَ اللهِ، لَئِنْ أَدْرَكَتْنَا هٰذِهِ لَتُهْلِكُنَا! فَقَالَ رسولُ اللهِ ﷺ: كَلَّا إنَّ بِحَسْبِكُمُ القَتلَ، قَال سَعِيدٌ: فَرَأَيْتُ إِخْوَانِي قُتِلُوا (سنن ابی داود/۴۲۷۷) کہ ایک روز ہم حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے ایک فتنہ کا ذکر فرمایا اور اس کا عظیم اور بہت بڑا ہونا

ظاہر فرمایا، اس پر ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! اگر ہم نے اس فتنہ کو پالیا تو وہ فتنہ تو ہم سب کو ہلاک کر کے رکھ دے گا (یعنی ہماری آخرت تباہ و برباد کر دے گا) تو اس پر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ تمہارے لئے مقتول ہو جانا کافی ہے (یعنی ہلاکتِ اُخروی سے بچانے کے لیے تمہارا مقتول ہو جانا کافی ہے)۔

مطلب یہ ہے کہ خطرہ اور ضرر تو اس صورت میں ہو گا جب تم اس میں شریک ہو کر قتال و لڑائی کرو گے اور اگر قتال کے بجائے ہابیل کی طرح مقتول ہو جاؤ گے تو پھر کیا ضرر و نقصان رہے گا۔

راویٔ حدیث حضرت سعید بن زید رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائیوں کو دیکھا کہ وہ (حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہدایت کے مطابق دورانِ فتنہ) مقتول ہو گئے، لہٰذا اس فتنہ کے ضرر سے محفوظ رہے۔

ابو عثمان سے روایت ہے کہ رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خالد بن عرفطہ کو مخاطب کر کے فرمایا اے خالد إِنَّهَا سَتَكُونُ بَعْدِي أَحْدَاثٌ وَفِتَنٌ وَاخْتِلَافٌ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَن تَكُونَ عَبْدَ اللهِ الْمَقْتُولَ لَا الْقَاتِلَ فَافْعَلْ (مجمع الزوائد ۷/۳۰۵) کہ عنقریب حادثے فتنے اور اختلافات رونما ہوں گے پس اگر تیرے بس میں ہو تو اللہ کے مقتول بندہ بننا نہ کہ قاتل۔

مؤمن کا قتل گناہِ عظیم ہے

کسی مومن کا ناحق قتل اللہ کے نزدیک کتنا بڑا جرم ہے کہ بیک وقت جتنی سخت وعیدیں اور سزائیں قتلِ مومن پر بیان کی گئی ہیں کسی اور گناہ پر نہیں بیان کی گئیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا [النساء:۹۳] کہ جو شخص کسی مومن کو قصداً قتل کر دے تو ایسے شخص کی سزا جہنم

ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا كُلُّ ذنبٍ عسى اللهُ أنْ يَغفِرَهُ، إلّا مَن مَاتَ مُشرِكًا، أوْ مُؤْمِنٌ قَتَلَ مؤمِنًا مُتعمِّدًا. (سنن ابی داؤد ۴۲۷۰) کہ ہر گناہ کے بارے میں معافی کی امید کی جاسکتی ہے سوائے اس شخص کے جو شرک کی حالت میں مرے اور سوائے اس مومن کے جو کسی دوسرے مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے۔

اور انھیں سے یہ روایت بھی منقول ہے لَا يَزالُ المُؤْمِنُ مُعْنِقًا صَالِحًا مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا. فإذا أَصَابَ دمًا حَرَامًا بَلَّحَ. (سنن ابی داؤد ۴۲۷۰) کہ مسلمان آدمی صلاح، نیکی اور توفیقِ خیرات کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھتا رہتا ہے اور ترقی کرتا رہتا ہے جب تک ناحق خون نہ بہائے لیکن جب کسی کا ناحق خون بہادیا تو سمجھو کہ وہ تھک گیا اور ہر خیر سے رک گیا اور اس کی ترقی ختم ہو گئی۔

مجمع الزوائد میں ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی مسلسل اپنے دین کے اندر کشادگی میں رہتا ہے جب تک ناحق قتل نہ کرے فَإِذَا أَصَابَ دَمًا حَرَامًا نُزِعَ مِنْهُ الحَيَاءُ لیکن جب ناحق قتل کر بیٹھتا ہے تو اس سے حیا و شرم چھین لی جاتی ہے۔ (۸/۳۰۱)

اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا فَاغتَبَطَ بِقَتْلِهِ لم يَقْبَلِ اللهُ منه صَرْفًا ولا عَدْلًا. (سنن ابی داؤد ۴۲۷۰) کہ جس شخص نے کسی مومن کو ظلماً قتل کیا اور نادم اور شرمندہ ہونے کے بجائے اس قتل پر خوش ہوا تو ایسے شخص کی اللہ تعالیٰ نہ نفلی عبادت کو قبول فرماتے ہیں اور نہ فرض۔

اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے سِبَابُ المُسْلِمِ فُسُوقٌ، وقِتالُهُ كُفْرٌ (بخاری شریف / ۶۰۴۴) کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔

اور نسائی شریف میں ہے حضرت ابو بکرہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا إذا حَمَلَ الرَّجُلانِ المُسلِمانِ السِّلاحَ أحدُهما على الآخَرِ فهُما على جُرُفِ جهنَّمَ، فإذا قتَلَ أحدُهما الآخَرَ فهُما في النّارِ. (نسائی شریف ۴۱۲۸) کہ اگر دو مسلمان ایک دوسرے کو مارنے کے لیے ہتھیار اٹھائیں گے تو دونوں جہنم کے کنارے پر ہوں گے، اور اگر ایک قتل ہو گیا تو دونوں جہنم میں جائیں گے۔

کیوں کہ ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا جبکہ دوسرے کی نیت بھی اسے قتل کرنے ہی کی تھی، کیوں کہ ہتھیار تو دونوں نے ساتھ ہی اٹھائے تھے، یہ اور بات ہے کہ ایک غالب رہا اور دوسرا مغلوب، لیکن جہنم میں دونوں جائیں گے۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفّارًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقابَ بَعْضٍ. (صحیح البخاری:۶۸۶۸) میرے بعد کافر مت ہو جانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو، جان لو کہ کوئی شخص اپنے باپ یا بھائی کے جرم و گناہ میں نہیں پکڑا جائے گا۔ (بلکہ اسی سے پوچھا جائے گا جو اس کا فاعل و مرتکب ہو گا)۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا والذي نَفْسِي بيدِهِ، لَقَتْلُ مؤمنٍ أَعْظَمُ عندَ اللهِ مِن زَوالِ الدنيا (نسائی شریف / ۳۹۸۶) اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کسی مومن کو قتل کرنا اللہ کے نزدیک پوری دنیا کے تباہ ہو جانے

سے زیادہ عظیم ہے۔

قیامت کے دن حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہو گا اور حقوق العباد میں سب سے پہلے قتل کا چنانچہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ اَلصَّلاةُ، وَأَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَين النَاسِ في الدِّمَاءِ (نسائی شریف:۴۰۰۲) کہ سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا اور سب سے پہلے لوگوں کے درمیان قتل کا فیصلہ کیا جائے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَن حَمَلَ علينا السِّلاحَ فليسَ مِنّا. (بخاری شریف/۶۸۷۴) کہ جس شخص نے ہم مسلمانوں پر ہتھیار اٹھایا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔

یعنی مسلمانوں پر جو شخص اسلحہ اٹھائے وہ در حقیقت مسلمان نہیں خواہ ظاہراً کلمہ گو ہو۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَن جاء يَعبُدُ اللهَ ولا يُشرِكُ به شيئًا، ويُقيمُ الصَّلاةَ ويُؤتي الزَّكاةَ، ويَصُومُ رمضانَ ويَجتَنِبُ الكَبَائرَ، كَان لَه الجنَّةُ، فَسَألُوه عن الكَبَائِرِ فقال :اَلْإِشْرَاكُ باللهِ، وقتلُ النَّفسِ المسلمةِ، والفرارُ يومَ الزَّحفِ (نسائی شریف/۴۰۲۰) کہ جو شخص (قیامت کے روز) اس حالت میں آئے گا کہ اللہ ہی کی عبادت کرتا ہو گا اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا ہو گا نماز ادا کرتا ہو گا زکوۃ دیتا ہو گا اور کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو گا تو اس کے لیے جنت ہے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کبیرہ گناہ کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا "اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، مسلمان کو قتل کرنا، اور میدانِ جہاد سے بھاگ کھڑا ہونا"۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللهِ، فَلَا تُخْفِرُوا اللهَ فِي عَهْدِهِ، فَمَنْ قَتَلَهُ، طَلَبَهُ اللهُ حَتَّى يَكُبَّهُ فِي النَّارِ عَلَى وَجْهِهِ (ابن ماجہ:۳۹۴۵) کہ جس نے نماز فجر پڑھی وہ اللہ تعالیٰ کے حفظ و امان یعنی پناہ میں ہے، اب تمہیں چاہیئے کہ تم اللہ کے ذمہ و عہد کو نہ توڑو، پھر جو ایسے شخص کو قتل کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے بلا کر جہنم میں اوندھا منہ ڈالے گا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک سریہ یعنی جنگی دستہ میں مقامِ حرقات کی طرف بھیجا، ان لوگوں کو ہمارے جانے کی کسی طرح خبر ہوگئی وہ لوگ اپنی بستی چھوڑ کر بھاگ نکلے لیکن پھر بھی ہم نے ایک دو کو ان میں سے پکڑ لیا، فَلَمَّا غَشِيْنَاهُ قال: لا إله إلا الله، جب ہم نے ان کو گھیر لیا تو کہنے لگے لا اله الله فضَرَبْنَاهُ حَتّى قَتَلْنَاهُ ہم نے اس کے باوجود ان کو قتل کر دیا (یہ سمجھ کر کہ محض جان بچانے کے لیے ایسا کر رہے ہیں) واپسی میں مَیں نے اس کا ذکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا مَن لَك بِلَا إلهَ إلّا اللهُ «يومَ القيامةِ؟ !فقُلتُ :يا رسولَ اللهِ، إنَّما قَالَها مَخَافَةَ السِّلاحِ، قال :أَفَلا شَقَقْتَ عَن قَلْبِه حتّى تَعْلَمَ مِن أجْلِ ذلك قَالَهَا أَم لَا !مَن لَكَ بِلَا إِلهَ إلّا اللهُ يَومَ القيامةِ؟ فَمَا زَالَ يَقُولُهَا حتّى وَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أُسْلِمْ إلّا يومَئِذٍ (سنن ابی داؤد/۲۶۴۳) جب قیامت کا دن ہوگا تو تو اس کے لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دے گا، میں نے کہا اے اللہ کے رسول اس نے ہتھیار کے ڈر سے یہ کلمہ پڑھا تھا، تو آپ نے فرمایا کیوں نہ تم نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھا تاکہ تجھے معلوم ہو جاتا کہ اس نے ہتھیار کے ڈر سے یہ کلمہ پڑھا تھا یا نہیں۔

آپ بار بار اس جملہ کو فرماتے رہے ،وہ کہتے ہیں کہ آپ کی اس شدید ناراضگی کی وجہ سے میں اپنے دل میں یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش میں اس حرکت سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا، بلکہ اس کے بعد لاتا اور وہ گناہ جو مجھ سے صادر ہوا ہے بجائے حالتِ اسلام کے حالتِ کفر میں ہوا ہوتا اور پھر اسلام لانے سے وہ مٹ جاتا۔

ایک عبرت ناک واقعہ

حضرت عِمران بن حُصَین رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس آنے والے ساتھیوں اور شاگردوں سے فرمایا" اگر تم چاہو تو میں تم سے ایک حدیث بیان کروں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے" ان لوگوں نے کہا کیا آپ نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے ؟ کہا ہاں، میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، میں آپ کے ساتھ موجود تھا، اور آپ نے مسلمانوں کا ایک لشکر مشرکین کے مقابلے کے لیے بھیجا تھا، جب مسلمانوں کی مڈبھیڑ مشرکوں سے ہوئی، تو مسلمانوں نے ان سے ڈٹ کر مقابلہ کیا، آخر کار مشرکین نے اپنے کندھے ہماری جانب کر دیئے (یعنی ہار کر بھاگ نکلے)، میرے ایک رشتہ دار نے مشرکین کا تعاقب و پیچھا کر کے ایک مشرک پر نیزے سے حملہ کیا، اور اس کو پکڑ لیا، (جب کافر نے اپنے آپ کو خطرہ میں دیکھا) تو اس نے أشهد أن لا إله إلا الله کہہ کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا، لیکن اس نے اسے برچھی سے مار کر قتل کر دیا، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، اور اس نے عرض کیا اللہ کے رسول ! میں ہلاک اور برباد ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کیا کیا؟، ایک بار یا دو بار آپ نے یہی جملہ دہرایا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا وہ واقعہ بتایا جو اس نے کیا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَهَلَّا شَقَقْتَ عَنْ بَطْنِهِ فَعَلِمْتَ مَا فِي قَلْبِهِ، تم نے اس کا پیٹ

کیوں نہیں پھاڑا کہ جان لیتے اس کے دل میں کیا ہے ؟، اس نے عرض کیا اللہ کے رسول ! اگر میں اس کا پیٹ پھاڑ دیتا تو کیا میں جان لیتا کہ اس کے دل میں کیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے نہ تو اس کی بات قبول کی، اور نہ تمہیں اس کی دلی حالت معلوم تھی۔ حضرت عمران بن حصین (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس کے متعلق خاموش رہے، پھر وہ کچھ ہی دن زندہ رہ کر مر گیا، ہم نے اسے دفن کیا، فَأَصْبَحَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ، لیکن صبح کو اس کی لاش قبر کے باہر پڑی تھی، لوگوں نے خیال ظاہر کیا کہ کسی دشمن نے اس کی لاش نکال پھینکی ہے، خیر پھر ہم نے اس کو دفن کیا، اس کے بعد ہم نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کی قبر کی حفاظت کریں، لیکن پھر صبح اس کی لاش قبر سے باہر پڑی تھی، ہم نے سمجھا کہ شاید غلام سو گئے (اور کسی دشمن نے آکر پھر اس کی لاش نکال کر باہر پھینک دی)، آخر ہم نے اس کو دفن کیا، اور رات بھر خود پہرا دیا لیکن پھر اس کی لاش صبح کے وقت قبر کے باہر تھی، فَأَلْقَيْنَاهُ فِي بَعْضِ تِلْكَ الشِّعَابِ پھر ہم نے اس کی لاش ان گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی میں ڈال دی۔ (سنن ابن ماجہ / ۳۹۳۰)

دوسری روایت میں اتنا اور اضافہ ہے فَأُخْبِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ إِنَّ الْأَرْضَ لَتَقْبَلُ مَنْ هُوَ شَرٌّ مِنْهُ، وَلَكِنَّ اللهَ أَحَبَّ أَنْ يُرِيَكُمْ تَعْظِيمَ حُرْمَةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ.

کہ اس کی خبر نبی اکرم ﷺ کو دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا زمین تو اس سے بھی بدتر آدمی کو قبول کر لیتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تمہیں یہ دکھائے کہ لا إله إلا الله کی حرمت کس قدر بڑی ہے۔ (سنن ابن ماجہ / ۳۹۳۰)۔

مطلب یہ ہے کہ جب کافر نے لا إله إلا الله کہہ دیا تو اس کو چھوڑ دینا چاہیے

اس شخص نے اس کلمے کا احترام نہیں کیا تو اس کی سزا اللہ تعالیٰ نے تم کو دکھلا دی تاکہ آئندہ تم کو خیال رہے کہ کسی کلمہ پڑھنے والے مسلمان کو قتل نہ کرو۔

مسلمانوں کی جان ومال کی حرمت

تمام مسلمانوں کی جانیں اور ان کے اموال سب کے سب مسلمانوں کے لیے حرام ہیں، ان میں کسی قسم کی دست درازی و بے حرمتی بالکل جائز نہیں، مگر ان میں بھی دست درازی ہوتی رہتی ہے یہ بھی فتنے اور آزمائشیں ہیں۔

حَجَّۃُ الْوِدَاع کے موقع پر حضرت نبی پاک ﷺ نے دورانِ تقریر لوگوں سے پوچھا یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے جواب دیا بڑے حج کا دن ہے یعنی منیٰ کا پہلا دن، پس آپ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا: فإِنَّ دِمَاءَکُم وأَمْوَالَکُم وأَعْرَاضَکُم عَلَیکُم حَرَامٌ کَحُرْمَۃِ یومِکم ھذا في شَھرِکُم ھذا في بلدِکم ھذا ألا لیبلِّغْ الشاھِدُ الغائِبَ (مجمع الزوائد /۲۹۷) کہ تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تمہارے درمیان اس طرح حرام ہیں جیسے تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس مہینے اور شہر میں، یعنی جس طرح حج کے دنوں میں حرم شریف میں ان چیزوں میں دست درازی جائز نہیں اسی طرح مسلمانوں کی مذکورہ تین چیزوں میں کبھی بھی دست درازی جائز نہیں ہے، موجودین وحاضرین حضرات میری اس بات کو غائبین تک پہنچادیں۔

مؤمن کی حرمت کعبہ سے بڑھ کر ہے

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول پاک ﷺ نے مکہ فتح کیا تو اس کی طرف رخ کیا اور فرمایا أنتِ حرامٌ، ما أعظمَ حُرمَتَكِ وأطیبَ ریحَكِ، وأعظمُ حُرمۃً عند اللہ منكِ المؤمِنُ (مجمع الزوائد / ۱/ ۸۶) کہ تو قابلِ حرمت قابلِ قدر ہے اور تیری عظمت کا کیا پوچھنا کہ کتنی بڑی ہے اور

تیری خوشبو کیا ہی عمدہ ہے لیکن مومن کی حرمت وعزت اللہ کے نزدیک تیری حرمت وعزت سے بڑھ کر ہے۔

اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس طرح ہے مَرحبًا بِكِ من بَيْتٍ، ما أَعْظَمَكِ، وأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ ! ولَلْمُؤْمِنُ أَعْظَمُ حُرْمَةً عندَ اللهِ مِنْكِ، إِنَّ اللهَ حَرَّمَ مِنْكِ واحدةً، وحَرَّمَ مِنَ المُؤْمِنِ ثَلاثًا :دَمَهُ، ومالَهُ، وأَنْ يُظَنَّ بِهِ ظَنَّ السَّوْءِ (السلسلة الصحیحۃ /۲۴۲۰) کہ اے گھر یعنی بیت اللہ تجھے مبارک ہو تو کس قدر عظیم ہے اور تیری عظمت کس قدر عظیم ہے، لیکن مؤمن اللہ کے نزدیک حرمت وعزت کے اعتبار سے تجھ سے بھی بڑھا ہوا ہے، اللہ نے تو تیری بس ایک چیز حرام قرار دی ہے ،اور مومن کی تین چیزیں حرام قرار دی ہیں؛ اس کا مال، اس کا خون اور اس کے ساتھ بد گمانی کرنا۔

کسی مسلمان کو ڈرانا یا گھبرا دینا جائز نہیں

کسی مسلمان کو گھبراہٹ میں ڈالنا اور ڈرانا بھی ایک طرح کا فتنہ ہے، اس سے بھی لوگوں کو بچنا چاہیے۔ نبی پاک نے ارشاد فرمایا لا يأْخُذَنَّ أحدُكم متاعَ أخيه لاعِبًا ولا جادًّا (الترغیب والترہیب ۳/۴۰۳) کہ ہر گز تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا سامان نہ لے ،نہ ہنسی مذاق میں اور نہ حقیقت میں۔

اور سنن ابی داؤد میں ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں جا رہے تھے ان کا ایک ساتھی پڑ کر سو گیا جس کے ساتھ اس کی رسی بھی تھی، اس کے کسی دوسرے ساتھی نے اس کی رسی ویسے ہی مذاق میں اٹھالی یا اس کو ڈرانے کے لیے اٹھالی، جب اس کی آنکھ کھلی اور دیکھا کہ میری رسی غائب ہے تو گھبرایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس بات کی خبر ہو گئی تو اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا لَا يَحِلُّ لِمُسلِمٍ أَن يُرَوِّعَ مُسلِمًا (سنن ابی داؤد ۵۰۰۴) کہ کسی

مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو ڈرائے۔

کسی مسلمان کو ہتھیار دکھانا جائز نہیں

کبھی لوگ قتل کے ارادے کے بغیر دوسرے کو ہتھیار دکھاتے ہیں، مثلاً چاقو سے اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ مار دوں گا، یا بندوق پستول تان کر کہتے ہیں اُڑا دونگا یہ بھی ممنوع ہے، کبھی شیطان اس ڈرامے کو واقعہ بنا دیتا ہے پس اس سے بھی بچنا انتہائی ضروری ہے تا کہ یہ چیز فتنہ کا باعث نہ بن جائے۔

رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا مَنْ أَشَارَ عَلٰى أَخِيهِ بِحَدِيدَةٍ، لَعَنَتْهُ الملائِكةُ (سنن ترمذی / ۲۱۶۲) کہ جس نے اپنے بھائی کی طرف کسی ہتھیار کے ذریعے اشارہ کیا تو فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں،

دوسری سند سے اس حدیث میں اتنا اوراضافہ ہے، وَإِنْ كَانَ أَخَاهُ لِأَبِيهِ وأُمِّه۔ چاہے وہ اس کا حقیقی بھائی کیوں نہ ہو:

یعنی اس کو بھی ہتھیار نہیں دکھانا چاہیے، اگرچہ اس صورت میں قتل کے ارادہ کا احتمال نہیں ہوتا، صرف ڈرانا مقصود ہوتا ہے، مگر شیطان کبھی اس کو بھی حقیقی واقعہ بنا دیتا ہے۔

چنانچہ بخاری شریف میں ہے حضرت ابوہریرہ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی پر ہتھیار سے اشارہ نہ کرے فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي لَعَلَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ فِي يَدِهِ فَيَقَعُ فِي حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ اس لئے کہ وہ نہیں جانتا ہے کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے وہ ہتھیار چھڑا کر گرادے) اور وہ اسے لگ جائے (اور اس کی وجہ سے وہ آگ کے گڑھے میں جا گرے۔) بخاری شریف / ۷۰۷۲)

دھار دار چیزوں میں احتیاط ضروری ہے

معلوم ہونا چاہیے کہ شریعت میں ایسے طریقہ پر چھری چاقو، تیر و تلوار یا کوئی بھی ہتھیار لینا دینا اور اٹھانا منع ہے جس سے خود اپنے آپکو یا کسی دوسرے بھائی کو لگنے کا اندیشہ ہو

چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ ایک صاحب مسجد میں تیر لے کر گزرے (تیر کی نوکیں نکلی ہوئی تھیں) تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اس کے نوک سنبھالو۔ یعنی اس کے نوک پکڑ کرلے جاؤ تاکہ کسی کو لگے نہ۔ (بخاری / ۷۰۷۳)

اور ابو موسی رضی اللہ عنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں إذا مَرَّ أحدُكُمْ في مَسْجِدِنا، أوْ في سُوقِنا، ومعهُ نَبْلٌ، فَلْيُمْسِكْ على نِصالِها بكَفِّهِ، أنْ يُصِيبَ أحَدًا مِنَ المُسْلِمِينَ مِنْها بشيءٍ. أوْ قالَ: لِيَقْبِضْ على نِصالِها. کہ آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص ہماری مسجد میں سے گزرے یا ہمارے بازار سے ہو کر گزرے اور اس کے ساتھ تیر ہو تو چاہیے کہ اس کی نوک پکڑے رہے یا یہ فرمایا کہ اپنی ہتھیلی سے دبائے رہے تاکہ کسی مسلمان کو اس سے زخم نہ لگ جائے۔ (بخاری شریف / ۷۰۷۵)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اَنّ رسولَ الله نَهىٰ أَنْ يُقَدَّ السَّيْرُ بَينَ أُصبُعَيْنِ. (سنن ابی داؤد / ۲۵۸۹) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کو دو انگلیوں کے درمیان رکھ کر کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔

کیونکہ اس طرح کاٹنے سے انگلی کٹنے کا خطرہ ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَهىٰ أن يُتَعَاطىٰ السَّيفُ مَسْلُولًا (سنن ابی داود ۲۵۸۸) کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ننگی تلوار (کسی کو) دینے و تھمانے سے منع فرمایا۔

اسی طرح کوئی بھی ایسا ہتھیار لے کر راستہ میں یا مجمع میں چلنا پھرنا جس سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو ممنوع ہے۔

بجز تین وجوہ کے قتلِ مسلم جائز نہیں

تین اسباب ایسے ہیں جن کی وجہ سے مسلمان کا قتل جائز ہو جاتا ہے، اور ان تین کے علاوہ کسی اور وجہ سے قتلِ مسلم ہر گز جائز نہیں،

چنانچہ رسول پاک ﷺ کا فرمان ہے "والَّذي لا إلهَ غيرُهُ، لَايَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أنْ لا إلهَ إلّا اللهُ، وأنِّي رسولُ اللهِ، إلّا ثلاثةُ نَفَرٍ: التّارِكُ للإسلامِ مُفارِقُ الجماعةِ، والثَّيِّبُ الزّاني، والنَّفْسُ بالنَّفْسِ" (نسائی شریف /۷ ۴۲) کہ اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں، کسی ایسے مسلمان کا قتل حلال نہیں جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، ہاں تین شخص ایسے ہیں جنہیں قتل کرنا جائز ہے۔

(۱) وہ شخص جو اسلام سے پھر جائے اور مسلمانوں کی جماعت سے کنارہ کشی اختیار کرلے۔

(۲) وہ شخص جو نکاح کرنے کے بعد زنا کرے۔

(۳) اور وہ شخص جو کسی کو قتل کرے۔ (تو اس کی جان کے بدلے اس کی جان لی جائے گی)۔

اس امت میں سب سے پہلا قتل

اس امت میں سب سے پہلا ناحق قتل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہوا ہے اس کے بعد سے فتنوں اور مسلمانوں کی آپسی خانہ جنگی کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ آج تک جاری ہے، سچ فرمایا رسولِ خدا ﷺ نے "إذا وُضِعَ السيفُ في أمّتي لَم

يُرْفَعَ عنها إلى يومِ القيامةِ" (سنن ترمذی / ۲۲۰۲) کہ جب میری امت میں تلوار چل پڑے گی تو قیامت تک چلتی ہی رہے گی۔

فتنے وغیرہ اس امت کے لیے کفّارہ ہیں

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "أُمَّتِي هٰذه أُمَّةٌ مَرْحُوْمَةٌ، لَيسَ عَلَيها عذابٌ في الآخِرةِ، عذابُها في الدُّنيا: الفِتَنُ، والزَّلازِلُ، والقَتْلُ." (سنن ابی داود / ۴۲۷۸) کہ میری یہ امت، امتِ مرحومہ ہے (اور پھر اس کی تفصیل آپ نے آگے خود ہی بیان فرمائی) کہ آخرت میں اس پر کوئی خاص عذاب نہ ہوگا (تھوڑا بہت ہوا تو ہوا) اس کا عذاب تو دنیا ہی میں فتنوں کا آنا اور زلزلے اور قتل ہیں۔

یعنی دنیا میں جو فتنے آئیں گے اور معاصی و گناہ کی وجہ سے جو آسمانی آفات پائی جائیں گی مثلا زلزلے، قحط سالی، قتل و غارت گری اور دیگر مصائب و پریشانیاں وغیرہ یہی چیزیں امت کے لئے کفارہ ہو جائیں گی، آخرت میں ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی خاص عذاب نہ ہو گا، معافی تلافی ہو جائے گی،

معلوم ہونا چاہیے کہ اس حدیث میں آپ نے فرمایا "أُمَّتِي هٰذِهِ" یعنی اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے فرمایا کہ میری یہ امت یعنی امتِ محمدیہ، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ چیز جو آپ کی امت کو حاصل ہوئی یہ اسی نسبت کا اثر ہے اور یہ آپ ہی کی برکت اور فیض ہے۔ ورنہ

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل
نسیمِ صبح تیری مہربانی

صلى الله تعالى عليه واله وبارك وانعم وسلم تسليما كثيرا،
جزى الله عنا سيدنا ومولانا محمدا ما هو اهله۔

وہ صحابی جن کے لیئے فتنہ مضر نہیں تھا

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات فرمائی، جن کو فتنوں کی روایات خوب یاد تھیں "ما أحدٌ منَ النّاسِ تُدرِکُه الفتنةُ إلّا أنا أخافُها علیهِ إلّا محمَّدُ بنُ مسلمةَ فإنّي سمعتُ رسولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم یقولُ لاتضرُّكَ الفتنةُ" (سنن ابی داود / ۴۶۶۳) کہ کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے جو فتنے کا زمانہ پائے اور مجھے اس کے بارے میں خطرہ نہ ہو اس فتنے سے متاثر ہونے کا، سوائے محمد بن مسلمہ کے، کہ ان کے بارے میں یہ اندیشہ بالکل نہیں ہے، کیونکہ ان کے بارے میں میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ تجھ کو کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

یہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جنہوں نے یہود کے سردار کعب بن اشرف کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قتل کیا تھا چوں کہ انہوں نے آں حضور اور تمام مسلمانوں کو اس فتّین ودَرِیدہ دہن شخص کی اذیتوں اور فتنوں سے بچایا تھا تو اس کے صلہ اور بدلہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بشارت سنائی لیکن اس کے باوجود محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ فتنوں سے بچنے اور دور رہنے کی بہت زیادہ کوشش فرماتے تھے۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے ثعلبہ بن ضُبَیعہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے وہی اوپر والی بات فرمائی کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جس کو کوئی فتنہ ضرر نہیں پہنچا سکتا (اس پر غالباً ثعلبہ نے حضرت حذیفہ سے یہ درخواست کی ہو گی کہ ایسے شخص کی زیارت ہمیں بھی کرادیجئے چنانچہ وہ آگے فرماتے ہیں) فخَرَجْنا، فإذا فُسطاطٌ مَضروبٌ، فدَخَلْنا، فإذافیه مُحمَّدُ بنُ مَسلَمةَ، فسأَلْناهُ عن ذلك، فقال: ما أُریدُ أنْ یشتمِلَ

علی شَيءٍ من أمصارِهم حتى تنجَليَ عما انجَلَتْ (سنن ابی داود / ٤٦٦٤) کہ ہم نکلے ان کو دیکھنے کے لیے تو ہم نے دیکھا کہ ایک خیمہ قائم تھا جب ہم اس میں داخل ہوئے تو اس میں محمد بن مسلمہ موجود تھے، ہم نے ان سے اس تنہائی اختیار کرنے کا منشا معلوم کیا (اس وقت کوئی فتنہ برپا رہا ہوگا) تو انھوں نے فرمایا کہ جب تک یہ فتنہ زائل و ختم نہ ہو میں نہیں چاہتا کہ میرا وجود ان شہروں کے اندر ہو۔

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں أعطاني رسولُ اللهِ صلّى اللهُ عليه و آلِه وسلَّم سَيفًا فقال :قاتِلْ به المشركين ما قاتلوا فإذا رأيتَ أمَّتي يضرِبُ بعضُهم بعضًا فائْتِ به أُحُدًا فاضرِبْ به حتّى ينكسِرَ ثمَّ اجلِسْ في بيتِك حتّى تأتيَك يدٌ خاطئةٌ أو منيَّةٌ قاضيةٌ. فَفَعَل (الاصابہ ٣/ ٣٨٣) کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک تلوار عطا کی اور فرمایا کہ اس سے مشرکوں سے لڑتے رہنا جب تک وہ تم سے لڑیں پھر جب تم دیکھو کہ میری امت آپس میں ایک دوسرے کو مار رہی ہے تو یہ تلوار اُحُد پہاڑ پر مار کر توڑ ڈالنا، پھر اپنے گھر میں جا کر گوشہ نشیں ہو جانا یہاں تک کہ خود کوئی ظالم ہاتھ تجھ تک پہنچے (اور قتل کر دے) یا خاتمہ کر دینے والی موت پہنچے (اور تیرا خاتمہ کر دے) پس انہوں نے ایسا ہی کیا۔

چنانچہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ہر فتنے سے دور رہے، صحابہ کرام کے درمیان ہونے والے اختلاف کے موقع پر غیر جانبدار رہے، جنگ جَمَل اور صِفّین میں شریک نہیں ہوئے، اولاً مدینہ منورہ میں مقیم رہے، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مقامِ رَبذہ میں (مدینہ شریف سے باہر) جا کر سکونت اختیار کی۔

سن / ٤٣ھ بعُمُر / ٧٧ سال مدینہ شریف میں ان کا انتقال ہوا، ابن ابی داؤد

کہتے ہیں اہل شام اردُن میں سے ایک شخص نے آپ کو اس وقت قتل کیا جبکہ آپ اپنے گھر میں تھے۔ (بذل المجھود ج / ۱۸ اص / ۱۰۵)

اوپر کعب بن اشرف یہودی کے قتل کی بات گزری ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قتل کا دلچسپ واقعہ بیان کر دیا جائے۔

کَعُب بن اشرف کا قتل اور اس کے اسباب

مدینہ منورہ میں جنگِ بدر کے فتح کی بشارت پہنچی تو کعب بن اشرف یہودی کو بے حد صدمہ ہوا اور یہ کہا کہ اگر یہ خبر صحیح ہے کہ مکہ کے بڑے بڑے سردار اور اَشُراف مارے گئے تو پھر زمین کا بطن اس کے ظہر سے بہتر ہے یعنی جینے سے مر جانا بہتر ہے تاکہ آنکھیں اس ذلت اور رسوائی کو نہ دیکھیں۔

لیکن جب خبر کی تصدیق ہو گئی تو مقتولینِ بدر کی تعزیت کے لیے ایک وفد لے کر مکہ روانہ ہوا اور مقتولین بدر کے مرثیے لکھے جن کو پڑھ کر خود بھی روتا تھا اور دوسروں کو بھی رُلاتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں لوگوں کو جوش دلا کر آمادۂ قتال کرتا تھا، آخر ایک روز قریش کو حرم مکہ میں لے جا کر اور غلافِ کعبہ پکڑ کر مسلمانوں سے قتال کرنے کا حلف اور قسم اٹھایا اس کے بعد جب مدینہ واپس آیا تو مسلمان عورتوں کے متعلق عشقیہ اشعار کہنے شروع کیے۔

کعب بن اشرف بڑا شاعر تھا آپ ﷺ کی ہجو و مذمت میں اشعار کہتا تھا اور کفار مکہ کو آپ ﷺ کے مقابلے کے لئے ہمیشہ بھڑکاتا اُکساتا رہتا تھا اور مسلمانوں کو بھی طرح طرح کی ایذائیں اور تکلیفیں دیتا رہتا تھا، جب صبر و تحمل کی حد ہو گئی اور پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور وہ کسی طرح باز نہ آیا تو آخر کار مجبور ہو کر آپ ﷺ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیدیا۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ کعب بن اشرف نے آپ ﷺ کو

دعوت کے بہانے سے بلایا اور کچھ آدمی متعین کر دیئے کہ جب آپ تشریف لائیں تو آپ کو قتل کر ڈالیں آپ آکر بیٹھے ہی تھے کہ جبرئیل امین علیہ السلام نے آکر آپ کو ان کے ناپاک ارادے سے مطلع کر دیا آپ فوراً وہاں سے جبریل امین کے پروں کے سائے میں باہر تشریف لے آئے اور واپسی کے بعد اس کے قتل کا حکم دیا۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کے لئے کون تیار ہے؟ اس نے اللہ اوراس کے رسول کو بہت ایذا پہنچائی ہے، یہ سنتے ہی محمد بن مسلمہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ اس کا قتل چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ پھر مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیجئے جن کو سن کر بظاہر وہ خوش ہو جائے، آپ نے فرمایا اجازت ہے۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ایک روز کعب بن اشرف سے ملنے گئے اور دورانِ گفتگو کہہ دیا کہ یہ شخص (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے صدقہ اور زکوۃ مانگتا ہے اور اس شخص نے ہم کو مشقت میں ڈال دیا ہے، میں اس وقت آپ کے پاس قرض لینے کے لئے آیا ہوں، کعب بن اشرف نے کہا ابھی کیا ہے؟ آگے چل کر دیکھنا، خدا کی قسم تم ان سے اکتا جاؤ گے، محمد بن مسلمہ نے کہا اب تو ہم اس کے مطیع و پیروکار ہو چکے ہیں اس کا چھوڑنا ہم پسند نہیں کرتے انجام کے منتظر ہیں، اس وقت ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ کچھ غلہ ہم کو بطور قرض دے دیں، کعب بن اشرف نے کہا بہتر ہے مگر میرے پاس کوئی چیز رَہن رکھدو، انہوں نے کہا کہ آپ کیا چیز رکھنا چاہتے ہیں؟ کعب نے کہا اپنی عورتوں کو رہن رکھ دو، انہوں نے کہا اپنی عورتوں کو رہن کیسے رکھ سکتے ہیں اول تو غَیرت وحَمیّت گوارہ نہیں کرتی، پھر یہ

کہ آپ نہایت حسین و جمیل اور خوب صورت ہیں، کعب نے کہا اپنے لڑکوں کو رہن رکھدو، انہوں نے کہا یہ تو ساری عمر کے لیے عار و شرم کی بات ہے لوگ ہماری اولاد کو طعنہ دیں گے کہ تم وہی ہو جو دو سیر اور تین سیر غلہ کے عوض رہن رکھے گئے تھے، ہاں البتہ ہم اپنا ہتھیار آپ کے پاس رہن رکھ سکتے ہیں۔ وہ اس پر راضی ہو گیا۔

حسبِ وعدہ یہ لوگ رات کو ہتھیار لے کر پہنچے اور جا کر کعب بن اشرف کو آواز دی، کعب نے اپنے قلعہ سے اترنے کا ارادہ کیا بیوی نے کہا اس وقت کہاں جاتے ہو؟ کعب نے کہا محمد بن مسلمہ ابو نائلہ میرا دودھ شریک بھائی ہے دوسرا کوئی غیر نہیں تم فکر نہ کرو بیوی نے کہا مجھے اس آواز سے خون ٹپکتا ہوا نظر آتا ہے، کعب نے کہا اگر شریف آدمی رات کے وقت نیزہ مارنے کے لیے بھی بلایا جائے تو اس کو ضرور جانا چاہیے، اس دوران محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں کو یہ سمجھا دیا کہ جب کعب آئے گا تو میں اس کے بال سونگھوں گا جب دیکھو کہ میں نے اس کے بالوں کو مضبوط پکڑ لیا ہے تو فوراً اس کا سر اتار لینا۔

چنانچہ جب کعب نیچے آیا تو سر سے پیر تک خوشبو سے معطر تھا، محمد بن مسلمہ نے کہا آج جیسی خوشبو تو میں نے کبھی سونگھی ہی نہیں، کعب نے کہا میرے پاس عرب کی سب سے زیادہ حسین و جمیل اور سب سے زیادہ مُعطّر عورت ہے، محمد بن مسلمہ نے آگے بڑھ کر خود بھی سر کو سونگھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی سونگھایا، کچھ دیر کے بعد پھر محمد بن مسلمہ نے کہا آپ دوبارہ اپنا سر سونگھنے کی اجازت دیں گے؟ کعب نے کہا شوق سے، محمد بن مسلمہ اٹھے اور سر سونگھنے میں مشغول ہو گئے، جب سر کے بال مضبوط پکڑ لئے تو ساتھیوں کو اشارہ کیا فوراً ہی سب نے اس کا سر قلم کر دیا اور آناً فاناً اس کا کام تمام کر دیا۔

اور اخیر شب میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے آپ نے دیکھتے ہی یہ ارشاد فرمایا اَفْلَحَتِ الْوُجُوہُ کہ یہ چہرے کامیاب ہوئے؛ ان لوگوں نے جواباً عرض کیا "وَوَجْھُکَ یَارَسُولَ اللّٰہِ" اے اللہ کے رسول آپ کا چہرہ بھی مبارک۔

اس کے بعد کعب بن اشرف کا سر آپ کے سامنے ڈال دیا آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا، جب یہود کو اس کا علم ہوا تو یکلخت مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے، اور جب صبح ہوئی تو یہود کی ایک جماعت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: کہ ہمارا سردار اس طرح مارا گیا، آپ نے فرمایا وہ مسلمانوں کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچاتا تھا اور لوگوں کو ہمارے ساتھ لڑنے پر آمادہ کرتا تھا، یہود دم بخود رہ گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے، آپ ﷺ نے ان سے ایک عہد نامہ لکھوایا کہ یہود میں سے آئندہ کوئی اس قسم کی حرکت نہ کرے گا۔

کعب بن اشرف کے قتل کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابورافع یہودی کے قتل کا بھی واقعہ ذکر کر دیا جائے، کیوں کہ اس بدبخت کے بھی سیاہ کارنامے کعب بن اشرف ہی کی طرح تھے اور اس نے بھی رسولِ خدا ﷺ اور مسلمانوں کو حد درجہ تکلیف پہنچا رکھی تھی۔

ابورافع یہودی کے قتل کا واقعہ

یوسف بن موسی، عبید اللہ بن موسی، اسرائیل، ابو اسحاق، براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابورافع کے قتل کے واسطے اس کے پاس کئی انصاری صحابہ کو بھیجا اور عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو ان کا سردار مقرر کیا۔

ابورافع دشمنِ رسول تھا اور رسول اللہ ﷺ کے مخالفین کی مدد کرتا تھا،

اس کا قلعہ حِجاز میں تھا اور وہ اسی میں رہا کرتا تھا جب یہ لوگ اس کے قلعہ کے قریب پہنچے تو سورج ڈوب گیا تھا اور لوگ اپنے جانوروں کو شام ہونے کی وجہ سے واپس لا رہے تھے عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے کہا تم یہیں ٹھہرو میں جاتا ہوں اور دربان سے کوئی بہانہ کر کے اندر جانے کی کوشش کروں گا چناچہ عبد اللہ گئے اور دروازہ کے قریب پہنچ گئے پھر خود کو اپنے کپڑوں میں اس طرح چھپایا جیسے کوئی رفعِ حاجت یعنی پاخانہ پیشاب کے لئے بیٹھتا ہے قلعہ والے اندر جا چکے تھے دربان نے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو یہ خیال کر کے کہ ہمارا ہی آدمی ہے آواز دی اور کہا اے اللہ کے بندے! اگر تو اندر آنا چاہتا ہے تو آ جا کیونکہ میں دروازہ بند کرنا چاہتا ہوں عبد اللہ بن عتیک کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر اندر گیا اور چھپا رہا اور دربان نے دروازہ بند کر کے چابیاں کیل میں لٹکا دیں جب دربان سو گیا تو میں نے اٹھ کر چابیاں اتار لیں اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا تا کہ بھاگنے میں آسانی ہو ادھر ابو رافع کے پاس رات کو داستان ہوتی تھی)یعنی لوگ قصہ کہانی سنایا کرتے تھے (وہ اپنے بالا خانے پر بیٹھا داستان سن رہا تھا جب داستان کہنے والے تمام چلے گئے اور ابو رافع سو گیا تو میں بالا خانہ پر چڑھا اور جس دروازہ میں داخل ہوتا تھا اس کو اندر سے بند کر لیتا تھا اور اس سے میری یہ غرض تھی کہ اگر لوگوں کو میری خبر ہو جائے تو ان کے پہنچنے تک میں ابو رافع کا کام تمام کر دوں غرض میں ابو رافع تک پہنچا وہ ایک اندھیرے کمرے میں اپنے بچوں کے ساتھ سو رہا تھا میں اس کی جگہ کو اچھی طرح معلوم نہ کر سکا اور ابو رافع کہہ کر پکارا اس نے کہا کون ہے؟ میں نے آواز پر بڑھ کر تلوار کا ہاتھ مارا میرا دل دھڑک رہا تھا مگر یہ وار خالی گیا اور وہ چِلّایا میں کوٹھڑی سے باہر آ گیا اور پھر فوراً ہی اندر جا کر پوچھا کہ اے ابو رافع تم کیوں چلائے؟ اس نے مجھے اپنا آدمی سمجھا اور کہا تیری ماں تجھے روئے ابھی کسی نے مجھ پر تلوار سے

وار کیا ہے یہ سنتے ہی میں نے ایک ضرب اور لگائی اور زخم اگرچہ گہرا لگا لیکن مَرا نہیں آخر میں نے تلوار کی دھار اس کے پیٹ پر رکھ دی اور زور سے دبائی وہ چیرتی ہوئی پیٹھ تک پہنچ گئی اب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ہلاک ہو گیا پھر میں واپس لوٹا اور ایک ایک دروازہ کھولتا جاتا تھا اور سیڑھیوں سے اترتا جاتا تھا میں سمجھا کہ زمین آگئی ہے چاندنی رات تھی میں گر پڑا اور پنڈلی ٹوٹ گئی میں نے اپنے عمامہ سے پنڈلی کو باندھ لیا اور قلعہ سے باہر آکر دروازہ پر بیٹھ گیا اور دل میں طے کر لیا کہ میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک اس کے مرنے کا یقین نہ ہو جائے آخر صبح ہوئی مرغ نے اذان دی اور قلعہ کے اوپر دیوار پر کھڑے ہو کر ایک شخص نے کہا کہ لوگو ! ابورافع حجاز کا سوداگر مر گیا میں یہ سنتے ہی اپنے ساتھیوں کی طرف چل دیا اور ان سے آکر کہا یہاں سے جلدی چلو اللہ نے ابورافع کو ہلاک کرا دیا اس کے بعد ہم نے رسول اللہ ﷺ کو آکر خوشخبری سنائی آپ ﷺ نے میرے پیر کو دیکھا اور فرمایا کہ اپنا پاؤں پھیلاؤ میں نے پھیلایا آپ ﷺ نے دست مبارک پھیر دیا بس ایسا معلوم ہوا کہ اس پیر کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔ (بخاری شریف ۴۰۳۹)

آپ نے قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کو بیان فرما دیا

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عصر کی نماز کچھ پہلے پڑھائی پھر خطبہ دینے کھڑے ہوئے، فَلَمْ يَدَعْ شَيْئًا يَكُونُ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا أَخْبَرَنَا بِهِ پس آپ نے قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کے بارے میں ہمیں خبر دی، حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ یاد رکھنے والوں نے اسے یاد رکھا اور بھولنے والے بھول گئے۔ (ترمذی شریف / ۲۱۹)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا إِنَّ اللهَ عزَّ وجلَّ قدْ رَفَعَ لِيَ الدُّنيا فأَنا أَنظرُ إِلَيْها وإِلى ما هو كائِنٌ فيها إلى يومِ القيامَةِ كأنَّما أنظرُ إلى كَفِّي هذِه (مجمع الزوائد ۸/ ۲۹۰)

کہ اللہ رب العزت نے میرے لیے دنیا ظاہر فرما دی پس میں دنیا اور دنیا میں قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو۔

فتنوں سے زیادہ واقفیت رکھنے والے صحابی

حضرت حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ عنہ بکثرت فتنوں سے واقفیت رکھنے والے صحابی ہیں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدار صحابی تھے، جن کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے ناموں کی فہرست بتا رکھی تھی، یہ بکثرت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شر اور فتنوں کے متعلق سوالات کیا کرتے تھے اور اسے یاد رکھنے کا اہتمام بھی رکھتے تھے، تاکہ فتنوں اور برائیوں سے خود کو بچا سکیں، چنانچہ خود ان کا بیان ہے کہ لوگ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر اور بھلائی کی باتیں پوچھا کرتے تھے اور میں آپ سے شر کے متعلق پوچھا کرتا تھا جیسا کہ بخاری شریف میں ہے یقول حذیفةُ: "كَانَ النّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الخَيْرِ، وكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ، مَخافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي." (صحیح البخاري: ۷۰۸۴) کہ "بے شک لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے متعلق پوچھتے تھے اور میں آپ سے شر کے متعلق پوچھا کرتا تھا اس ڈر سے کہ کہیں وہ مجھے اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔"

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں أَخْبَرَنِي رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بما هو كائِنٌ إلى أَنْ تَقُومَ السّاعَةُ فَما منه شيءٌ إلّا قدْ سَأَلْتُهُ، إلّا أَنِّي لَمْ أَسْأَلْهُ: ما يُخْرِجُ أَهْلَ المَدِينَةِ مِنَ المَدِينَةِ؟ (صحیح مسلم: ۲۸۹۱) کہ "قیامت تک جو باتیں ہونے

والی تھیں وہ سب آنحضور ﷺ نے مجھے بتادیں، اور کوئی بات ایسی نہیں رہی جسے میں نے آپ سے نہ پوچھا ہو، البتہ یہ نہیں پوچھا کہ کونسی بات مدینہ والوں کو مدینہ سے نکال باہر کرے گی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے "واللهِ إنِّي لأَعْلَمُ النّاسِ بكُلِّ فِتْنَةٍ هي كائِنَةٌ، فِيما بَيْنِي وبيْنَ السّاعَةِ." (صحیح مسلم:۲۵۴۰) کہ "خدا کی قسم! میں تمام لوگوں سے زیادہ ہر اس فتنے کو جاننے والا ہوں جو میرے اور قیامت کے درمیان ہونے والا ہے، اور یہ بات نہیں کہ حضور ﷺ نے کوئی خاص بات مجھ سے چھپا کر بیان کی ہو، اور دوسروں سے بیان نہ کی ہو، لیکن حضور ﷺ نے ایک مجلس میں فتنوں کا ذکر فرمایا جس میں میں بھی تھا۔

چنانچہ حضور ﷺ نے فتنوں کا شمار کرتے ہوئے فرمایا: منهنَّ ثَلاثٌ لا يَكَدْنَ يَذَرْنَ شيئًا، وَمِنْهُنَّ فِتَنٌ كَرِياحِ الصَّيْفِ منها صِغارٌ وَمنها كِبارٌ. تین فتنے ان میں سے ایسے ہیں جو قریب قریب کسی چیز کو نہ چھوڑیں گے، اور بعض ان میں سے گرمیوں کی آندھی کی طرح ہیں، بعض ان میں بڑے ہیں اور بعض چھوٹے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس مجلس کے سب شرکاء میرے علاوہ انتقال فرماگئے۔ (مسلم شریف ۲۸۹۱)

انھیں کا بیان ہے کہ ایک روز جناب رسول اللہ ﷺ ہم میں (خطبہ دینے کیلئے) کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ نے اپنی اس جگہ میں قیامت تک آنے والی ہر چیز (یعنی واقعات اور فتنوں) کو بیان فرمایا "حَفِظَهُ مَن حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَن نَسِيَهُ" جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا سو بھول گیا، "قدْ عَلِمَهُ أَصْحابِي هَؤُلاءِ، وإنَّه لَيَكونُ منه الشَّيْءُ قدْ نَسِيتُهُ فأذْكُرُهُ، كما يَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ إذا غابَ عنْه، ثُمَّ إذا رَآهُ عَرَفَهُ.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے احباب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ اگر ان واقعات میں سے کوئی چیز رونما ہوتی ہے اور میں اس کو بھول چکا ہوتا ہوں تو دیکھ کر وہ مجھے یاد آجاتی ہے جس طرح کوئی آدمی دوسرے آدمی کی پہچان کرلیتا ہے پھر جب وہاں سے غائب رہتا ہے تو پھر اس کو دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے۔ (صحیح مسلم:۲۸۹۱)

مطلب یہ ہے کہ وہ ساری باتیں فی الحال مستحضر اور یاد تو مجھ کو بھی نہیں لیکن میں ان کو بھولا بھی نہیں ہوں میرے خزانۂ حفظ میں محفوظ ہیں، جب ان چیزوں میں سے کوئی چیز پیش آتی ہے تو مجھے بھی وہ یاد آجاتی ہے کہ آپ نے ایک بات یہ بھی فرمائی تھی، جیسا کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کو پہچانتا ہو اور پھر وہ کہیں چلا جائے، غائب ہو جائے اور اس کی صورت شکل آدمی کے ذہن سے نکل بھی جائے لیکن پھر جب ایک مدت کے بعد وہ اس کو دیکھتا ہے تو پہچان جاتا ہے کہ ہاں یہ فلاں شخص ہے ایسے ہی میں دیکھ کر فتنوں کو پہچان لیتا ہوں کہ یہ تو وہی فتنہ ہے جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی تھی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ قیامت تک جتنی تحریکیں پائی جائیں گی ان تمام تحریکوں کے قائدین ولیڈران کے نام، ان کے باپ اور قبیلے کا نام بشرطیکہ اس قائد ولیڈر کے ساتھ چلنے والوں کی تعداد کم سے کم تین سو افراد پر مشتمل ہو آپ صلی اللہ وسلم نے ہم سب کے سامنے تو بیان فرمادیا تھا لیکن "واللهِ ماأدرِي أنسِيَ أصحابِي أمْ تَنَاسَوا؟" کہ قسم بخدا! مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھی حقیقت میں بھول گئے یا قصداً بھلا بیٹھے۔

یعنی وَاللہ میں نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے ساتھی ان قائدین کے نام حقیقۃً بھول گئے یا پھر کسی مصلحت سے، یا اظہار میں فتنہ پیدا ہونے کے ڈر سے اپنا نسیان

اور بھول جانا ظاہر کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے حاضرین مجلس سے جس میں حضرت حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے دریافت کیا: کہ تم میں کس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فتنوں کو ذکر کرتے ہوئے سنا ہے؟ اس پر کچھ لوگوں نے کہا ہم نے سنا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شاید تم لوگ آدمی کا اس کے بیوی بچے اور پڑوسی والا فتنہ سمجھ رہے ہو، ان لوگوں نے کہا: ہاں! اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تو وہ فتنہ ہے جس کے لیے نماز، روزہ، صدقہ خیرات، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کفّارہ بن جاتے ہیں، "وَلَكِنْ أَيُّكُمْ سَمِعَ النبيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَذْكُرُ الَّتِي تَمُوجُ مَوْجَ البَحْرِ؟" لیکن تم میں سے کس نے آں حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ فتنہ سنا ہے جو سمندر کی لہروں کی طرح موجِ زن، تلاطُم خیز لہریں مارتا ہوگا یعنی طویل، دراز اور ایک کے پیچھے ایک ہوگا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: فَأَسْكَتَ القَوْمُ، فَقُلْتُ: أَنا، قالَ: أَنْتَ لِلَّهِ أَبُوكَ کہ اس پر سارے لوگ خاموش رہے، میں نے کہا: ہاں! میں نے سنا ہے، اس پر حضرت عمر نے کہا: ہاں! یہ تو بھائی تمہارے ہی بس کی بات ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۴۴)

اور بخاری شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حاضرین مجلس سے پوچھا: "أَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ رَسولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم في الفِتْنَةِ؟" کہ تم میں کس کو فتنہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات یاد ہے۔ فَقالَ حُذَيْفَةُ: أَنا أَحْفَظُ كما قالَ، پس حضرت حذیفہ نے کہا: مجھ کو بالکل ہو بہو ویسے ہی یاد ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ قالَ: هاتِ، إنَّكَ لَجَرِيءٌ، حضرت عمر نے کہا چلو بیان کرو! تم تو بڑے بے باک اور جری ہو۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کرنا شروع کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ آدمی اپنی بیوی، بچے، مال، جان، اولاد اور پڑوسی کی وجہ سے جس فتنے میں مبتلا ہوتا ہے اس کا کَفّارہ روزے اور نماز صدقہ اور خیرات، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہوجاتا ہے۔ قالَ: لیسَتْ هذِه، ولَكِنِ الَّتي تَمُوجُ كَمَوْجِ البَحْرِ. حضرت عمر نے کہا: میری مراد یہ فتنہ نہیں ہے، میری مراد تو وہ فتنہ ہے جو سمندر کی لہر کی طرح تلاطم خیز ہوگا (یعنی طویل دراز اور ایک کے پیچھے ایک) قالَ: "يا أَمِيرَ المُؤْمِنِينَ، لا بَأْسَ عَلَيْكَ منها، إنَّ بيْنَكَ وبيْنَها بابًا مُغْلَقًا" اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے امیر المومنین! آپ کو اس فتنے سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے اور آپ کے درمیان ایک بند دروازہ (حائل) ہے۔ قالَ: "يُفْتَحُ البابُ أَوْ يُكْسَرُ؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ تعالی نے پوچھا: وہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ قالَ: "لا، بَلْ يُكْسَرُ." حضرت حذیفہ نے کہا کھولا نہیں بلکہ توڑا جائے گا، قالَ: "ذاكَ أَحْرى أَنْ لا يُغْلَقَ." حضرت عمر نے کہا: تو پھر اس کے لائق یہی ہے کہ پھر وہ بند نہ ہو۔

ہم نے (یعنی حضرت حذیفہ کے شاگردوں نے) حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا عمر رضی اللہ عنہ اس دروازے کو جانتے تھے؟ کہا: ہاں! اس طرح جیسے کہ کل کے آنے سے پہلے رات کے آنے سے واقف تھے، اور میں نے ان سے ایسی بات بیان کی جو غلط نہ تھی۔

شقیق کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دروازے کے متعلق پوچھتے ڈر معلوم ہوا تو ہم نے مسروق سے کہا کہ تم پوچھو دروازہ سے کیا مراد ہے؟ مسروق نے دریافت کیا تو انھوں نے کہا حضرت عمر کی ذات مراد ہے۔

فائدہ:

دروازہ کا ٹوٹنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے کنایہ ہے، چنانچہ ان کی

شہادت کے بعد فتنے ہر طرف سے بکثرت ظاہر ہونے لگے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کون سا فتنہ سب سے زیادہ سخت ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے سخت فتنہ یہ ہے اَنْ تُعْرَضَ عَلیٰ قَلْبِكَ الخَيْرُ وَالشَّرُّ فَلاَ تَدْرِي اَيَّهُما تَرْكَبُ (مصنف بن ابی شیبہ) کہ تیرے دل پر خیر وشر دونوں پیش ہوں اور تجھے پتہ نہ چل پائے کہ تو ان میں سے کس کو اختیار کرے یعنی خیر اور شر میں امتیاز نہ کر سکے۔

ہوش رُبا وایمان سوز تاریک فتنوں کی کثرت

قیامت سے پہلے پے در پے امڈتے فتنوں کا ایک سیلاب ہو گا، ایک فتنہ ابھی ختم نہ ہو پائے گا کہ دوسرا فتنہ سر اٹھالے گا، ایسے خطرناک فتنے جنم لیں گے کہ حق وباطل کے درمیان فرق وامتیاز کرنا مشکل ہو جائے گا، لوگوں کے ہوش گم ہو جائیں گے کہ کریں تو کیا کریں، جائیں تو کدھر جائیں، ایسی نازک صورتِ تحال پیدا ہو جائے گی کہ آدمی کا ایمان متزلزل ہو جائے گا، آدمی صبح کو مومن ہو گا اور شام کو کافر اور شام کو مومن ہو گا تو صبح کو کافر یعنی عقائد وخیالات اور نظریات بہت جلدی جلدی بدلیں گے، چنانچہ حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيهَا مُؤْمِنًا، وَيُمْسِي كَافِرًا، وَيُمْسِي مُؤْمِنًا، وَيُصْبِحُ كَافِرًا، الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي." (سنن أبي داود /۴۲۵۹)

کہ قیامت سے پہلے اندھیری وتاریک رات کے ٹکڑوں کی مانند فتنے ظاہر ہوں گے جس میں آدمی صبح کرے گا ایمان کی حالت میں اور شام کرے گا کفر کی حالت میں اور شام کرے گا ایمان کی حالت میں اور صبح کرے گا کفر کی حالت

میں، ان فتنوں میں بیٹھ رہنے والا کھڑے رہنے والے سے بہتر ہو گا، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہو گا اور ان میں چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا۔

ایک روایت میں اس طرح سے ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تَكُونُ فِتْنَةٌ النّائِمُ فيها خَيْرٌ مِنَ اليَقْظانِ، والْيَقْظانُ فيها خَيْرٌ مِنَ القائِمِ، والْقائِمُ فيها خَيْرٌ مِنَ السّاعِي، فمَن وجَدَ مَلْجَأً، أوْ مَعاذًا فَلْيَسْتَعِذْ." (صحیح مسلم: ۲۸۸۶)

کہ ایسے فتنے ظاہر ہوں گے جس میں سونے والا جاگنے والے سے بہتر ہو گا اور جاگنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہو گا اور کھڑا ہونے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا لہذا جو کوئی پناہ گاہ یا حفاظت کی جگہ پائے تو اسے اس میں پناہ حاصل کرنی چاہیئے۔

نیز آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے: "سَتَكُونُ فِتَنٌ القاعِدُ فيها خَيْرٌ مِنَ القائِمِ، والْقائِمُ فيها خَيْرٌ مِنَ الماشِي، والْماشِي فيها خَيْرٌ مِن السّاعِي، مَن تَشَرَّفَ لها تَسْتَشْرِفْهُ، ومَن وجَدَ فيها مَلْجَأً فَلْيَعُذْ بهِ." (مسلم / ۲۸۸۶) کہ "عنقریب فتنے ظاہر ہوں گے جس میں بیٹھا ہوا آدمی کھڑے ہونے والے سے بہتر ہو گا اور کھڑا ہونے والا اس میں چلنے والے سے بہتر ہو گا اور چلنے والا اس میں ڈوڑنے والے سے بہتر ہو گا (یعنی جو جتنا ہی زیادہ فتنہ سے دور ہو گا وہ اپنے مقابل سے بہتر ہو گا) جو شخص ان فتنوں کی طرف جھانک کر دیکھے گا وہ فتنہ اسے اپنی طرف کھینچ لے گا، اگر کسی کو ان سے پناہ مل سکے تو ضرور پناہ حاصل کرے اور اس سے بچ جائے۔

اور مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ،

يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا، أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا (صحیح مسلم / ۱۱۸)

کہ "نیک اعمال کرنے میں جلدی کرو اس سے پہلے کہ ایسے فتنے ظاہر ہوں جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کے مانند ہوں گے، انسان کی صبح ایمان کی حالت میں ہو گی تو شام کو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر شام ایمان کے ساتھ کرے گا تو اس کی صبح کفر کی حالت میں ہو گی اور دنیا کے تھوڑے سے سامان کے بدلے وہ اپنے دین کو بیچ ڈالے گا۔

يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا کا مطلب

اس جملے کا مطلب یہ ہیکہ کہ صبح کے وقت اللہ کی حرام کردہ جس چیز کو حرام جانتا ہو گا شام کو اسی چیز کو حلال سمجھنا شروع کر دے گا اور اللہ تعالی کی حرام کردہ چیز کو حلال سمجھنا کفر ہے، اور حرام کو حلال سمجھنے کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں:

(۱) مسلمانوں کی دو جماعتوں کی آپس میں لڑائی ہو گی جس کا مقصد سوائے عَصَبِیت اور غصے کے کچھ نہ ہو گا چنانچہ خون اور مال کو حلال قرار دیں گے۔

(۲) مسلمانوں کے حُکّام ظالم ہوں گے، جو مسلمانوں میں خون ریزی کریں گے اور ان کا مال ناجائز طور پر لیں گے، زنا کریں گے، شرابیں پئیں گے، بعض لوگ ان کے بارے میں یہ اعتقاد کریں گے کہ یہ لوگ حق پر ہیں، اور بعض علمائے سُو ان کو فتنوں میں مبتلا کریں گے اور ان کی اس خون ریزی اور اموال کے لینے اور حرام چیزوں کے اختیار کرنے میں جواز کا فتوی دیں گے، جو چیزیں ان لوگوں کے درمیان معاملات اور خرید و فروخت کے سلسلے میں شریعت کے خلاف چل رہی ہو گی ان کو وہ لوگ حلال قرار دیں۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ فتنہ اور امتحان دولت مندوں اور اربابِ حکومت کے ساتھ میل جول کی وجہ سے ہوگا اور اپنی ضروریات اور اپنے مفادات کی وجہ سے یہ شخص فتنوں میں گرفتار ہوگا اور اپنی ضرورت پوری کرنے کی وجہ سے ان کے تابع ہوگا اور ان کی موافقت میں مجبور ہوگا اور جو چیزیں دین اسلام میں نہیں ہیں ان میں ان کا ساتھ دے گا۔

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَزِعًا يَقُولُ: سُبْحَانَ اللهِ مَاذَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ مَنْ يُوقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ يُرِيدُ أَزْوَاجَهُ لِكَيْ يُصَلِّينَ رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ (رواه البخاري:٦٢١٨)

کہ ایک رات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کے بیدار ہوئے اور فرمانے لگے سبحان اللہ کیا خوب جو کچھ اللہ تعالیٰ نے خزانے نازل فرمائے اور کیسے کیسے فتنے اتارے، کون ہے جو حُجُروں والیوں (یعنی ازواجِ مطہرات) کو بیدار کرے تاکہ وہ نماز پڑھیں (یعنی نمازوں کے ذریعے ان فتنوں سے بچنے کا سامان فراہم کریں) دنیا میں بہت سی کپڑے پہننے والیاں آخرت میں ننگی ہوں گی۔

اور حضرت اسامہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قلعوں میں سے ایک قلعہ پر تشریف لے گئے اور فرمایا: کیا تم وہ دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ لوگوں نے کہا: نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "فَإِنِّي لَأَرَى الفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُيُوتِكُمْ كَوَقْعِ القَطْرِ." (بخاری:۷۰۶۰) کہ میں فتنوں کو دیکھ رہا ہوں جو تمہارے گھروں کے درمیان بارش کے گرنے کی طرح گر رہے ہیں۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ، وَيُقْبَضُ العِلْمُ، وَتَظْهَرُ الفِتَنُ، وَيُلْقَى الشُّحُّ، وَيَكْثُرُ

الھَرْجُ قالوا: وما الھَرْجُ؟ قالَ: القَتْل. "(بخاری:۷۰۳۶)

کہ زمانہ چھوٹا ہو جائے گا اور علم اٹھالیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے اور بُخل ڈال دیا جائے گا اور ہَرج کی کثرت ہو گی آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ہرج کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا قتل ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "نَادَى مُنَادِي رَسُولِ اللهِ ﷺ: الصَّلاةَ جَامِعَةً. فَاجْتَمَعْنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ قَبْلِي إِلا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ يَدُلَّ أُمَّتَهُ عَلَى خَيْرِ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ، وَيُنْذِرَهُمْ شَرَّ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ، وَإِنَّ أُمَّتَكُمْ هَذِهِ جُعِلَ عَافِيَتُهَا فِي أَوَّلِهَا، وَسَيُصِيبُ آخِرَهَا بَلاءٌ، وَأُمُورٌ تُنْكِرُونَهَا، وَتَجِيءُ فِتْنَةٌ فَيُرَقِّقُ بَعْضُهَا بَعْضًا، وَتَجِيءُ الْفِتْنَةُ فَيَقُولُ الْمُؤْمِنُ: هَذِهِ مُهْلِكَتِي، ثُمَّ تَنْكَشِفُ وَتَجِيءُ الْفِتْنَةُ، فَيَقُولُ الْمُؤْمِنُ: هَذِهِ هَذِهِ، فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ، وَيُدْخَلَ الْجَنَّةَ، فَلْتَأْتِهِ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ. "(مسلم:۱۸۴۴)

کہ رسول اللہ ﷺ کے منادی نے آواز لگائی کہ نماز تیار پس ہم لوگ بارگاہِ رسالت میں جمع ہو گئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے پہلے جتنے نبی گزرے ہیں سب کی ذمہ داری تھی کہ وہ اپنی اپنی امتوں کو اُن خیر و بھلائی سے آگاہ کریں جن کا خیر اور بھلائی ہونا ان کے حق میں ان کو معلوم تھا، اسی طرح ان برائیوں سے ڈرائیں جن کا ان کے حق میں برا ہونا معلوم تھا اور بے شک تمہاری یہ امت اس کی عافیت اس کے شروع والے طبقے میں رکھی گئی ہے اور عنقریب اس کے آخری طبقے کو مصائب و آلام کا سامنا ہو گا اور ایسے امور پیش آئیں گے جن کو تم ناگوار و ناپسند سمجھو گے اور ایسے ایسے فتنے آئیں گے جو ایک دوسرے کو ہلکا

کر دیں گے اور ایسے خطرناک فتنے برپا ہوں گے جن کو دیکھ کر مومن آدمی دنگ رہ جائے گا اور کہے گا فتنہ تو یہ فتنہ ہے پس جو شخص چاہتا ہو کہ دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا جائے تو اس کو چاہیے کہ اس کی موت اس حالت میں آئے کہ وہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔

دلوں پر فتنوں کا ہجوم اور اس کا اثر

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "تُعْرَضُ الفِتَنُ علی القُلُوبِ کالْحَصِیرِ عُودًا عُودًا." کہ دلوں پر فتنے اس طرح پیش کیے جائیں گے جیسے چٹائی بننے کے لیے ایک ایک تنکا اس پر پیش کیا جاتا ہے "(یعنی جس طرح چٹائی بننے کے واسطے چٹائی کا تنکا بار بار ایک دوسرے میں داخل کیا جاتا ہے اسی طرح دل پر پے در پے فتنے برپا ہوں گے، یا مطلب یہ ہے کہ جس طرح چٹائی سونے والے کے جسم سے چمٹ جاتی ہے اور جسم پر اثر انداز ہو جاتی ہے اسی طرح فتنے بھی دل پر اثر انداز ہوں گے۔) "فأَيُّ قَلْبٍ أُشْرِبَها، نُكِتَ فيه نُكْتَةٌ سَوْداءُ، وأَيُّ قَلْبٍ أَنْكَرَها، نُكِتَ فيه نُكْتَةٌ بَيْضاءُ." "پس جس دل پر اس کا اثر ہو گیا (یعنی دل میں فتنہ کی محبت رچ بس گئی) تو اس پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جائے گا اور جس دل نے اس کا انکار کر دیا تو اس پر سفید نقطہ پڑ جائے گا، "حتّی تَصِیرَ علی قَلْبَیْنِ، علی أَبْیَضَ مِثْلِ الصَّفا فلا تَضُرُّهُ فِتْنَةٌ ما دامَتِ السَّمَواتُ والأَرْضُ، والآخَرُ أَسْوَدُ مُرْبادًّا کالْكُوزِ، مُجَخِّيًا لا يَعْرِفُ مَعْرُوفًا، ولا يُنْكِرُ مُنْكَرًا، إلّا ما أُشْرِبَ مِن هَواهُ." (مسلم: ۲۳۱) "یہاں تک کہ لوگ دو قسم کے دلوں والے ہو جائیں گے، ایک سفید جو سفید سنگ مرمر کی طرح ہو گا، پس اسے فتنہ نقصان نہ پہنچا سکے گا جب تک کہ آسمان اور زمین باقی ہیں، اور دوسرا سیاہ مٹیالا جیسا کہ اوندھا برتن جو نہ

بھلائی کی پہچان کرے اور نہ برائی کو برا خیال کرے سوائے اس چیز کے کہ جس کی محبت اس کے دل میں رچ بس گئی ہو۔

فتنوں کی زیادتی اسی امت میں کیوں؟

سوال: بکثرت فتنوں کا وجود اور ظہور اسی امت میں کیوں ہے؟

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ امتوں پر عذاب آتا تھا اور وہ نیست و نابود کر دی جاتی تھیں اور اس امت کے لئے بَقا (باقی رہنا) مقدر ہے اس لیے بدکار اور نیکوکار میں امتیاز ضروری ہے اس لیے اس امت کے لئے فتنے مقرر کیے گئے ہیں تاکہ ان سے امتیاز حاصل ہو (فیض الباری / ۴ ص ۴۹۵)

فتنہ ہر شخص کے لئے مضر و نقصان دہ نہیں، آگ مَیل کُچیل کو بھسم کرتی ہے اور سونے کو نکھارتی ہے، اسی طرح فتنے مومنین کی پرواز کو بڑھاتے ہیں، ان کے لئے فتنوں میں بھی خیر کا پہلو ہوتا ہے۔

جب فتنوں کا آنا برحق ہے تو ان کو بتانے کا فائدہ کیا؟

جواب: فتنوں کے بیان کرنے کے چند فائدے ہیں

(۱) بعض فتنوں کے جاننے کا فائدہ یہ ہے کہ ان سے حفاظت کا سامان کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ فتنے اختیاری ہیں اور اختیاری کام کی دونوں جہتیں (یعنی کرنے اور نہ کرنے) کی اختیاری ہوتی ہیں جیسے کہ کِذب بیانی یا جھوٹی گواہی کا فتنہ جو کہ اختیاری ہے۔

(۲) بعض فتنے اگرچہ غیر اختیاری ہیں جیسے دجال کا فتنہ، ان کے بتلانے کا مقصد یہ ہے کہ آدمی ان کے شر سے واقف ہو جائے تو ان سے بچنا آسان ہو جائے گا۔

(۳) بعض فتنوں کے بیان کے ساتھ ہی ان سے بچنے کی راہ بھی بتادی گئی ہے جیسے دریائے فرات کا پانی سوکھ جائے گا اور سونے کا خزانہ ظاہر ہوگا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس میں سے کچھ نہ لینا۔

(۴) سبھی فتنے قیامت کی نشانیاں ہیں ان کے بیان کرنے کا یہ مقصد بھی ہے کہ لوگوں کو قیامت کا نزدیک آنا معلوم ہوجائے اور وہ آخرت کی تیاری میں مشغول ہوجائیں۔

جیسا کہ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں الحکمۃُ فِي تَقَدُّمِ الاَشْراطِ اِیقاظُ الغافلینَ وحَثُّھُم علی التوبۃِ والاستعدادِ کہ قیامت سے پہلے قیامت کی علامتوں کے آنے کا فائدہ غافل لوگوں کو بیدار کرنا ہے اور انھیں توبہ اور آخرت کی تیاری پر آمادہ کرنا ہے۔ (فتح الباری جلد ۱۱ص ۳۵۰)

(۵) اور سب سے اہم فائدہ مخلص اور غیر مخلص کو جدا کرنا ہے جیسے امتحان اسی مقصد سے لیا جاتا ہے کہ کس نے پڑھا ہوا یاد کیا ہے اور کس نے یاد نہیں کیا، اسی طرح مومن کا بھی وقتاً فوقتاً امتحان ہوتا ہے کہ کون دعوائے ایمان میں کھرا ہے اور کون کون کھوٹا، چنانچہ مدنی زندگی میں صحابہ کرام کا کم از کم دس مرتبہ امتحان لیا گیا اب یہ نبی ﷺ کی غایت درجہ شفقت ہے کہ امت کو وہ کمزور پوائنٹ بتادیئے جہاں ایک مومن فیل ہوسکتا ہے۔

ایک واقعہ

نصیر الدین طوسی نے اپنے زمانہ کے بادشاہ سے کہا کہ وہ رَصَد گاہ (ستاروں کی گردش دیکھنے کی جگہ) قائم کرنا چاہتا ہے بادشاہ نے پوچھا اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ طوسی نے کہا ہم ستاروں کی چال پر نظر رکھیں گے اور جو واقعات رونما ہونے والے ہیں ان سے پہلے سے واقف ہوجائیں گے، بادشاہ نے پوچھا کیا ہم ان

واقعات کو ہونے سے روک سکیں گے؟ طوسی نے کہا وہ واقعات پیش آکر رہیں گے، بادشاہ نے پوچھا رصد گاہ کا خرچ کیا ہے؟ طوسی نے کہا: پچاس ہزار روپے، بادشاہ نے کہا جب ہم ان واقعات کو روک نہیں سکتے تو ان کو جاننے سے کیا فائدہ؟ اور اتنا بڑا خرچ کیوں کیا جائے؟ طوسی نے کہا میں اس کا فائدہ بتاؤں گا۔

پھر طوسی نے ایسے بہت سارے برتن بنوائے جو وزن میں ہلکے ہوں مگر بجیں بہت جب تیار ہوئے تو طوسی نے بادشاہ سے دربار کرنے کی درخواست کی دربار شروع ہو گیا، جب دربار شباب پر تھا تو حسب پروگرام وہ برتن چھت کے سوراخ سے دربار میں ڈالے گئے، اور لوگوں میں وہ بھگدڑ مچی کہ الامان والحفیظ مگر بادشاہ اور طوسی اطمینان سے بیٹھے رہے، کیوں کہ ان کو پہلے سے اس ڈرامے کا علم تھا جب ہنگامہ ختم ہوا تو طوسی نے کہا ہمیں چوں کہ اس حادثے کا پہلے سے علم تھا اس لئے ہم مطمئن رہے اور لوگوں کو علم نہیں تھا اس لئے ان کے ازار بند ٹوٹ گئے، یہ حوادثات کو پہلے سے جاننے کا فائدہ ہے۔

چنانچہ بادشاہ نے اجازت دے دی اور اسلام میں سب سے پہلی رصد گاہ طوسی نے بنائی۔

اسی طرح فتنوں سے واقفیت بھی فتنوں کے ظہور کے زمانے میں ایمان کی حفاظت کا سامان وذریعہ ہے، نیز جو فتنوں سے واقف نہیں وہ نادانستہ طور پر بھی فتنوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، غرض مختلف حکمتوں سے نبی کریم ﷺ نے فتنوں پر تفصیلی کلام فرمایا ہے۔ (تحفۃ الالمعی ج/۵ ص/۵۲۳)

زیادہ تر فتنے مشرق سے اٹھیں گے

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں قام رسولُ اللهِ ﷺ علی المِنْبَرِ فقال: ها هُنا أرضُ الفِتنِ وأشارَ إلى المَشرقِ يعني حيثُ يطلعُ قَرْنُ

الشَّيطانِ أو قالَ :قرنُ الشَّمْسِ (سنن ترمذی / ۲۲۶۶) کہ رسول پاک ﷺ ممبر پر کھڑے ہوئے اور مشرق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہاں فتنوں کی سرزمین ہے (مشرق یعنی جہاں شیطان یا سورج کا سینگ نکلتا ہے)

اگرچہ یہ حدیث عام ہے لیکن بعض حضرات کا قول ہے کہ اس حدیث میں مُسَیلَمہ کذّاب یا دجالِ اکبر کے فتنے کی طرف اشارہ ہے،

چنانچہ مسیلمہ کذاب جس نے نبوت کا جُھوٹا دعوی کیا یہ یَمامہ کا باشندہ تھا اور یمامہ مدینہ شریف سے مشرق کی طرف نَجد کے علاقے میں واقع ہے، اور دجال اکبر جو کہ سب سے بڑا فتنہ پرداز ہے اور سرچشمۂ ضلالت و گمراہی ہے اس کا خروج و ظہور بھی حدیث کے مطابق مشرق یعنی خُراسان سے ہو گا۔

ایسا فتنہ جس کا علاج تلوار تھی

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسولَ الله! أَيَكُونُ بعدَ هذا الخيرِ شَرٌّ كما كانَ قبلَه شَرٌّ؟ یارسول اللہ! کیا اس خیر کے بعد شر ہو گا جیسا کہ اس سے پہلے تھا؟ (یعنی دینِ اسلام کے بعد کفر آئے گا۔) فقال: "نَعَم" تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جی ہاں ! میں نے پوچھا: فما العِصمةُ من ذلك؟ قال: "اَلسَّيْف." (سنن اَبي داود: ۴۲۴۴) میں نے پوچھا کہ اس سے بچاؤ کا کیا راستہ ہے ؟ تو آپ نے فرمایا: "تلوار۔" (یعنی تلوار کے استعمال سے اس شر سے بچا جا سکتا ہے یا اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ تم ان شر پسندوں کو تلوار سے مارو۔)

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس فتنے کا مصداق فتنۂ ارتداد یعنی اسلام سے پھر جانے (اور مانعینِ زکوۃ) کا فتنہ ہے جو حضور ﷺ کی وفات کے بعد خلافتِ صدیق رضی اللہ عنہ میں رونما ہوا کہ لوگ اسلام سے پھرنے لگے اور زکوۃ

دینے سے انکار کرنے لگے جس کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تلوار کے ذریعے ختم کیا۔

اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق یہ قاتلینِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا فتنہ ہے

کہ وہ بلوائی اور فسادی تھے جو مدینہ طیبہ پر چڑھ آئے تھے اور جنہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا ان کے شر اور فساد سے حفاظت کا طریقہ تلوار تھی (اگر استعمال کی جاتی)۔ (بذل المجھود: ج ۱۷ ص ۷۰)

فتنۂ اَحلاس، فتنۂ سَرَّاء، فتنۂ دُہَیماء کا ذکر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فتنوں کا تذکرہ فرمایا اور بہت سارے فتنوں کا ذکر کیا، "حَتّیٰ ذَکَرَ فِتْنَةَ الأَحْلاَسِ. فَقَالَ قَائِلٌ: یَا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم، وَمَا فِتْنَةُ الأَحْلاَسِ؟ قَالَ: هِيَ هَرَبٌ وحَرَبٌ". چنانچہ بیان کرتے کرتے آپ نے فتنۂ احلاس کا ذکر کیا تو ایک کہنے والے نے کہا: کہ یہ فتنۂ احلاس کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وہ بھاگ دوڑ، لوٹ مار اور لڑنا جھگڑنا ہے۔ "ثُمَّ فِتْنَةُ السَّرَّاءِ دَخَنُها مِنْ تَحْتِ قَدَمَيْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِيْ يَزْعُمُ أَنَّه مِنِّي، وَلَيسَ مِنِّي، وَإِنَّمَا أَوْلِيَائِيَ الْمُتَّقونَ."

پھر ایک فتنۂ سَرَّاء کا ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی انگیخت واشتعال انگیزی اور اس کی ابتدا و شروعات میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کے قدموں کے نیچے سے ہوگی، اس کا اپنے بارے میں یہ دعویٰ و خیال ہوگا کہ وہ مجھ سے ہے حالانکہ اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں (یعنی گو نسب کے اعتبار سے مجھ سے ہو لیکن کردار اور احوال کے اعتبار سے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔)

کیوں کہ میرے اولیاء تو متقی و پرہیزگار لوگ ہیں، "ثُمَّ يَصْطَلِحُ النَّاسُ عَلٰى رَجُلٍ كَوَرِكٍ عَلٰى ضِلَعٍ،"

پھر لوگ (اسے ہٹا کر) ایک ایسے آدمی پر باہمی صلح کرلیں گے جو پسلی پر سرین اور کولھا رکھنے کے مانند ہو گا۔ (یعنی بالکل ناکارہ و نکما، جیسے کہ پسلی کی ہڈی اپنے اوپر کُولھا اور سُرین یا کسی بھاری و وزنی چیز کی مُتَحمِّل یعنی اٹھانے کے قابل نہیں ہوتی اسی طرح یہ بھی کم علمی و کم عقلی اور خِفّتِ عقل ورائے کی وجہ سے ریاست و سرداری کا بالکل متحمل و مستحق نہ ہو گا) یا مطلب یہ ہے کہ یہ صلح بالکل پھسپھسی کمزور اور ناپائدار ہو گی)

"ثُمَّ فِتْنَةُ الدُّهَيْمَاءِ، لَا تَدَعُ أَحَدًا مِنْ هٰذِهِ الأُمَّةِ إِلَّا لَطَمَتْه لَطْمَةً، فَإِذَا قِيْلَ: اِنْقَضَتْ، تَمَادَتْ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيْهَا مُؤْمِنًا، وَيُمْسِي كَافِرًا،"
پھر سیاہ رنگ کا فتنہ ہو گا جو اس امت کے کسی شخص کو بھی تھپڑ لگائے بغیر نہ چھوڑے گا (یعنی ہر شخص اس کے ضرر سے متاثر ہو گا) جب لوگ کہیں گے کہ فتنہ ختم ہو گیا تو وہ اور طویل و دراز ہو جائے گا، جس میں آدمی ایمان کی حالت میں صبح کرے گا اور شام کفر کی حالت میں (یعنی لوگوں کے احوال میں بہت تیزی کے ساتھ تغیر و بدلاو ہو گا، موقف اور نظریہ بہت جلدی جلدی بدلے گا، آدمی جس چیز کو صبح کے وقت حرام سمجھ رہا تھا شام ہوتے ہوتے اسی چیز کو حلال سمجھنے لگے گا مثلاً جس کا قتل صبح میں حرام جانتا تھا شام کو اسی کا قتل حلال سمجھنے لگے گا) "حَتّٰى يَصِيرَ النَّاسُ إِلٰى فُسْطَاطَيْنِ: فُسْطَاطِ إِيمانٍ لَا نِفَاقَ فِيْه، وفُسْطَاطِ نِفَاقٍ لَا إِيْمَانَ فِيْهِ، فَإِذَا كَانَ ذَاكُمْ، فَانْتَظِرُوا الدَّجّالَ مِنْ يَومِهٖ، أَوْ غَدِهٖ" (سنن أبي داود / ۴۲۴۲) "یہاں تک کہ لوگ دو خیموں میں تقسیم ہو جائیں گے ایک ایمان کا خیمہ جس میں نفاق نہ ہو گا اور دوسرا نفاق کا خیمہ جس میں ایمان نہ

ہو گا، جب ایسا ہو تو اسی دن یا اس سے اگلے دن دجال کے خروج کا انتظار کرو"۔

فتنۂ اَحلاس کی وجہِ تسمیہ

فتنۂ احلاس کو احلاس کہنے کی وجہ، اس فتنہ کی طِوالت اور درازی ہے، کیونکہ احلاس حِلسٌ کی جمع ہے جس کے معنی ٹاٹ اور بوریا کے ہیں، جس طرح عمدہ فرش و قالین کے نیچے ٹاٹ مدتِ دراز تک بچھا رہتا ہے جلدی اٹھایا نہیں جاتا اوپر کی قالین و چادر تو بدلتی رہتی ہے لیکن وہ نیچے پڑا ہی رہتا ہے اسی طرح یہ فتنہ چوں کہ لمبا اور بہت دراز ہو گا جلدی ختم ہونے کا نام نہ لے گا اس لیے اس کو احلاس کہا گیا ہے۔

فتنۂ اَحلاس کا مِصداق

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ فتنۂ احلاس سے مراد حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں رونما ہونے والا فتنہ ہے جو کہ مصر وغیرہ کے فسادیوں اور بلوائیوں نے ان کے خلاف کھڑا کیا اور ان کی مخالفت میں ایک محاذ قائم کیا اور بالآخر مدینہ منورہ پہنچ کر ان کے مکان کا محاصرہ کیا اور انھیں شہید کر ڈالا اور پھر اس پر مرتب ہونے والے اور دوسرے فتنے ہیں مثلاً جنگِ جَمل اور جنگِ صِفّین وغیرہ جو چلتی رہی یہاں تک کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح و مصالحت کرنے پر ختم ہوئی۔ (بذل المجھود: ج۱۷: ص۶۶/ ۶۷)

حضرت مولانا ولیُّ اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ فتنۂ احلاس کا مصداق اہلِ شام کی عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر لشکر کشی ہے جبکہ وہ مدینہ منورہ سے نکل کر مکۃ المکرمہ چلے گئے، حجّاج بن یوسف نے حرم محترم میں ان کا محاصرہ کیا اور ان کو شہید کیا اور حرم محترم کی حرمت کو پامال کیا۔ (حجۃ اللہ

البالغہ)

فتنۂ سَرّاء کی وجہِ تسمیہ (یعنی خوش حالی کا فتنہ)

اس فتنے کو سَرّاء اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ سَرّاء کے معنی نعمت اور خوشی کے ہیں، چوں کہ اس فتنے کا سبب کثرتِ فتوحات اور مال و دولت کی کثرت کے سبب لوگوں کا خوشی و سرور اور عیش و آرام کی زندگی میں مبتلا ہونا ہے۔

یا سَرّاء اس کو اس لئے کہا گیا ہے کیوں کہ اس فتنے کی آمد سے مسلمانوں میں خلل اور نقص واقع ہو گا اور اس خلل و نقص کی وجہ سے ان کے دشمنوں کو مسرت و خوشی حاصل ہو گی۔

فتنۂ سَرّاء کا مصداق

حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے شریف حسین بن علی کا فتنہ مراد ہے جو رمضان سن ۱۳۳۴ھ میں مکہ مکرمہ میں پیش آیا۔

یعنی جس زمانہ میں حِجاز مقدس میں ترکوں کی حکومت تھی تو اس وقت خلافتِ عثمانیہ ترکیہ کی طرف سے مکہ مکرمہ کا امیر اور والی شریف حسین بن علی تھا اس کے ساتھ انگریزوں نے خفیہ طور پر ساز باز کرلی، لاکھوں اشرفیاں رشوت کی اس کو دے کر ترکوں کے خلاف اس کو بغاوت پر آمادہ کرلیا، چنانچہ اس نے بدّوؤں کو لالچ دے کر ترکی فوج پر جو کہ مکہ مکرمہ میں مقیم تھی اچانک خفیہ طور سے حملہ کرادیا اور ان کو ان بدّوؤں کے ذریعے مروا ڈالا اور اپنی خود مختاری کا اعلان کرکے حکومت کرنے لگا اور اپنے آپ کو مَلِکُ الحِجاز (حِجاج کا بادشاہ) کہنے لگا اس کی یہ حکومت تقریباً دس سال تک رہی اور اس کے دور میں خوب بدامنی پھیلتی رہی پھر اس کے بعد حسین کے بیٹے علی بن حسین پر مصالحت ہوگئی لیکن

اس سے نظامِ حکومت چل نہ سکا، پس اس طرح آنحضور ﷺ کا فرمان ثُمَّ يَصْطَلِحُ النَاسُ على رجُلٍ كوَرِكٍ على ضِلَعٍ، اس پر صادق آیا، کہ لوگ ایک ایسے آدمی پر باہمی صلح کریں گے جو پسلی پر سرین رکھنے کے مانند ہو گا۔ (بذل المجھود: جلد:۷ا ص۶۷)

حضرت سہارنپوری کی تین دعائیں

جس وقت یہ فتنہ شروع ہوا حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ حجاز مقدس میں تشریف فرما تھے، تذکرۃ الخلیل میں لکھا ہے کہ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مُلتَزَم شریف پر تین دعائیں کی تھیں ایک یہ کہ یہاں حجاز مقدس میں امن قائم ہو جائے، دوسری یہ کہ میری یہ تصنیف "بذل المجھود شرح سنن أبي داود" پوری ہو جائے، تیسری یہ کہ مجھے مدینہ پاک کی مٹی نصیب ہو جائے یعنی یہاں کی وفات، چنانچہ بذل المجھود کی مدینہ منورہ میں تکمیل بھی ہوئی اور حضرت کی حیات میں حجاز مقدس میں امن بھی قائم ہو گیا، حضرت فرماتے تھے کہ تیسری دعا کے قبول ہونے کی اللہ تعالی سے امید ہے، چنانچہ حضرت کی تیسری دعا بھی بحمد اللہ مقبول ہوئی اور مدینہ پاک میں وفات پاکر بقیع قبرستان میں اہل بیت کے بالکل قریب چند قدموں کے فاصلے پر مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا وَلِیُّ اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ شاید فتنۂ سراء کا مصداق وہ مختار بن عُبَید ثقفی کا تَغَلُّب وتَسَلُّط ہے اور اس کی وہ خوں ریزی و غارت گری ہے جو اس نے اہلِ بیت کے خون کا بدلہ لینے اور ان کی جھوٹی محبت کے نام پر مچائی۔

یا فتنۂ سَرَّاء سے ابو مسلم خُراسانی کا خروج مراد ہے جو بنو عباس کی حمایت میں اٹھا، اس کا بھی دعویٰ تھا کہ وہ اہلِ بیت کی خلافت کے لئے سَاعِی اور کوشاں ہے۔ پھر

صَفَّاح کی حکومت پر لوگ متفق ہوئے جس کی اِمارت پسلی پر سُرین کی طرح تھی۔

فتنۂ دُہَیۡمَاء (یعنی سیاہ و تاریک فتنہ)

دُہَیۡمَاء کے معنی سیاہ و تاریک کے ہیں۔

فتنۂ دُہَیۡمَاء کا مصداق

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ فتنہ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کی آمد اور ان کے ظہور سے کچھ پہلے پایا جائے گا اور حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ السلام کے نزول تک چلتا رہے گا۔ (بذل المجھود: ج ۱۷ ص ۶۸)

جیسا کہ اس قول کی طرف حدیث پاک کا یہ جملہ اشارہ کر رہا ہے "فَإِذَا كَانَ ذَاكُم، فَانْتَظِرُوا الدَّجَّالَ مِنْ يَوْمِهِ، أَوْ غَدِهِ" کہ "جب ایسا ہو تو اسی دن یا اس سے اگلے دن دجال کے خروج کا انتظار کرو"۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتنہ کو چنگیز خاں کے فتنہ پر محمول کیا ہے، چنگیز کا فتنہ تاریخ میں بہت مشہور ہے۔

فتنۂ چنگیز کا مختصر تذکرہ

محمد خوارزم شاہ کے زمانے میں منگولیا سے چین تک ایک شخص چنگیز خان نے سن ۱۲۰۶ء سے تا سن ۱۲۲۷ء تک ایک زبردست حکومت قائم کرلی تھی اور چین بھی فتح کرلیا تھا، یہ منگولوں کی حکومت تھی جو منگولیا کے رہنے والے تھے، یہ منگول کافر بڑے وحشی اُجَڈ اور خونخوار لوگ تھے، چنگیز خان اچھے اچھے کپڑوں کا شوقین تھا اور یہ کپڑے اسلامی دنیا میں بنتے تھے اس لئے اس نے ایک مرتبہ کچھ تاجروں کو خوارزم بھیجا، محمد خوارزم شاہ نے ان کو جاسوس سمجھ کر قتل کر دیا،

اس پر چنگیز خاں کو بڑا غصہ آیا، بات تھی بھی غصہ کی، تاجروں کو بغیر کسی گناہ کے قتل کر دینا کوئی انصاف کی بات نہیں، چنگیز خان نے اس کا جواب طلب کیا، لیکن خوارزم شاہ نے اس کے قاصد کو بھی قتل کر دیا، بس اب کیا تھا چنگیز خان وحشی منگولوں کی زبردست فوج لے کر چڑھ آیا اور خوارزم شاہ کی سلطنت پر حملہ کر دیا، اس طرح خوارزم شاہ کی وجہ سے اسلامی دنیا کو بڑی تباہی کا سامنا کرنا پڑا، خوارزم شاہ ایسا ظلم نہ کرتا تو وحشی منگول حملہ نہ کرتے، اس کی ذراسی غلطی سے لاکھوں انسانوں کو نقصان پہنچا، لیکن سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ محمد خوارزم شاہ نے چنگیز خان سے چھیڑ تو شروع کر دی لیکن اس نے جب حملہ کیا تو ایک جگہ بھی میدان جنگ میں آکر اس کا مقابلہ نہیں کیا وہ ایسا خوفزدہ ہوا کہ کہیں بھی مقابلہ نہیں کیا، چنگیز شہر پہ شہر فتح کرتا جاتا اور وہ آگے آگے بھاگتا جاتا تھا، یہاں تک کہ بحرِ خضر کے ایک جزیرہ آبسکوں میں جا کر پناہ لی اور وہیں سن ۶۱۷ ھج سن ۱۲۲۰ء میں انتقال کیا، محمد خوارزم شاہ کے بعد اس کے لڑکے جلال الدین خوارزم شاہ نے جو بڑا بہادر تھا مقابلہ کرنے کی کوشش کی، وہ کئی سال تک منگولوں سے لڑتا رہا لیکن کامیاب وہ بھی نہ ہوسکا، منگولوں کا یہ حملہ بہت بڑی تباہی لایا، سمرقند، بخارا، خوارزم، بلخ، نیشاپور غرض اسلامی دنیا کے وہ تمام شہر جو وسط ایشیا اور ایران میں تھے انہوں نے برباد کر دئے، لوگوں کا قتلِ عام کیا، شہروں میں آگ لگادی، شہروں کی عمارتیں جلادی اور دیکھتے دیکھتے اسلامی دنیا کا ایک بڑا حصہ ویران وخاکستر کر دیا، مسجدیں، کتب خانے اور مدرسے سب برباد کر دیئے گئے، بخارا اور سمرقند جن کی آبادی کا اندازہ دس لاکھ تک کیا جاتا ہے بالکل تباہ کر دیئے گئے، خوارزم میں قتلِ عام کے بعد منگولوں نے دریائے جَیحون کا بند توڑ دیا جس سے پورا شہر پانی میں ڈوب گیا، چنگیز خوارزم شاہ کی سلطنت کو تباہ کر کے اور

رَے، ہمدان اور آذر بائیجان تک تمام شہروں کو تباہ کر کے منگولیا واپس چلا گیا اور کچھ عرصہ بعد مر گیا، لیکن پچاس سال بعد اس کے پوتے ہلا کو خاں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اس نے بغداد پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر لیا جو اس وقت اسلامی دنیا کا سب سے بڑا شہر تھا۔

فتنۂ خوارج

اسلام میں جو فتنے سب سے پہلے رونما ہوئے ان میں خوارج کا فتنہ بھی ہے، یوں تو اس فتنہ کے آثار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہی سے ظاہر ہونے لگے تھے لیکن باقاعدہ اس فتنے کا ظہور جنگ صِفّین کے بعد سنہ ۳۶ھ میں ہوا، اور سنہ ۳۷ھ مقامِ نہروان میں خلیفۃُ المسلمین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس جماعت کا صفایا کیا،

خوارج: کوفہ کے زاہدوں کی ایک جماعت تھی، جو امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو کر ان کی اطاعت سے اس وقت نکل گئے جب جنگِ صِفّین (یعنی حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان قصاصِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو لے کر چلنے والی لڑائی) کے خاتمے کے واسطے دو فیصلہ کرنے والوں کو مقرر کیا گیا، حالانکہ تحکیم یعنی حَکَم وفیصل بنانے پر خوارج ہی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبور کیا تھا ورنہ تو جنگ اپنے اختتام پر تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ جیت چکے تھے، پھر جب حَکَم اور نمائندہ نامزد کرنے کا وقت آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو نامزد کرنا چاہتے تھے مگر خوارج نے حضرت علی کو مجبور کیا کہ وہ حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو نامزد کریں پھر جب فیصلہ کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما حَکَم مقرر کر دیا گیا تو اس وقت

خوارج یہ نعرہ لگانے لگے: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" کہ حکم اور فیصلہ تو صرف اللہ کا ہے" اور یہ کہنے لگے کہ اس حکمِ خداوندی کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے تم دونوں فریق یعنی اصحاب علی واصحاب معاویہ کافر ہوگئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کَلِمَةُ حَقٍّ اُرِيْدَ بِهَا الْبَاطِلُ کہ یہ کلمہ برحق ہے لیکن ان سے جس معنی کا ارادہ کیا گیا ہے وہ باطل ہے۔

اور وہ باغی اور خوارج جن کی تعداد دس بارہ ہزار تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت سے نکل گئے اور آپ کی خلافت کا انکار کر بیٹھے اور اپنی مخالفت کا جھنڈا گاڑ دیا، خون ریزی اور غارت گری شروع کر دی، ابتداءً اِتمامِ حُجَّت کیلیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑی کوشش فرمائی کہ یہ لوگ اپنے فیصلے اور باطل نظریے سے رجوع کر لیں مگر یہ لوگ جنگ کرنے کے سوا کسی بات پر راضی نہ ہوئے۔

اس فرقہ کا سرغنہ عبد اللہ بن شداد کوفی تھا، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس فرقہ کی فہمایش کے لیے حروراء مقام پر تشریف لے گئے، یہ حروراء وہ جگہ ہے جہاں ان لوگوں نے اقامت وسکونت اختیار کر رکھی تھی اس سبب سے یہ فرقہ حروریہ بھی کہلاتا ہے، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا خوارج سے مناظرہ ہوا آپ نے ان کے شکوک وشبہات کا تسلی وتشفی بخش جواب دیا، آپ کی فہمایش سے تقریباً ان میں سے دو ہزار لوگ تائب ہو کر راہ راست پر آگئے اور باقی لوگ اپنی بات پر اڑے رہے اور مسلمانوں کا قتل، راہزنی اور طرح طرح کے فساد برپا کرنے شروع کئے جن کے سبب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہروان کے مقام پر ان پر چڑھائی کی،

نہروان بغداد کے قریب ایک شہر ہے، اس فرقہ کی اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی لڑائی چوں کہ اسی مقامِ نہروان میں ہوئی تھی اس لیے اس جگہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس جنگ کو جنگِ نہروان کہتے ہیں، اس لڑائی میں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خوارج پر شاندار فتح نصیب ہوئی، اصحاب علی نے خارجیوں کا اچھی طرح صفایا کیا، اکثر قتل کر دیے گئے، ان میں سے بہت کم زندہ بچے، بجز گنے چنے چند افراد کے جو بھاگ کر بچنے میں کامیاب رہے۔

عبد الرحمن بن ملجم بد بخت انھیں بچے کھچے خارجیوں میں سے تھا جس نے گھات لگا کر بوقتِ فجر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔

خوارج اور ان کی علامتوں کا ذکر حدیث میں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ ہی میں اس باطل فرقہ کے وجود میں آنے کی پیشین گوئی فرمادی تھی اور ان کی کچھ پہچان اور علامتیں بھی بیان فرما دی تھیں جیسا کہ مسلم شریف میں ہے تَمْرُقُ مَارِقَةٌ عِنْدَ فُرْقَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، يَقْتُلُها أوْلى الطّائِفَتَيْنِ بالحَقِّ (مسلم شریف/۱۰۶۴) کہ مسلمانوں کے اختلاف اور افتراق کے موقع پر ایک جماعت مسلمانوں سے کٹ کر الگ ہو جائے گی اور اس وقت فریقین میں سے جو حق کے زیادہ قریب ہوگا وہی اس جماعت کو قتل کرے گا۔

علماء و محدثین فرماتے ہیں کہ اس جماعت کا مصداق خوارج ہیں جو اصحابِ علی و اصحابِ معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلاف کے وقت مسئلۂ تحکیم (فیصل مقرر کرنے) کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو کر ان کی جماعت سے الگ ہو گئے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے لوگوں نے ان سے قتال کیا تھا۔

اور نسائی شریف میں ہے يَخْرُجُ قومٌ فِي آخِرِ الزَّمَانِ أَحْدَاثُ الأَسْنَانِ، سُفَهَاءُ الأَحْلَامِ، يَقُوْلُوْنَ مِنْ خَيرِ قَولِ البَرِيَّةِ، لَايُجَاوِزُ إِيْمَانُهُم حَنَاجِرَهُم، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، فَإِذَا لَقِيْتُمُوْهُم فَاقْتُلُوهُم فإِنَّ قَتْلَهُم أَجْرٌ لِمَنْ قَتَلَهُم يومَ القيامةِ (سنن

نسائی / ۴۱۱۳) کہ آخر زمانے میں کچھ ایسے لوگ نکلیں گے جو نو عمر ہوں گے، نا سمجھ اور کم عقل ہوں گے، کچھ بھلی اور خیر خواہی کی باتیں کریں گے، لیکن ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا وہ مسلمانوں کی بعض باتوں کے قائل ہوں گے، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے اگر تم ایسے لوگوں کو پاؤ تو قتل کر دینا کیوں کہ جو انھیں قتل کرے گا اسے قیامت کے روز اجر دیا جائے گا۔

حضرت شریک بن شہاب کہتے ہیں کہ میری تمنا تھی کہ میں کسی صحابی سے مل کر خوارج کے متعلق دریافت کروں اتفاقاً عید کے روز میں نے ابو برزہ کو چند ساتھیوں کے ساتھ دیکھ لیا تو عرض کیا: کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو خوارج کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے؟ فرمانے لگے: ہاں میں نے سنا اور آنکھ سے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ مال لایا گیا جسے آپ نے اپنے دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے لوگوں میں تقسیم کر دیا لیکن جو لوگ پیچھے بیٹھے ہوئے تھے انھیں کچھ نہ دیا، ان میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ آپ نے انصاف سے کام نہیں لیا وہ رنگ کا کالا، سر منڈا ہوا اور سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا،) بعد میں جس سے خوارج پیدا ہوئے، بذل المجہود میں جس کا نام حرقوص بن زہیر ذوالخویصرہ لکھا ہے (یہ سن کر رسول اللہ ﷺ انتہائی غصے میں آ گئے اور فرمایا خدا کی قسم تم میرے بعد مجھ سے زیادہ انصاف کرنے والا کوئی نہیں پاؤ گے، پھر فرمایا) اس (زمانے کے آخر میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے گویا کہ یہ بھی انہی میں سے ہے جو قرآن تو پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا) یعنی ان کے دل قرآن کی تعلیمات سے بالکل متاثر نہیں ہوں گے (اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے آر پار ہو جاتا ہے، ان کی نشانی یہ ہو گی کہ وہ

سر منڈے ہوں گے اور ہمیشہ نکلتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا آخری گروہ دجال کے ساتھ ہو گا، اگر تم ایسے لوگوں کو پاؤ تو انھیں قتل کر دینا یہ کائنات کے بدترین لوگ ہیں۔(نسائی شریف / ۴۱۱۰)

اور ابوداؤد شریف میں اس طرح سے ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھوڑا سا سونا جو مٹی میں ملا ہوا تھا وہ بھیجا یعنی کسی کان سے نکلا ہوا سونا تھا جو ابھی تک صاف بھی نہیں کیا گیا تھا، وہ سونا آپ نے ہاتھ کے ہاتھ اسی مجلس میں چار شخصوں کے درمیان تقسیم فرما دیا اقرع بن حابس، عیینہ بن بدر، زید بن خیل، علقمہ بن علاثہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تقسیم کے بعد ایک شخص اعتراض کرنے کے لیے آگے بڑھا جس کا حلیہ راوی نے اس طرح بیان کیا ہے رجلٌ غَائِرُ الْعَيْنَيْنِ مُشْرِفُ الوَجْنَتَيْنِ نَاتِئُ الجَبِينِ كَثُّ اللِّحْيَةِ مَحْلُوقٌ، قَالَ: اِتَّقِ اللهَ يَا مُحَمَّدُ، کہ اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور دونوں رخسار ابھرے ہوئے تھے ایسی ہی پیشانی بھی ابھری ہوئی تھی اور داڑھی اس کی گھنی اور سر کے بال منڈے ہوئے تھے، اس نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ سے ڈر، اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر میں ہی اللہ کی نافرمانی کروں گا تو پھر اطاعت اس کی کون کرے گا، بھلا اللہ تعالی تو مجھ کو زمین والوں کے حق میں امین اور امانت دار قرار دیتے ہیں اور تم مجھے امین نہیں سمجھتے، اس پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اس کو قتل کر دوں؟ راوی کہتے ہیں کہ آپ نے ان کو قتل سے منع کر دیا

پھر جب وہ اعتراض کرنے والا اپنی بکواس کر کے جانے لگا تو آپ نے فرمایا اس کی نسل سے ایسی قوم پیدا ہو گی جو بکثرت قرآن پڑھے گی لیکن وہ ان کے گلوں سے نیچے نہ اترے گا، یہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس

طرح تیر شکار میں سے گزر کر نکل جاتا ہے، يَقْتُلُونَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَيَدْعُونَ أَهْلَ الأَوْثَانِ

یہ لوگ اہلِ اسلام کو تو قتل کریں گے لیکن بت پرستوں کو چھوڑے رکھیں گے یعنی ان سے کوئی تعرض نہ کریں گے

لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ قَتَلْتُهُمْ قَتْلَ عَادٍ (سنن ابی داوٗد / ۴۷۶۴) اگر میں ان کا زمانہ پاؤں (یعنی خوارج کا) تو میں ان کو قوم عاد کی طرح قتل کر ڈالوں یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے آسمانی آفت سے قوم عاد کو بالکل نیست و نابود کر دیا اسی طرح میں بھی قتل کے ذریعے ان کا بالکل صفایا کر دوں۔

اور ابو داود شریف ہی کی ایک دوسری روایت میں اس طرح سے ہے کہ یہ لوگ دین اور اطاعتِ امام کی طرف نہیں لوٹیں گے جب تک کہ کمان سے نکلا ہوا تیر لوٹ کر اپنے فوق یعنی نکلنے کی جگہ نہ آجائے (اور ایسا کہاں ممکن ہے) یہ تمام لوگ مخلوق میں سب سے بدتر لوگ ہوں گے، خوش خبری اور بشارت ہے اس شخص کے لئے جو ان کو قتل کرے اور ان کے لیے بھی جن کو یہ قتل کریں، ظاہر میں یہ لوگوں کو کتاب اللہ کی طرف بلائیں گے لیکن کتاب اللہ سے انکا کچھ بھی تعلق نہ ہو گا، جو شخص ان سے قتال کرے گا یعنی میری امت میں سے تو وہ اللہ کے زیادہ قریب ہو گا ان لوگوں کے مقابلے میں جو ان سے قتال نہیں کریں گے، صحابہ نے پوچھا ان کی ظاہری علامت کیا ہو گی جس کو دیکھ کر ان کو فوراً پہچان لیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا تحلیق اور تسمید یعنی بکثرت اور مبالغہ کے ساتھ سر منڈانا، جب تم ان کو دیکھو تو ان کو سلا دو یعنی تہِ تیغ کر دو۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ان کو اچھی طرح تہِ تیغ کیا۔

جنگِ خوارج ونہروان کا قصہ

حدیث کے راوی زید بن وہب جُہَنِی کہتے ہیں کہ میں خود اس لشکر میں موجود تھا جو حضرت علی کے ساتھ خوارج سے لڑنے کے لیے گیا، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے خوارج کے ساتھ لڑائی کی ترغیب میں فرمایا کہ اے لوگو میں نے حضور اقدس ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ ایک قوم میری امت میں سے ایسی نکلے گی جو ایسی عمدہ قرات کرے گی کہ ان کی قرات کے مقابلے میں (بظاہر) تمہاری قرات کچھ بھی نہ ہو گی اور نہ تمہاری نماز ان کی نماز کے مقابلے میں اور نہ تمہارے روزے ان کے روزوں کے مقابلے میں کچھ ہوں گے،وہ قران پڑھیں گے اور یہ سمجھیں گے کہ قرآن پڑھنا ان کے حق میں مفید ہے حالانکہ وہ ان کے خلاف حُجَّت ہو گا، لَوْ يَعْلَمُ الجَيشُ الذي يُصِيبُونَهُم مَا قُضِيَ لَهُم عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهِمُ. لَاتَّكَلُوا عَنِ الْعَمَلِ، اگر وہ لشکر والے جان لیں جو ان سے قتال کریں گے کہ ان کے لئے حضور اقدس ﷺ کی زبان پر کیا فیصلہ کیا گیا ہے؟ یعنی اللہ تعالی کی طرف سے کتنے بڑے ثواب کا وعدہ ہے، تو وہ اسی عمل پر اعتماد کر کے بیٹھ رہیں، اتنا بڑا ثواب حاصل ہونے کی وجہ سے، پھر اور کسی عمل کرنے کی ضرورت محسوس نہ کریں، وَآيَةُ ذٰلِكَ أَنَّ فِيهِم رَجُلًا لَهُ عَضُدٌ لَيْسَ فِيهِ ذِرَاعٌ، عَلٰى رَأْسِ عَضُدِهِ مِثْلُ حَلَمَةِ الثَّدْيِ. عَلَيْهِ شَعَرَاتٌ بِيضٌ (سنن ابی داود / ۴۷۶۸)

اس قوم کی علامت جس سے لڑنے کی آپ ﷺ نے ترغیب دی ہے، یہ ہے کہ ان میں ایک شخص ایسا ہو گا جس کے ایک طرف صرف بازو ہو گا اس کے آگے کِلائی نہ ہو گی، نیز اس کے بازو پر پستان کے سرے اور گھنڈی کے مانند ایک چھوٹی سی بوٹی ہو گی جس کے اردگرد نیولے کی دم یا بِلّی کی مونچھ پر کھڑے

رہنے والے بالوں کے مانند سفید بال ہوں گے، پس کیا تم معاویہ اور اہلِ شام کی طرف جاتے ہو ان سے قتال کے واسطے اور ان لوگوں کو اپنے پیچھے اپنی آل و اولاد کی طرف چھوڑ جاتے ہو، مطلب یہ ہے کہ پہلے ان کو نمٹاؤ اس کے بعد اہلِ شام کا قصہ دیکھا جائے گا، اور قسم بخدا میں امید کرتا ہوں کہ یہی لوگ وہ قوم ہیں جن کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ لوگ ناحق خون بہا رہے ہیں اور لوگوں کو لوٹ رہے ہیں، اللہ کا نام لے کر ان کی طرف چلو،

واقعہ کے راوی زید بن وھب کہتے ہیں کہ یہاں تک کہ چلتے چلتے ہمارا گزر ایک پل پر ہوا یعنی قنطرۂ دبرجان پر، حال یہ کہ ان کا امیر یعنی خوارج کا عبداللہ بن وہب راسبی تھا تو اس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ نیزوں کو ایک طرف ڈال دو اور تلواروں کو نیاموں سے نکال لو، (مطلب یہ ہے کی ہمیں حملہ میں جلدی کرنی ہے کیونکہ لڑائی کے وقت شروع میں تو نیزے ہی استعمال کیے جاتے ہیں جب دشمن ذرا فاصلے پر ہوں اور جب زیادہ قریب ہو جائیں تو تلواریں استعمال کی جاتی ہیں) کیونکہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں وہ تم سے صلح نہ طلب کرنے لگیں جس طرح حروراء کے دن طلب کی تھی، (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑائی سے پہلے صلح و مصالحت کی کوئی بات مقامِ حروراء میں بھی پیش آئی ہوگی) چنانچہ انہوں نے اپنے امیر کے حکم کے مطابق نیزوں کو تو پھینک دیا اور تلواریں سَونت لیں، اللہ تعالی کی قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لوگوں نے ان لوگوں کو ان ہی کے نیزوں سے بِیَن اور چُن کر رکھ دیا، یعنی جن نیزوں کو انہوں نے اپنے امیر کی ہدایت پر پھینک دیا تھا وہی نیزے اصحابِ علی رضی اللہ عنہ کے کام آ گئے، وہ اس طرح مارے گئے کہ ان کی لاشوں پر لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور اصحاب علی میں سے اس لڑائی میں صرف دو آدمی شہید ہوئے، اور خوارج جن کی

تعداد آٹھ ہزار کے قریب تھی ان میں سے اکثر مارے گئے۔

جب لڑائی ختم ہو گئی اور اہل حق کی فتح ہو گئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لوگوں سے فرمایا اچھا اس ناقص ہاتھ والے کو تلاش کرو تاکہ یہ یقین اور مشاہدہ ہو جائے کہ جس قوم کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نشاندہی فرمائی تھی یہ وہی ہیں، تو لوگوں نے تلاش کیا مگر ان کو تلاش سے ایسا کوئی شخص نہیں ملا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ خود تلاش کرنے کے لئے کھڑے ہوئے یہاں تک کہ آپ تلاش کرتے کرتے مقتولین کے ایک ڈھیر پر پہنچے جو کسی گڑھے میں پڑے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے فرمایا جو آپ کے ساتھ تھے کہ ان کو نکالو، ہو سکتا ہے وہ ناقص الید (ادھورا ہاتھ والا) ان میں ہو، چنانچہ وہ سب سے نیچے مل گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فرمایا صَدَقَ اللّٰهُ وَبَلَّغَ رَسُولُهٗ. اس پر عبیدہ سلمانی نے کھڑے ہو کر حضرت علی سے پوچھا کہ اے امیر المؤمنین اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کیا آپ نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے؟ یعنی ان کے قتل پر ثواب والی حدیث، تو آپ نے بھی قسم کھا کر جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی ہے، ان دونوں کا قسم کھا کر سوال جواب تین مرتبہ ہوا۔ (سنن ابی داود / ۴۷۶۸)

ابو الوضی اس مقتول مُخدج وناقص ہاتھ والے کا حال جس کو انہوں نے دیکھا تھا اس طرح بیان کرتے ہیں فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْه حَبَشِيٌّ عَلَيْهِ قُرَيْطٌ لَهُ إِحْدٰى يَدَيْه مِثْلُ ثَدْيِ الْمَرْأَةِ عَلَيْهَا شُعَيْرَاتٌ مِثْلُ شُعَيْرَاتٍ تَكُونُ عَلٰى ذَنَبِ الْيَرْبُوعِ (سنن ابی داود / ۴۷۶۹) کہ گویا میں اس کو اس وقت دیکھ رہا ہوں یعنی اس کا نقشہ میرے سامنے ہے وہ ناقص الید ایسا لگتا تھا جیسے کوئی حبشی ہو، جس کے بدن پر ایک کرتی یعنی چھوٹا سا کرتا تھا اور اس کا ایک ہاتھ ایسا تھا جیسے

عورت کی پستان ہوتی ہے اور اس پر نیولے کی دم پر بال کے مانند بال تھے۔

ابو مریم اس خوارج کے سردار ناقص ہاتھ والے کا سابق حال بیان کرتے ہیں کہ یہ شخص اپنے ابتدائی زمانے میں مسجد میں رہا کرتا تھا ہمارا اس کے ساتھ دن رات کا اٹھنا بیٹھنا تھا، دراصل وہ نادار اور فقیر آدمی تھا مسکینوں کے ساتھ حضرت علی کے لنگر کھانے میں شریک ہوا کرتا تھا اور ایک مرتبہ میں نے اس کو اپنا چوغہ یعنی جُبَّہ بھی دیا تھا، یعنی شروع میں تو وہ کیسا غریب و مسکین آدمی تھا جس کے بارے میں گمان بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ آگے چل کر یہ ایسا ہوگا۔ (سنن ابی داؤد / ۴۷۷۰)

خوارج کے کچھ باطل عقیدے

خوارج حضرت عثمان غنی، علی المرتضی، حضرت معاویہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہم اور جن صحابہ کرام کے درمیان جنگ واقع ہوئی ان سب سے بغض و دشمنی رکھتے ہیں، اور ان سب کو کافر قرار دیتے ہیں۔

اور گناہِ کبیرہ کرنے والے کو کافر اور اس کے دائمی دوزخی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، احادیثِ رسول کو شریعت کی حجت و دلیل نہیں مانتے۔

امیر المومنین اگر سنت کی خلاف ورزی کرے تو اس کے خلاف بغاوت کرنے کو فرض قرار دیتے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی ان کے باطل اور فاسد عقیدے ہیں۔

خوارج اور ان کے باطل عقائد و نظریات آج بھی دنیا میں موجود ہیں، اور ان کا وجود حدیث پاک کے مطابق خروجِ دجال تک رہے گا جیسا کہ نسائی شریف میں ہے لَا یَزَالُونَ یَخْرُجُونَ حتّٰی یَخْرُجَ آخِرُ ھُمْ مَعَ الْمَسِیحِ الدَّجَّالِ (نسائی شریف / ۱۹۰۳) کہ یہ لوگ ہمیشہ نکلتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا

آخری گروہ دجال کے ساتھ ہو گا۔

دوزخ کی طرف بلانے والے داعی

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر و بھلائی کے بارے میں سوال کرتے اور میں شر اور برائی میں پڑ جانے کے خطرے سے شر کے متعلق سوال کرتا تھا۔

(کیوں کہ دفعِ مُضَرّت جَلْبِ منفعت سے مقدم ہے یعنی نقصان دور کرنا، نفع حاصل کرنے سے پہلے ہے اور بیماری کو دور رکھنے کے لیے پرہیز دوا سے اولیٰ اور بہتر ہے)

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم جہالت و برائی میں مبتلا تھے (یعنی توحید و رسالت اور احکام شریعت سے ناواقف ہو کر کفر و شرک کے اندھیرے میں پڑے تھے) اللہ تعالی نے یہ خیر ہمیں عنایت فرمادی (یعنی آپ کی بعثت کی برکت سے ہمیں اسلام کی دولت نصیب ہوئی اور کفر و شرک کا اندھیرا ختم ہوا) کیا اس خیر کے بعد بھی شر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! میں نے کہا: کیا اس شر کے بعد بھی خیر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! مگر اس میں کچھ دَخَنْ ہے۔۔ میں نے پوچھا دخن کیا چیز ہے؟ تو آپ نے فرمایا: کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو میری سنت کے علاوہ طریقے پر چلیں گے اور میری راہ کے علاوہ راہ اختیار کریں گے، ان کی بعض باتیں تم پسند کرو گے اور بعض ناپسند کرو گے۔

(یعنی خیر و شر دونوں ملی جلی ہوں گی، برے نیکوں کے ساتھ اور اہلِ بدعت اہلِ سنت کے ساتھ خلط ملط ہو جائیں گے، شروع اور پہلے دور والے مسلمانوں کی طرح دلوں میں خلوص صفائی اور عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ نہ ہوں گے۔

علماء فرماتے ہیں: کہ شرّ اوّل یعنی پہلے شر سے مراد وہ فتنہ ہے جو حضرت

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور ان کے بعد واقع ہوا اور خیرِ ثانی سے مراد وہ سب کچھ ہے جو دورِ خلافتِ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ میں ہوا۔

اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ خیرِ ثانی سے مراد حضرت حسن بن علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی باہم صلح و مصالحت ہے اور دَخَنٌ سے وہ واقعات مراد ہیں جو بعض ظالم امراء وحُکّام مثلاً زیاد وغیرہ سے عراق میں واقع ہوئے۔

اور صاحبِ مجمع فرماتے ہیں کہ شر سے مراد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہادت ہے اور خیر سے مراد وہ خیر ہے جو شہادتِ عثمان غنی کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھی اور دخن کا مصداق خوارج ہیں)

میں نے پوچھا کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دُعَاةٌ عَلٰى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا."

" جہنم کے دروازے پر کھڑے ہو کر لوگوں کو جہنم کی طرف بلانے والے لوگ ہوں گے، جو ان کی بات کو قبول کرے گا اس کو وہ دوزخ میں ڈال دیں گے۔"(یعنی ان کی باتوں کا قبول کرنا دوزخ میں جانے کا سبب بنے گا) فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! صِفْهُمْ لَنَا. میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان کی کچھ صفات اوران کے کچھ حالات بیان کر دیں، آپ نے فرمایا: ہاں! قَوْمٌ مِن جِلْدَتِنَا. وَيَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا (بخاری شریف: ۷۱۸۳) کہ "وہ ہمارے گروہ وجماعت سے ہوں گے اور ہماری زبانوں میں گفتگو کرنے والے ہوں گے۔" (یعنی عربی زبان میں یا قرآن وحدیث پڑھ کر کلام کریں گے یا نصیحت وحکمت کی باتیں کریں گے حالانکہ ان کے دلوں میں بھلائی بالکل نہ ہوگی۔) میں نے کہا: اگر میں ان کو پالوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: " تم مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑو اور ان کے مقتدیٰ وپیشوا کا ساتھ دو، میں نے کہا: اگر ان کی

کوئی جماعت نہ ہو اور کوئی مقتدیٰ و پیشوا نہ ہو تو آپ نے فرمایا: کہ ان فرقوں سے الگ رہو اگر تمہیں درخت کی جڑ ہی کاٹنی پڑے یہاں تک کہ موت تمہیں آلے اور تم اسی بات پر قائم رہو (یعنی شہر جو کہ فتنوں کی آماجگاہ بنا ہے اس کی سکونت ترک کر کے جنگل میں کسی درخت کی جڑ کو مضبوطی سے پکڑ کر وہاں ٹھہر جاؤ یعنی صحرا کی سکونت اختیار کر لو اور مرتے دم تک وہیں رہو)۔

اور مسلم شریف کی روایت میں اس طرح سے ہے کہ میرے بعد کچھ ایسے رہنما ہوں گے جو میری رہنمائی سے راہ نہیں پائیں گے اور نہ ہی میری سنت کو اپنائیں گے "وَسَيَقُومُ فِيهِم رِجَالٌ قُلُوبُهُمْ قُلُوبُ الشَّيَاطِينِ فِي جُثْمَانِ إِنْسٍ، قَالَ: قُلْتُ: كَيفَ أَصْنَعُ يَا رَسولَ اللهِ! إِنْ أَدْرَكْتُ ذلكَ؟ قَالَ: تَسْمَعُ وَتُطِيعُ لِلأَمِيرِ، وإِنْ ضَرَبَ ظَهْرَكَ، وَأَخَذَ مالَكَ، فاسْمَعْ وَأَطِعْ. (صحیح مسلم:۱۸۴۷)

"اور ان میں کچھ ایسے آدمی کھڑے ہونگے جو انسانوں کے جسموں میں شیاطین کے دل والے ہوں گے،" حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: کہ اگر میں ان لوگوں کو پاؤں تو میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: امیر کی بات سنو اور مانو! اگرچہ وہ تمہاری پشت پر کوڑے لگائیں اور تمہارا مال لے جائیں تو بھی تم ان کی بات سنو اور مانو۔

(یعنی ناحق تمہارے اوپر ایسا ظلم کریں جس کا تعلق تمہاری ذات سے ہو تو تم ان کے خلاف خروج و بغاوت نہ کرنا اور فتنہ و فساد برپا نہ کرنا بلکہ دین و ملت پر قائم رہ کر صبر کرنا اور کسی گناہ اور خلافِ شرع چیز کا ارتکاب نہ کرنا تا کہ فتنہ و فساد مزید نہ بھڑکے)۔

دجّال سے بھی زیادہ خطرناک لیڈران

مسند احمد کی روایت ہے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "غیرُ الدّجّالِ أخوفُ علی أُمّتی من الدّجّال ۔ الائِمّةُ المضِلُّونَ." (مسند أحمد: ۲۱۲۹۷/) کہ "مجھے اپنی امت پر دجالِ (اکبر) سے بڑھ کر دوسرے دجال یعنی گمراہ لیڈروں اور پیشواؤں کا خطرہ ہے۔

اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔۔ "وَإِنَّمَا أَخَافُ عَلىٰ أُمَّتِي ! اَلْأَئِمَّةَ الْمُضِلِّين." (سنن أبي داود ۴۲۵۲) کہ "مجھے اپنی امت کے متعلق گمراہ کرنے والے لیڈروں اور پیشواؤں کا خطرہ ہے۔" (یعنی اہلِ بدعت کے پیشوا اور سرگروہ جو دین کے نام پر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔)

اور ابوداود شریف کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وإنَّه سيَخرُجُ في أُمَّتي أقوامٌ تَجَارىٰ بِهِمُ تِلْكَ الأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارىٰ الكَلَبُ۔۔۔ لا يَبْقىٰ مِنْه عِرقٌ وَلَا مَفصِلٌ إلّا دَخَلَه." (سنن أبي داود / ۴۵۹۷) کہ "آئندہ میری امت میں ایسے بہت سے لوگ پیدا ہوں گے جن میں خواہشات یعنی گمراہ خیالات اس طرح رچے بسے ہوں گے جس طرح باؤلے کتے کے جسم میں ہڑک سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے کہ کوئی رگ یا جوڑ اس کا ایسا باقی نہیں رہتا جس میں ہڑک کا اثر نہ ہو۔

ہڑک: پاگل کتا کاٹنے کی وجہ سے جو بیماری پیدا ہوتی ہے اسے ہڑک کہتے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف اس زمانے میں صادق ہوتی نظر آرہی ہے کہ ہر طرف گمراہ جماعتوں کا جال پھیلا ہوا ہے لوگوں کو گمراہ

کرنے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کی جاتی ہیں اور سبز باغ دکھائے جاتے ہیں۔

پس دانش مند اور نیک بخت وہی ہے جو ان کے دامِ فریب اور دھوکے میں نہ آئے اور حضور ﷺ کے طریقے پر گامزن وثابت قدم رہے۔

امراء و بادشاہوں کی نزدیکی باعثِ فتنہ

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا" کہ جو جنگل میں جا بسا وہ سخت مزاج ہوا۔

کیوں کہ ایسا شخص نہ جمعہ و جماعت میں آئے گا، نہ علماء و صُلَحاء کی مجلسوں میں شریک ہو گا، پس اس کی طبیعت میں وحشی اور جنگلی پن پیدا ہو جائے گا اور وہ اچھے اخلاق سے دور ہو جائے گا۔

"وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ" اور جو شکار کے پیچھے پڑا وہ غافل ہوا، یعنی جس کو شکار کی دُھن اور لت لگ گئی وہ کسی کام کاج کا نہ رہا، وہ ہر وقت بندوق، غلیل، بنسی، اور ڈور اٹھائے اٹھائے پھرے گا اور ضروری کاموں سے بھی بے فکر ہو جائے گا۔

"وَمَنْ أَتَى السُّلْطَانَ افْتُتِنَ" (سنن ابی داؤد / ۲۸۲۹) اور جو بادشاہ کے دروازے پر گیا وہ فتنوں میں مبتلا ہوا، کیونکہ اگر وہ بادشاہ کی ہمنوائی کرے گا اور اس کی ہاں میں ہاں ملائے گا تو اپنا دین خراب کرے گا اور نہیں کرے گا تو اپنی دنیا برباد کرے گا۔

اس لیے بادشاہوں سے دور ہی دور سے صاحب سلامت رکھنے میں عافیت اور سلامتی ہے۔

ترجیح دینا بھی سببِ فتنہ ہے

ترجیح دینا یعنی کسی کو کسی سے مقدم کرنا

مثلاً عہدہ اور منصب یا عمومی حقوق میں اُمَراء و حُکّام کا دوسروں کو نظر انداز کرکے خود اپنی ذات کو یا اپنے اَعِزاء و اقارب اور ہمنواؤں کو آگے رکھنا

یہ بات بھی بسا اوقات فتنہ کا سبب بن جاتی ہے، اگر نا اہل کو ترجیح دی جائے تب تو بہت بڑا فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے إذا أُسْنِدَ الأَمْرُ إلى غيرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السّاعَةَ (بخاری شریف /٦٤٩٦) کہ جب کوئی ذمہ داری کسی نا اہل کے سپرد کی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ یعنی پھر اتنے فتنے رونما ہوں گے کہ معاملہ قابو سے باہر ہو جائے گا۔

اور اگر اہل کو ترجیح دی جائے تب بھی بعض مرتبہ ترجیح واضح نہیں ہوتی اس لئے کچھ لوگوں کے لئے ترجیح باعثِ شکایت و بدگمانی بن جاتی ہے، ایسی صورت میں ضروری ہے کہ جس کو ترجیح دی جائے اس کے ترجیح کی وجہ بھی لوگوں کے سامنے واضح کر دی جائے تاکہ لوگوں کے لئے شکایت و بدگمانی کا موقع باقی نہ رہے۔

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "أَنَّ رَجُلًا منَ الأنصارِ قالَ: يا رسولَ اللهِ، اِسْتَعْمَلْتَ فُلَانًا وَلَمْ تَسْتَعْمِلْنِي" کہ ایک انصاری صحابی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ نے فلاں شخص کو حکومت کا کام سونپ دیا اور مجھے نہیں سونپا (حالانکہ وہ مجھ سے زیادہ اہل نہیں تھے یعنی آپ نے ان کو مجھ پر ترجیح دی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عہدہ مانگتا ہے میں اس کو عہدہ نہیں دیا کرتا، تم نے چونکہ یہ کام مانگا تھا اس لیے میں نے تمہیں کام نہیں دیا، میں نے ان کو تم پر ترجیح نہیں دی) اور فرمایا إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعدي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حتّىٰ تَلْقَوْنِي

عَلَى الْحَوْضِ (ترمذی / ۲۱۸۹) کہ یقیناً تم لوگ بہت جلد میرے بعد ترجیح دیکھو گے اس وقت تم صبر کرنا یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر مجھ سے آملنا۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ستَرونَ بَعدي أثرةً وأمورًا تُنكِرونَها قال: فما تَأْمُرُنا قالَ: أدُّوا إليهِم حقَّهُم واسألُوا اللهَ الَّذِي لَكُم "(ترمذی شریف ۲۱۹۰)

عنقریب میرے بعد تم ترجیح دیکھو گے (یعنی لوگ عمومی چیزوں اور عہدوں ومنصبوں میں خود اپنی ذات کو یا اپنے اعزاء و ہمنواؤں کو مقدم رکھیں گے) اور ایسی باتیں دیکھو گے جن کو تم ناگوار ونا پسند سمجھو گے، صحابہ نے عرض کیا پھر ایسے وقت میں ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا امراء وحکام کو ان کا حق ادا کرو اور اپنا حق اللہ سے مانگو۔یعنی ترجیح کے وقت صبر کرنا فتنہ پیدا نہ کرنا۔

جُنَادَہ بن ابی امیہ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس گئے وہ بیمار تھے، ہم لوگوں نے کہا اللہ آپ کو صحت عطا فرمائے آپ کوئی حدیث بیان کریں جو آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو تاکہ اللہ آپ کو اس کا نفع پہنچائے، انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو بلایا اور ہم نے آپ کی بیعت کی آپ نے جن باتوں کی ہم سے بیعت لی وہ یہ تھیں، کہ ہم بیعت کرتے ہیں اس بات پر کہ ہم اپنی خوشی اور اپنے غم میں اور تنگدستی اور خوشحالی اور اپنے اوپر ترجیح دیئے جانے کی صورت میں سنیں گے اور اطاعت کریں گے اور حکومت کے لئے حاکموں سے نزاع نہیں کریں گے لیکن اعلانیہ کفر پر، جس پر اللہ کی طرف سے دلیل ہو۔(بخاری شریف ۷۰۵۶)یعنی اگر حکام کھلم کھلا کفر کا ارتکاب کریں تو ہم ان کو اقتدار سے ہٹانے کے لیے ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔

عہدہ طلبی کا فتنہ

عہدہ طلبی بھی ایک عظیم فتنہ ہے، اور اس زمانے میں یہ ایسا فتنہ بن چکا ہے جس نے ہمارا خرمن و کھلیان جلا کر راکھ کر دیا ہے، یہ ایک ایسی بیماری ہے جو مثل جُوعُ البَقَرْ ہے (کھاتے جاؤ اور پیٹ نہ بھرے) کہ آدمی ایک عہدہ پر قناعت نہیں کرتا بلکہ وہ سارے عہدوں کو اپنی جیب میں رکھنا چاہتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے سے لیکر پورے خیرُ القُرون کے زمانے تک لوگ دینی و دنیاوی ہر قسم کے عہدوں و منصبوں کو قبول کرنے سے کتراتے اور بھاگتے تھے۔ جب کوئی عہدہ اور منصب کی بات آتی تو لوگ دوسرے کو خود سے زیادہ قابل اور اہل سمجھتے تھے، لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا اور نبی کریمؐ کے زمانے سے دوری ہوتی رہی لوگوں کے اندر بھی تبدیلی آنے لگی اور عہدہ و کرسی حاصل کرنے کیلئے پَیرُوِی اور سفارش کرائی جانے لگی۔ سیادت و قیادت، اِمَارَت و حکومت، عہدہ و منصب، اور سلطانی و بادشاہی کیلئے آپس میں خونریزی ہونے لگی۔ ہماری تاریخ کا ایک حصہ ان خونی جنگوں سے بھی داغدار ہے جو مسلمانوں نے آپس میں لڑی ہیں۔ آج پورا عالَمِ اسلام کسی نہ کسی شکل میں اقتدار اور عہدہ و کرسی کے حصول یا اس کو بچانے کی خاطر ہر جگہ خانہ جنگی کی کیفیت میں مبتلا ہے۔

اب تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے جیسا کہ چھوٹے بڑے الیکشنوں کے موقع پر اس کا بکثرت مشاہدہ ہے، کہ علامتی اور معمولی عہدوں کیلئے بھی لوگ آپس میں لڑ بھڑتے ہیں، جائز و ناجائز کی پرواہ کیے بغیر ہر طرح کے حربے و ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں، ایک دوسرے کی توہین و تذلیل اور نیچا دکھانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے، گالم گلوج حتیٰ کہ قتل و خونریزی جیسی واردات سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔

لوگ حصولِ منصب اوراقتدار کی خاطر اپنے چیلوں اور چاپڑوں سے جھوٹی موٹی تعریفیں کرواتے ہیں، اپنے فضائل و مناقب کے لمبے چوڑے بینر اور اشتہارات لگواتے ہیں، اور خود کو سب سے زیادہ مستحق سمجھتے ہیں چاہے وہ اسکے اہل ہوں یا نہ ہوں۔

واقعہ

ایک واقعہ سے ہم موجودہ زمانے کے مِلّی اور قومی اداروں کی قیادت وسیادت کے حصول کی چاہت وطلب رکھنے والوں کو سمجھ سکتے ہیں۔

ایک بس اسٹینڈ پر ایک بس لگی مسافر اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک خاتون آئی اور بس میں داخل ہونے کے بعد اس نے چاروں طرف دیکھا تمام سیٹیں پر ہوگئی تھیں، صرف ڈرائیور والی ایک سیٹ خالی تھی وہ خاتون اسی خالی سیٹ پر بیٹھ گئی، جب ڈرائیور آیا اس نے اپنی سیٹ پر خاتون کو دیکھا اس نے پوچھا کہ یہاں کیوں بیٹھ گئی؟ خاتون نے جواب دیا سبھی سیٹیں فل تھیں یہی ایک سیٹ خالی تھی تو میں بیٹھ گئی، ڈرائیور نے کہا کہ یہ سیٹ ڈرائیور کی ہوتی ہے، آپ اٹھ جائیے اور پیچھے جاکر کہیں پر جگہ دیکھئے، خاتون نے جواب دیا کہ میں یہ سیٹ نہیں چھوڑونگی، ڈرائیور نے کہا کہ میں گاڑی کہاں بیٹھ کر چلاؤں گا؟ اس خاتون نے جواب دیا جا کہیں سے بیٹھ کر چلالے، یہ واقعہ حقیقت میں پیش آیا ہو یا نہیں لیکن آج قوم کا حال اس خاتون کی طرح ہے کہ آدمی اہل ہو یا نہ ہو لیکن عہدہ اور کرسی سب کو چاہیے وہ خاتون اس سیٹ کی اہل نہ تھی لیکن وہ اپنے کو مستحق سمجھ کر ڈرائیور والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

معلوم ہونا چاہئے کہ امانت میں خیانت کرنا اور نااہلوں کو امارت سپرد کرنا فساد فی الارض کا سبب ہے اور اس سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهۡلِهَا ۙ وَ اِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمۡ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا (سورہ نساء:۵۸)

(ترجمہ) بے شک اللہ تم کو حکم دیتے ہیں کہ امانتیں امانت والوں کے حوالہ کردو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو۔ بے شک اللہ تم کو بڑی ہی اچھی بات کی نصیحت کرتے ہیں۔ یقیناً اللہ خوب سننے اور خوب دیکھنے والے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡخَآئِنِیۡنَ (الانفال:۵۸) کہ اللہ تعالی خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَخُوۡنُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ وَ تَخُوۡنُوۡۤا اَمٰنٰتِکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ (الانفال:۲۷)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور نہ تم جانتے بوجھتے اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔

وَ الَّذِیۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَ عَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ هُمۡ بِشَهٰدٰتِهِمۡ قَآئِمُوۡنَ ۪ۙ وَ الَّذِیۡنَ هُمۡ عَلٰی صَلَاتِهِمۡ یُحَافِظُوۡنَ اُولٰٓئِکَ فِیۡ جَنّٰتٍ مُّکۡرَمُوۡنَ ۝ (سورۃ معارج)

اور وہ لوگ کہ جو اپنی امانتوں کا اور اپنے وعدوں کا خیال رکھتے ہیں اور جو ٹھیک ٹھیک گواہی دیتے ہیں، نیز اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں، یہی لوگ عزت واکرام کے ساتھ بہشت کے باغوں میں رہیں گے۔ مذکورہ بالا آیات ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں کہ ہمیں امانت اسکے اہل کے سپرد کرنا چاہیے، چاہے وہ امانت، اموال کے قبیل سے ہو یا عہدے اور مناصب کے قبیل سے۔ نیز

ہر کسی کو عہدہ اور منصب کا مطالبہ از خود کرنے یا اپنے چیلوں چمچوں، مریدوں اور متوسلین کے ذریعے اپنے حق میں تحریک و مہم چلانے سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک جگہ کی امارت کی درخواست کی تو آپ نے اپنا دست مبارک ان کے مونڈھے پر مار کر فرمایا: يا أَبا ذَرٍّ، إنَّكَ ضَعِيفٌ، وإنَّها أَمانَةٌ، وإنَّها يَومَ القِيامَةِ خِزْيٌ وَنَدامَةٌ، إلّا مَن أَخَذَها بحَقِّها، وَأَدّى الذي عليه فِيها (صحیح مسلم / ۱۸۲۵)

اے ابوذر تم کمزور ہو اور بلاشبہ یہ امارت امانت ہے اور یہ قیامت کے دن کی رسوائی اور شرمندگی ہے، سوائے اس شخص کے جس نے اس کے حقوق پورے کئے اور جو ذمہ داری اس پر عائد ہوئی اس کو خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کیا۔

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا: ما مِن عَبْدٍ اسْتَرْعاهُ اللهُ رَعِيَّةً، فَلَمْ يَحُطْها بنَصِيحَةٍ، إلّا لَمْ يَجِدْ رائِحَةَ الجَنَّةِ (صحیح بخاری / ۷۱۵۰)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو کسی رعیت کا حاکم بناتا ہے اور وہ اس کی خیر خواہی و بھلائی کے ساتھ حفاظت نہیں کرتا تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔
ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَلْمُسْتَشارُ مُؤْتَمَنٌ (سنن ابی داؤد / ۵۱۲۸) کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہے۔ یعنی اس کو خیانت اور جانب داری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ جو حق اور درست سمجھے وہی مشورہ دے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد نبوی ہے إذا ضُيِّعَتِ الأمانَةُ فانْتَظِرِ السّاعَةَ قالَ: كيفَ إضاعَتُها يا رَسولَ اللهِ؟ قالَ: إذا أُسْنِدَ الأمْرُ إلى غيرِ أهْلِهِ فانْتَظِرِ السّاعَةَ (بخاری شریف / ۶۴۹۶) کہ جب امانت ضائع کی جائے تو

قیامت کا انتظار کرو، پوچھا گیا یا رسول اللہ امانت کس طرح ضائع کی جائے گی، تو آپؐ نے فرمایا جب کام نااہل لوگوں کے سپرد کئے جائیں۔

مذکورہ بالا احادیث سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مؤمن و مسلمان اپنے انفرادی اور اجتماعی امور نااہلوں کے سپرد نہیں کر سکتا۔

اس سلسلے میں مزید عرض یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی سنت اور آپکے قول و عمل سے یہ بات ثابت ہے کہ عہدہ طلب کرنے والے کو عہدہ بالکل نہیں دیا جانا چاہئے۔ چنانچہ صحیح ابن حبان کی ایک حدیث ہے کہ حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر کسی عہدہ کی تقسیم کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم میں اس کام پر ایسے شخص کو نگراں مقرر نہیں کروں گا جو یہ عہدہ مانگتا ہو اور نہ ہی کسی ایسے شخص کو مقرر کرونگا جو اس کی لالچ رکھتا ہو۔ (صحیح ابن حبان کتاب السیر)

اسی طرح صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ عبد الرحمن بن سمرہؓ کو نبی کریمؐ نے امارت طلب کرنے سے صاف لفظوں میں منع فرما دیا تھا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا یا عبدَ الرَّحمنِ بنَ سمُرةَ. لا تَسْأَلِ الإمارَةَ. فإنَّكَ إنْ أُعْطِيتَها مِن غيرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عليها، وإنْ أُعْطِيتَها عن مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إلَيْها (صحیح بخاری:٦٧٢٢) کہ اے عبد الرحمن بن سمرہ امارت نہ مانگو کیوں کہ اگر تمھیں مانگنے کیوجہ سے امارت دی گئی تو تم اس کے حوالے کر دیئے جاؤ گے یعنی تمہاری مدد نہ کی جائے گی اور اگر بغیر مانگے تمھیں امارت ملی تو امارت کے کاموں پر (اللہ کی طرف سے) تمہاری مدد کی جائے گی۔

عہدہ طلب کرنا کب جائز ہے؟

کبھی کبھی عہدہ طلب کرنا بھی جائز ہوتا ہے:

حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے بادشاہ سے عہدے کا مطالبہ کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ (یوسف / ۵۵) کہ مجھے زمین کے خزانے کا حاکم بنادیں بلاشبہ میں ان خزانوں کی حفاظت کرنے والا اور اسکے صحیح مصارف یعنی اس کے خرچ کرنے کی صحیح جگہوں کا جانکار ہوں۔

اس آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عہدے کی طلب کبھی جائز بھی ہوتی ہے۔

عہدہ طلب کرنے کے سلسلے میں فقہانے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جب انسان یہ محسوس کرے جو حضرت یوسف علیہ السلام نے محسوس کیا تھا کہ اس عہدے کے فرائض اور ذمہ داریوں کو امانت و دیانت کے ساتھ صحیح طور سے انجام دینے والا کوئی دوسرا شخص موجود نہیں ہے اور اس کو خود اپنے آپ پر یہ یقین ہو کہ وہ اس ذمہ داری کو حسن وخوبی کے ساتھ انجام دے سکے گا اور اس کی نیت خالص اللہ ہی کیلئے ہو اور اسکا مقصود خدمتِ خلق ہو تو اس شخص کو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح عہدہ طلب کرنے کی اجازت ہے،

تنبیہ : اب جبکہ طلبِ جاہ و منصب کا ذکر آہی گیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت بھی تحریر کر دی جائے کیونکہ آج اس جمہوری نظام کے تحت (جو ایک یورپی و مغربی چیز ہے جسے اسلامی شورائی واِمَارَتی نظام کے مقابلے میں لوگوں پر تھوپا گیا ہے) الیکشن اورووٹ کے ذریعے عہدوں اور منصبوں کی تقسیم اور اس کا تقرر ہوتا ہے جس میں ووٹ لینے اور دینے والے دونوں کی طرف سے کچھ ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جن کا شرعی حکم جاننا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

ووٹ کی شرعی حیثیت

عام طور پر لوگ ووٹ دینے کو ایک ایسا معاملہ سمجھتے ہیں جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں جس کی وجہ سے وہ کسی احساس ذمہ داری سے بے خبر اس کو استعمال کرتے ہیں۔ بلکہ اکثر اوقات ایسے شخص کے حق میں ووٹ کا استعمال کرتے ہیں جو فکر آخرت سے بے خبر ہوتا ہے جس کے اثرات اس دنیا میں بھی سب کو بھگتنے پڑتے ہیں اور آخرت میں بھی اس کی وجہ سے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت واضح کر دی جائے تاکہ ہر ووٹ دینے والا اس کی اہمیت کو سمجھے اور سوچ سمجھ کر اپنے ووٹ کو استعمال کرے۔

شرعی اعتبار سے ووٹ کی تین حیثیتیں ہیں۔

ووٹ کی ایک حیثیت شہادت، یعنی گواہی کی ہے۔ جس شخص کے حق میں انسان ووٹ ڈالتا ہے تو وہ در حقیقت اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ وہ امیدوار دیانت و امانت کے ساتھ اس کام کی قابلیت رکھتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس بات کو جانتے ہوئے کہ وہ امیدوار ان اوصاف کا حامل نہیں ہے اور پھر بھی اس کے حق میں اپنا ووٹ استعمال کرتا ہے تو وہ جھوٹی گواہی کا مرتکب ہوا جو گناہ کبیرہ ہے جس کی آخرت میں جوابدہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

ووٹ کی دوسری حیثیت سفارش کی ہے، یعنی ووٹ دینے والا امیدوار کے حق میں سفارش کرتا ہے کہ اس کی رائے میں یہ امیدوار اس منصب کا اہل ہے۔ اگر سفارش بجا اور ٹھیک ہوئی تو ایسی سفارش کرنے والے کو بھی اجر ملے گا اور اگر یہ ناجائز ہوئی ہے تو اس کا گناہ سفارش کرنے والے کو بھی ملتا ہے، اس پہلو سے بھی ووٹ دینے والے کو یہ جان لینا چاہیے کہ اگر اس کا ووٹ کسی نااہل اور بد دین کو پڑ

گیا تو اس کے ذریعے ہونے والی تمام تر برائیوں میں وہ بھی اس کا شریک سمجھا جائے گا جس کا وہ آخرت میں جواب دہ ہو گا۔

ووٹ کی تیسری حیثیت کسی کو اپنا وکیل بنانے کی ہے۔ یعنی ووٹ دینے والا امیدوار کو اپنا نمائندہ اور وکیل بناتا ہے، لیکن اس وکالت کا اثر صرف اس کی ذات تک محدود نہیں ہوتا بلکہ معاشرے کے تمام افراد تک اس کا نفع اور نقصان پہنچتا ہے اس لحاظ سے بھی ووٹ دینے والے کو اپنا وکیل مقرر کرتے ہوئے دیکھ بھال لینا چاہیے کہ وہ وکیل بننے کی تمام تر اہلیت رکھتا ہے یا نہیں جس کو ووٹ کے ذریعہ یہ منصب سونپ رہا ہے، بصورت دیگر اس نااہل کی تمام بداعمالیوں اور اس کے ذریعہ ہونے والے تمام دینی و دنیاوی نقصانات اور فتنہ وفساد میں وہ بھی اس کا شریک ہو گا۔

ووٹ کا صحیح استعمال آپ کے حق میں اجر و ثواب کا ذریعہ ہے اور اس کا غلط استعمال کرنے کی صورت میں آپ کے منتخب کردہ نااہل نمائندے کے تمام اعمال کے آپ برابر کے ذمہ دار ہیں اور وہ تمام لوگ جن کے حقوق اس نااہل نے ضائع کیے وہ بھی روز قیامت اللہ کے سامنے اس نااہل کو ووٹ دینے والے سے اپنے حقوق کے طلب گار ہوں گے، اور یہ ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں ہوں گے اس لیے اپنے ووٹ کا استعمال سوچ سمجھ کر کرنا ہر شخص کے لیے لازم ہے اس لیے کہ قیامت کے دن حقوق العباد کا معاملہ بہت سخت ہو گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اپنا ووٹ کسی غلط آدمی کو دینے سے پہلے یہ سوچ لیجیے کہ آپ ایک کبیرہ گناہ میں شریک ہو رہے ہیں جس کی جوابدہی آپ کو روز قیامت کرنی ہے۔ اسی طرح یہ بھی واضح ہو کہ ووٹ دینا ایک شرعی ذمہ داری ہے اور کسی اہل آدمی کو ووٹ دینے سے گریز کرنا شرعی جرم ہے اور نیک قابل امیدوار کو

ووٹ دینے کا فائدہ اس دنیا میں بھی آپ کو ملے گا اور آخرت میں بھی آپ کے لیے اجر کا باعث ہو گا۔

ضروری تنبیہ

اگر کوئی ووٹر یعنی ووٹ دینے والا اپنی دیانت کو سامنے رکھ کر کسی لیڈر کو ووٹ دیتا ہے اور اس نے اس لیڈر سے متعلق حتی الامکان پوری تحقیق بھی کی ہو اور اس سے متعلق مکمل اطمینان کے بعد ہی ووٹ دیا ہو، اب اگر وہ لیڈر نا اہل ثابت ہوتا ہے یا ظلم وستم اور ناانصافیاں کرتا ہے تو اس کا گناہ ایسے ووٹر پر نہیں ہو گا۔

سوال: اگر کوئی نیتا یا ایم ایل اے ووٹ کے لئے پیسہ دے تو وہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: پیسے دے کر ووٹ لینا رشوت ہے جس کا حرام وگناہ ہونا ظاہر ہے، نہ پیسے دینا جائز ہے اور نہ ہی لینے کی گنجائش ہے لہٰذا دینے لینے دونوں سے سخت اجتناب چاہئے۔

لعنَ رسولُ اللهِ ﷺ الرّاشيَ والمُرتشيَ (مسند احمد /۱۱۴۸) کہ رشوت دینے اور لینے والے پر اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت اور پھٹکار بھیجی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

دارالافتاء،

دارالعلوم دیوبند

سیاست کسے کہتے ہیں؟

سیاست کے لغوی معنی اصلاح و تدبیر کے ہیں، اور اصطلاحاً حکومت چلانا اور ایسا کام کرنا جس سے لوگ اصلاح کے قریب اور فساد سے دور ہوں، اجتماعی زندگی کا سلیقہ اور صحیح اخلاق کی ترویج و اشاعت ہو۔

علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سیاست و حکومت مخلوق کی نگہبانی اور ان کے مفاد کی کفالت اور ضمانت کا نام ہے جو اللہ کی نیابت ہے۔

مولانا ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سیاست نام ہے ملک کے اندر عدل وانصاف اور بہتر سے بہتر قانونِ معاملات قائم کرنے اور اسے نافذ کرنے اور پاکیزہ معاشرہ تشکیل دینے کا۔

سیاست کے اقسام

سیاست کی تین قسمیں ہیں:

(۱) سیاست نفسیہ، یعنی اپنی ذات سے متعلق اصلاح کی تدبیر۔

(۲) سیاست اہلیہ، یعنی بیوی بچے اعزاء واقارب کی اصلاح کے متعلق تدبیر۔

(۳) سیاست مُلکیہ، یعنی پورے علاقے اور پورے ملک کی اصلاح و فلاح کی تدبیر۔

سیاست دین سے جدا نہیں ہے

معلوم ہونا چاہیے کہ دائرۂ شریعت میں رہ کر اور بنا کسی معصیت و گناہ کے ارتکاب کے اپنی ذات، اپنے اہل خانہ یا اپنے ملک کی صلاح و فلاح، اور ان کے امن و سکون، سلامتی وترقی کے لئے تدبیر و کوشش کرنا حسبِ استطاعت ہر شخص پر ضروری ہے اور یہ اسلامی سیاست ہے، ایسی ہی سیاست میں اپنی ذات اور عوام الناس کی فلاح و بہبود اور ہمدردی مضمر ہے اور یہ سیاست نہ صرف اعلی

درجے کی عبادت ہے بلکہ دین کا ایک اہم شعبہ ہے، اسے دین سے جدا سمجھنا جہالت ونادانی ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء الراشدین کی پوری زندگی اسی میں صرف ہوئی ہے، اسلام میں سیاست اور دین کے اندر بڑا گہرا ربط و تعلق ہے دین کو سیاست سے اور سیاست کو دین سے علحدہ نہیں کیا جا سکتا، ہاں البتہ اگر سیاست سے دین کو علحدہ کر دیا جائے تو وہ اسلامی سیاست نہ رہجائے گی بلکہ وہ سیکولرزم، مروجہ اور مغربی سیاست بن جائے گی جس سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں،

کیوں کہ مروجہ اور مغربی سیاست کا مطلب ہوتا ہے سیاست کے نام پر حصولِ اقتدار کے لئے جائز اور ناجائز کی پرواہ کیے بغیر بالکل کھلی چھوٹ، کرسئ اقتدار پر قبضہ وتسلط کے لئے جھوٹ، فریب، دغابازی، تذلیل و تحقیر اور دشنام طرازی حتی کہ قتل وایذارسانی تک کی اجازت، بھلا ایسی پلید وناپاک سیاست سے دینِ اسلام کا تعلق کہاں ہو سکتا ہے،

اسلامی سیاست کے لیے ضروری ہے کہ اس میں کسی ناجائز وگناہ اور خلاف شرع کام کی بالکل آمیزش نہ ہو، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے خوب فرمایا ہے

جمالِ پادشاہی ہو یا کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

تنبیہ

موجودہ دور کی سیاست جسے ہم جمہوریت کہتے ہیں چوں کہ دین سے عاری وخالی ہوتی ہے، بے شمار مفاسد اور خلافِ شرع باتوں پر مشتمل ہے، جھوٹ فریب بددیانتی اور غنڈہ گردی جیسی خراب باتیں اس میں شامل ہو چکی ہیں، نا اہل وبددین لوگوں نے اس پر قبضہ و تسلط جما کر اسے گندہ کر دیا ہے، اس لئے علماء، صلحاء، شرفاء اور اچھے لوگ اس سے کنارہ کش اور دور ہیں اور اسی لئے ظلم وستم

بد دیانتی وبد عنوانی، بے حیائی وبرائی وغیرہ ختم نہیں ہورہی ہیں اوراس کی جگہ عدل وانصاف، امن سکون اوراچھاوپاکیزہ معاشرہ قائم نہیں ہوپارہاہے،

آج اس بات کی شدید حاجت وضرورت ہے کہ مروجہ سیاست و حکومت میں تبدیلی لائی جائے، اس کی اصلاح کی جائے اوراس میں صداقت امانت دیانت اورشفافیت لائی جائے اور یہ چیز تبھی ممکن ہو سکتی ہے جب علماء، صلحاء، شرفاء، لائق وفائق اوراچھے لوگ آگے آئیں اوربرے، نالائق ونااہل لوگ پیچھے جائیں، اس عظیم کام کے لئے جو بھی جائز اور مفید صورت ممکن ہو اختیار کی جانی چاہیے ورنہ ظلم وستم، بدامنی وبے چینی، برائی وبے حیائی وغیرہ کا خاتمہ کبھی نہیں ہوسکتا بلکہ دن بدن اس میں مزید اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا۔

وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ (سورة العنکبوت:٦٩)

اگر ہمت کرے انسان تو پھر کیا نہیں بس میں
یہ ہے کم ہمتی جو بے بسی معلوم ہوتی ہے
جب حوصلے جوان ہوں کامل ہو شوق بھی
وہ کام کونسا ہے جو انساں نہ کرسکے

کیا قرآن کریم میں سیاست کا ذکر ہے؟

جواب: قرآن کریم میں تو لفظِ سیاست کا ذکر نہیں آیا ہے لیکن ایسی بہت سی آیتیں موجود ہیں جو سیاست کے مفہوم کو واضح کرتی ہیں مثلاً عدل وانصاف، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، مظلوموں کے ساتھ اظہار ہمدردی و تعاون، ظالم وظلم سے نفرت، جنگ و صلح کے قوانین، حدود و قصاص کے احکام، تعزیراتی قوانین وغیرہ اور ظاہر سی بات ہے یہ ساری چیزیں حکومت وسیاست کے

بغیر کیسے انجام پا سکتی ہیں اور اس کے علاوہ انبیاء اولیاء کا اندازِ سیاست، سید الانبیاء والمرسلین آنحضور اقدس ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین کی سیرت وغزوات کا تذکرہ سیاست ہی تو ہے۔

حکومت کی چند ذمہ داریاں

- رعایا و شہریوں کی جان مال اور ان کی عزت وآبرو کی حفاظت کو یقینی بنانا اور ان کو راحت و آرام پہنچانے اور ملک کو ترقی دینے کی فکر کرنا۔
- ملک کو بیرونی دشمنوں کے حملوں سے بچانے کے لیے طاقت و قوت حاصل کرنا اور اندرونی لڑائی و جھگڑے اور فتنے وفساد کو ختم کرنا۔
- ظلم وجبر کی جگہ عدل وانصاف قائم کرنا۔
- ملکی املاک، خزائن، وسائل اور آمدنی کی حفاظت کرنا اور اسے عوام کی فلاح و بہبود میں خرچ کرنا۔
- شہریوں کی فلاح وبہبود اور ان کی صحت و راحت اور حفاظت کے لئے بہتر سے بہتر قوانین بنانا اور اسے رائج کرنا۔
- رعایا کی اچھی تعلیم وتربیت کے لئے اچھا انتظام کرنا اور انھیں صاف ستھرا اور پاکیزہ ماحول ومعاشرہ فراہم کرنا وغیرہ۔۔

مروَّجہ جمہوریت وا لیکشن اسلام کی نظر میں

معلوم ہونا چاہیے کہ مُروَّجَہ وموجودہ جمہوریت یعنی الیکشن کے ذریعے عہدوں کے لیے انتخابات اور ووٹنگ کے ذریعے امراء وحُکَّام کا تقرر اور حکومت سازی یہ اسلامی طریقہ نہیں ہے یہ تو مغربی اور یورپی طریقہ ہے جو انگریزوں کی طرف سے جاری کیا گیا ہے اور اسے دنیا والوں پر تھوپا گیا ہے، جس میں فوائد سے زیادہ مفاسد پائے جاتے ہیں، اس غیر فطری جمہوری نظام میں تمام تر فیصلے کثرتِ

رائے سے انجام پاتے ہیں، اس میں سروں کو تولنے کے بجائے گنا جاتا ہے، اس میں مرد وعورت، بوڑھے جوان، جاہل عالم بلکہ عقلمند اور بیوقوف سب برابر سمجھے جاتے ہیں اور ایک ہی بھاؤ تولے جاتے ہیں، ہر کس وناکس کو رائے دینے کا حق حاصل ہوتا ہے جبکہ تمام عقلاء کا مُسَلَّمہ اصول ہے کہ کسی معاملے میں صرف اس کے ماہرین سے رائے طلب کی جانی چاہئے، الیکشن میں جس امیدوار کی جھولی میں ووٹ زیادہ پڑ جائیں وہ کامیاب قرار پاتا ہے چاہے کتنا بڑا نااہل کیوں نہ ہو اور دوسرا سراسر ناکام چاہے وہ کتنا قابل اور لائق کیوں نہ ہو، مثلاً کسی آبادی کے پچاس / ۵۰ علماء، عقلاء، شرفاء اور دانشوروں نے بالاتفاق کسی لائق وفائق، دیندار، امانت دار شخص کو ووٹ دیئے مگر ان کے بالمقابل علاقے کے بھنگیوں چرسیوں اوباش فجار اور کم عقل وبے دین لوگوں نے اس کے مخالف بالکل نااہل وناکارہ کو ووٹ دیئے جن کی تعداد اکاون / ۵۱ ہوگئی تو یہ امیدوار کامیاب اور پورے علاقے کے سیاہ وسفید کا مالک بن جائے گا،

جمہوریت وہ طرزِ حکومت جہاں میں ہے
رایوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

مروجہ الیکشن، ووٹنگ اور کثرت رائے کے ذریعہ امراء وحکام کا تقرر اور حکومت سازی درحقیقت کم عقلوں اور بے وقوفوں کے ذریعہ حکومت بنانا اور تقرر کرنا ہے، کیوں کہ عقلمندوں کے مقابلہ میں کم عقلوں اور نادانوں کی ہمیشہ کثرت رہی ہے اور قرآن کہتا ہے وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الأنعام / ۱۱۶) اگر تم زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کے پیچھے چلو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کرڈالیں گے۔

نیز اس مغربی جمہوری نظام میں بے شمار ایسے مفاسد ہیں جو کسی ذی شعور

و عقلمند پر مخفی و پوشیدہ نہیں۔

مثلاً حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کی شکل میں متعدد گروہوں کا لازمی طور پر موجود رہنا، ہر انتخابی میدان میں عہدہ و منصب کی طمع ولالچ رکھنے والی متعدد یا کم از کم دو جماعتوں یا دو امیدواروں کا ضروری طور پر پایا جانا،

پھر ان میں آپسی رسہ کشی، ایک دوسرے کی کردار کشی اور رقابت و مخالفت وغیرہ کا پایا جانا، جبکہ قرآن کا حکم ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (ال عمران /۱۰۳) اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں گروہ و فرقہ بندی نہ کرو۔ اوراسلام عہدہ و منصب کی خواہش و طلب رکھنے والے کو عہدہ اور منصب دینے کا بھی سخت مخالف ہے،

الیکشن کے موقعہ پر ہر پارٹی اور ہر امیدوار کا ووٹ لینے اوراپنی جیت حاصل کرنے کے واسطے ہر جائز وناجائز حربے وہتھکنڈے کا بے دریغ استعمال کرنا، رائے عامہ ہموار اور اسے متاثر کرنے کے لئے جھوٹے وعدے کرنااور لوگوں کو سبز باغ دکھانااور غلط سلط پروپیگنڈہ کرنا وغیرہ

اورپورے زمانۂ الیکشن میں ملک پر خوف ہراس کے بادل کا چھایا رہنا، جھوٹ، فریب، دغابازی، غیبت، چغل خوری، بے حیائی، بد دیانتی اور ضمیر فروشی وغیرہ کے بازار کا گرم رہنا، اور پھر الیکشن ختم ہونے کے بعد حکومت سازی کے واسطے جیتے ہوئے امیدواروں کی جوڑ وتوڑ، خرید و فروخت، اوران کی خوشامد وغیرہ۔

نیز الیکشن کے نام پر بار بار قومی وملکی خزانے سے ایک خطیر رقم کا بے دریغ خرچ ہو جانا وغیرہ جیسی باتیں اس مغربی جمہوریت کی دین اور اس کا خاصہ ولازمہ ہیں۔

جسم همه داغ داغ شد
پنبه کجا کجا نهم

اسلام میں ان سب باتوں کی اجازت کہاں ہو سکتی۔

خلاصۂ کلام: جمہوریت در حقیقت جہلاء وسفہاء اور کم عقلوں کی منتخب کردہ حکومت وامارت کا نام ہے جس میں سب سے زیادہ عمل دخل عوام کی کثرتِ رائے کا ہے، جس کی ساری توجہ کمّیت اور عوام کی کثرتِ تعداد پر مرکوز ہوتی ہے جس میں عوام کو حاکمِ اعلیٰ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے وہ اپنی کثرت آرا کے بل بوتے جو چاہیں کرلیں جسے چاہیں اقتدار کی کرسی پر چڑھائیں اور جسے چاہیں اتاریں اور جو بل چاہیں منظور کرالیں، سربراہِ مملکت خود مختار نہیں ہوتا، عوام کا محتاج، ان کا نمائندہ اور ان کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے،جمہوریت میں فوائد سے زیادہ مفاسد پائے جاتے ہیں اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا

جبکہ اسلام میں شورائی نظام ہے ارشاد باری تعالی ہے وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوری /۳۸)اور ان کے معاملات آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں۔اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے اِنَّمَا الشُّورىٰ لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (تاریخ دمشق لابن عساکر ص۱۲۸ج۵۹) کہ شوری کا اختیار انصار ومہاجرین کے لیے ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اسلام میں رائے دہی کا اختیار اور خلیفہ وامیر کے انتخاب کی ذمہ داری اہل حل وعقد پر عائد ہوتی ہے یعنی عوام کے بجائے اصحاب الرائے وصاحبِ بصیرت لوگ جو رموزِ مملکت اور امورِ حکومت کو سمجھنے والے ہوں وہ امیر وخلیفہ کا انتخاب کریں گے

شورائی نظام، جمہوریت میں پائے جانے والے تمام مفاسد وبرائیوں سے

پاک وصاف ہے۔

شورائی نظام میں حاکم اور امیر کا تقرر عوامُ الناس کی کثرتِ رائے یا وراثت واقربا پروری یعنی بیٹا یا بھائی وغیرہ ہونے کی وجہ سے یا زور وتَغَلُّب اور قوت وطاقت کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ قوم کے اَخَصُّ الخواص، چیدہ وچنندہ اہلُ الحَلِّ وَالعُقَد عُقَلاء، دیندار و سمجھ دار، ملکی حالات، سیاسیاتِ حاضرہ میں بصیرتِ تامہ رکھنے والے لوگ باہم مشورہ اور غور فکر کرکے کسی ایسے امیر وحاکم کا انتخاب وتقرر کرتے ہیں جو اعلیٰ ترین علمی، عملی اور اخلاقی اوصاف کا حامل ہو، جس میں حکومت وسلطنت سنبھالنے کی بھرپور صلاحیت ہو اور وہ بذاتِ خود عُہدہ وحکومت کا طالب اوراس کی طمع ولالچ نہ رکھتا ہو، جیسا کہ حضرت عمر فاروق نے اپنی وفات کے وقت چھ /۶ اہل الحل والعقد عظیم المرتبت صحابہ کرام کی شوریٰ وکمیٹی بنائی جنہوں نے اتفاقِ رائے سے ذوالنورین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسی عظیم شخصیت کو خلیفہ نامزد کیا۔

اسلام کے اس پاکیزہ شورائی نظام میں بوقتِ انتخاب کثرتِ رائے کے بجائے صحتِ رائے واصابتِ رائے کو ترجیح واہمیت دی جاتی ہے، انسانی سروں کو گننے کے بجائے انسانیت کا عنصر اوراس کی عقل وسمجھ کو تولا جاتا ہے، اور کسی ایک ایسے ذی صلاح، مدبر صاحب الرائے انسان کو حکومت وسلطنت کے لئے منتخب کیا جاتا ہے جس کی رائے وسمجھ لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کی رائے وسمجھ پر بھاری ہوسکتی ہے۔

اس شورائی نظام کے تحت قوم وملت کی سربراہی کے لیے جس شخصیت کا انتخاب عمل میں آتا ہے اسلامی اصطلاح میں اسے امیر المومنین یا خلیفۂ وقت کہا جاتا ہے، خلیفہ نائبِ رسول ہوتا ہے جس کی ذمہ داری اقامتِ دین ہے یعنی اللہ کی

زمین پر اللہ کے احکام کو نافذ کرنا، جبکہ جمہوریت نیابتِ عوام کا نام ہے جس کو نہ خدا اور سول سے واسطہ اور نہ دین و اقامتِ دین سے کوئی غرض اس کا کام تو عوام کے خواہشات کی تکمیل ہوتی ہے، خلیفہ بااختیار و خود مختار ہوتا ہے لیکن مُطلَقُ العنان ڈکٹیٹر یعنی بالکل آزاد نہیں ہوتا کہ جو چاہے کرے، کثرت رائے کا پابند اور قانون ساز نہیں ہوتا بلکہ وہ قرآن و سنت اور اجماعِ امت کا پابند ہوتا ہے، بحکمِ قرآن اہلِ حل و عقد صاحبُ الرائے لوگوں سے مشورہ لینے کا مامور ہوتا ہے لیکن ان کے مشورے یا کثرتِ رائے کے مطابق فیصلہ دینے اوراس پر عمل کرنے پر مجبور نہیں ہوتا، بلکہ قوتِ دلیل پر عمل کرنے کا پابند ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ ؕ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (ال عمران:۱۵۹). کہ (اہم) معاملات میں مشورہ لیتے رہو پھر جب تم رائے پختہ کر کے کسی بات کا عزم کرلو تو اللہ پر بھروسہ رکھو بیشک اللہ رب العزت بھروسہ رکھنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

وہ عُہدہ اور قومی خزانہ اپنے ذاتی فائدہ کے لئے نہیں بلکہ قومی ومِلّی فائدے کے لیے استعمال کرتا ہے، خلیفہ کو حکومت اور سلطنت مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس کے ذریعے اللہ کی رضا و خوشنودی مقصود و مطلوب ہوتی ہے، اس لیے وہ اپنا قدم دائرۂ شریعت سے باہر نہیں نکالتا۔

خلیفہ اگر چاہے تو اپنی صوابدید اوراہل حل و عقد اربابِ بست وکشاد سے مشورہ لینے کے بعد اپنی زندگی میں اپنے بعد کے لئے کسی کو خلیفہ نامزد کرسکتا ہے، بشرطیکہ جس کو نامزد کررہاہے اس میں خلافت کی پوری اہلیت وصلاحیت موجود ہو اور نامزد کرنے میں قوم و ملت کا فائدہ ہو جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لئے نامزد کیا اور

ان کی یہ نامزدگی کس قدر موزوں، مناسب تھی اور امت کے حق میں کس قدر مفید ثابت ہوئی الفاظ میں اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

خلیفہ اہل الرائے کے مشورے سے بحسبِ موقع و محل اور ضرورت اپنے رفقاء و معاونین اور کارکنان خود مقرر کرتا ہے،

اور اسلام کے جو امراء و حکام اور سلاطین ہیں ان پر بھی وہی سب ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جو خلیفۃ المسلمین پر۔

خلاصۂ کلام: حکومت کا سب سے بہترین اور سب سے فطری انتظام یہ ہیکہ سب سے لائق فائق شخص اور سب سے عقلمند ترین انسان کو کثرت اور عوام پر حکومت کرنی چاہیے، اور امام اور خلیفہ کے انتخاب کی ذمہ داری عوام کالانعام کے بجائے اَخَصُّ الْخَواص اُولُوا الْاَلْبَابِ کے حوالے ہونی چاہیے اور عوام کو حاکم و امیر کی بات ماننی چاہیے نہ کہ اپنی بات منوانی چاہیے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء/۵۹) اے ایمان والو! اللہ کی بات مانو اور رسول اور اپنے صاحبِ اقتدار حاکموں و امیروں کی بھی بات مانو۔

گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو
کہ در مغزِ دو صد خرُ فکرِ انسانے نمی آید

(کماھو مستفاد من احسن الفتاوی/ج٦)

علمائے سُوء کا فتنہ

عن علي بن أبي طالب: يوشَكُ أَن يأْتِيَ على النّاسِ زمانٌ لا يَبْقىٰ مِنَ الإسلامِ إلّا اسمُه ولا يَبْقىٰ من القرآنِ إلّا رسمُه مساجدُهُم عَامِرَةٌ وهِيَ خَرَابٌ مِنَ الهُدىٰ علماؤُهم أشرُّ مَن تحتَ أديمِ السَّماءِ مِنْ

عِنۡدِهِم تَخۡرُجُ الۡفِتۡنَةُ وَفِيۡهِم تَعُوۡدُ(شعب الایمان/۲۸۸)حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں کہ عنقریب ایک ایسازمانہ آئے گا جس میں اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کے صرف الفاظ باقی رہ جائیں گے، ان کی مسجدیں آباد ہوں گی(یعنی تعمیرات اور ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے) مگر رشد و ہدایت سے خالی اور ویران ہوں گی(یعنی نمازی اور خشوع و خضوع سے) ان کے(نام نہاد) علماء آسمان کی چھت کے نیچے بسنے والی تمام مخلوق سے بدتر ہوں گے، فتنہ انھیں سے پیدا گا اور انھیں میں لوٹے گا(یعنی وہی فتنہ کے بانی بھی ہوں گے اور وہی مرکز و محور بھی)

خیر کے بعد شر ہو گا اور دل پہلے جیسے نہ ہوں گے

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! "أيَكونُ بعدَ هذا الخَيرِ شَرٌّ، كَمَا كَانَ قبلَه شرٌّ؟ قال: نَعَم!" کیا اس خیر و بھلائی(یعنی اسلام، امن و عافیت وغیرہ کے بعد شر ہو گا جیسا کہ اس سے پہلے تھا یعنی کفر، فسق وفجور اور فتنہ و فساد؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں میں نے پوچھا: اس سے بچنے کی راہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: تلوار یعنی قتال بالسیف اور جہاد(اس کی مزید تشریح "دوزخ کی طرف بلانے والے داعی" عنوان کے تحت گزر چکی ہے۔)

میں نے عرض کیا: تلوار کے بعد کچھ بچے گا؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں "تكونُ إمارةٌ على أَقۡذاءٍ، وهُدۡنَةٌ على دَخَنٍ" ناپسندیدہ حکومت ہو گی اور تکدّر بھری صلح ہو گی۔

(یعنی امراء اور حُکّام پر لوگوں کا اجتماع واتفاق صرف ظاہری طور پر ہو گا دل میں ان کے متعلق کدورت اور خلش ہو گی وہ باطن کی صفائی کے ساتھ ان پر جمع

اور متفق نہ ہوں گے کیوں کہ ان کی امارت و حکومت خالص علی منہاج النبوۃ نہ ہو گی بلکہ کچھ بدعات اور ممنوعات کی ملاوٹ کے ساتھ ہو گی۔(مظاہر حق: ج ۶ ص ۲۰۴)

قلت: ثم ماذا؟ ! قال: "ثم تَنْشَأُ دُعَاةُ الضلالِ، "میں نے عرض کیا: پھر کیا ہو گا؟ فرمایا: "پھر گمراہی کی طرف بلانے والے لوگ پیدا ہوں گے۔" پس اگر اس وقت زمین میں اللہ تعالی کا کوئی خلیفہ ہو اور وہ تمہاری پشت پر کوڑے برسائے اور تمہارا مال لے لے تب بھی تم اس کی فرمانبرداری کرنا ورنہ اس طرح مر جانا کہ کسی درخت کی جڑ کو دانتوں میں پکڑنے والے ہو۔ (یعنی اگر دنیا میں مسلمانوں کا کوئی خلیفہ نہ رہے اور مسلسل فتنے پائے جا رہے ہوں تو تم اس حال میں زندگی گزار دو کہ شہر کی سکونت ترک کرکے جنگل میں کسی درخت کی جڑ کو مضبوطی سے پکڑ کر وہاں ٹھہر جاؤ یعنی بجائے فتنہ میں شرکت کرنے کے شہر کی سکونت ہی چھوڑ دو، عُزلت و گوشہ نشینی اختیار کرکے صحرا و بیابان کی سکونت اختیار کر لو اور مرتے دم تک وہیں رہو۔)

میں نے عرض کیا: پھر کیا ہو گا؟ ارشاد فرمایا: "ثم يَخْرُجُ الدَّجّالُ بَعْدَ ذٰلِكَ مَعَهُ نهرٌ ونَارٌ" پھر خروجِ دجال ہو گا جس کے ساتھ پانی اور آگ کی نہر ہو گی پس جو شخص اس کی آگ میں گرے گا اس کے گناہ صاف و ختم ہو جائیں گے اور جو اس کے پانی کی نہر میں جائے گا اس کے گناہ نکلے اور قائم ہو جائیں گے اور اس کا ثواب مٹ جائے گا، قال: ثم ماذا؟ ! قال: "ثم يُنْتَجُ المُهْرُ، فلا يُرْكَبُ حتّٰى تقومَ الساعةُ." (مشکوۃ / ۵۳۲۳) عرض کیا: پھر کیا ہو گا؟ ارشاد فرمایا: پھر گھوڑی بچہ جنے گی اور وہ بچہ ابھی سواری کے قابل نہ ہونے پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

اور ایک روایت میں اس طرح سے ہے: "هُدنةٌ على دَخَنٍ وجماعةٌ على أقذاءٍ قلتُ يا رسولَ اللهِ! اَلْهُدُنَةُ على الدَّخَنِ ما هِيَ قالَ لا ترجِعُ قلوبُ أقوامٍ على الذي كانت عليه." کہ لوگوں کی صلح تکدُّر اور اجتماع ناپسندیدگی پر ہوگا۔ عرض کیا: کہ تکدر کی حالت میں صلح کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا: قوموں کے دل اس بات پر متفق نہ ہوں گے جس پر پہلے جمع تھے۔

علماء فرماتے ہیں: شاید اس سے اس صلح اور تحکیم کے مسئلہ کی طرف اشارہ ہے جو حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان واقع ہوا۔

اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ اس سے حضرت حسن بن علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان واقع ہونے والی صلح و مصالحت مراد ہے۔

اورایک قول کے مطابق "دَخَنٌ" سے مراد خوارج کا گروہ ہے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کیا تھا، یہ خوارج کا گروہ وٹولہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح و مصالحت کرنے پر راضی نہ تھا اوراس صلح پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو یا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِين (اے مسلمانوں کو رسوا کرنے والے) کا طعنہ دیا کرتا تھا۔)

حضرت حذیفہ نے عرض کیا: اس شر وبرائی کے بعد خیر بھلائی ہوگی؟ ارشاد فرمایا: "اندھے بہرے فتنے ہوں گے، کچھ لوگ دوزخ کے دروازوں کی طرف بلانے والے ہوں گے، "فإن تَمُتْ يا حذيفةُ وأنتَ عاضٌّ على جَذْلٍ خيرٌ لَك من أن تتَّبِعَ أحدًا منهم." (سنن أبي داود / ۴۲۴۶) "اے حذیفہ! اگر تم اس حالت میں وفات پاؤ کہ تم کسی درخت کی جڑ دانت سے پکڑنے والے ہو تو یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تم ان میں سے کسی کی پیروی کرو۔

بعد والا زمانہ پہلے والے سے برا ہو گا

جوں جوں آنحضور ﷺ کے مبارک دور سے بُعد اور دوری بڑھتی جائے گی شر اور برائی بڑھتی جائے گی، اور ہر بعد والا زمانہ گزرے ہوئے زمانے سے بد سے بدتر ثابت ہو گا جیسا کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے: "لایزدادُ الأمرُ إلّا شدَّةً ولا الدُّنیا إلّا إدبارًا." (سنن ابن ماجہ / ۴۰۳۹) کہ معاملہ سخت سے سخت تر ہوتا جائے گا اور دنیا پسپائی و تنزلی ہی کی طرف بڑھتی جائے گی۔

اور حضرت زبیر بن عدی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر حجّاج بن یوسف کے ظلم وزیادتی کی شکایت کی تو اس پر انہوں نے ارشاد فرمایا کہ "اِصۡبِرُوا، فَإِنَّہ لَا یَأۡتِي عَلَیۡکُم زَمانٌ إلّا الذي بَعۡدَہٗ شَرٌّ منه، حتّی تَلۡقَوۡا رَبَّکُمۡ سَمِعۡتُهُ مِن نَبِیِّکُمۡ ﷺ." (صحیح البخاري:۷۰٦۸) کہ صبر کرو، کیونکہ تم پر جو زمانہ آیا ہے بعد والا اس سے بھی برا ہو گا یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جاملو اور میں نے یہ بات جناب رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے لَنۡ تَرَوا مِنَ الدُّنیا اِلَّا بَلَاءً وَفِتۡنَة وَلَن یَزۡدَادَ الاَمۡرُ اِلَّا شِدَّةً وَلَنۡ تَرَوا مِنَ الۡاَئِمَّةِ اِلَّا غِلۡظَةً وَلَنۡ تَرَوا اَمۡرًا یُهَوِّلُکُم اِلَّا حَقَّرَہ بعۡدَہ اَشَدّ مِنه (کتاب الفتن لنعیم بن حماد) کہ تم ہرگز دنیا سے مصیبت اور فتنے کے سوا اور کچھ نہ دیکھو گے، اور معاملہ سخت سے سخت تر ہی ہوتا جائے گا، اور تمھیں امراء وحُکّام یعنی اپنے لیڈروں کی طرف سے سختی ہی دیکھنے کو ملے گی، اور نہیں دیکھو گے کوئی ایسا معاملہ جو تم کو خوفزدہ کردے مگر اس کے بعد آنے والا معاملہ جو اس سے کہیں زیادہ سخت ہو گا وہ پہلے والے کو کمتر اور ہلکا کردے گا۔

ترقی کے لیے بدکاری کو لازم سمجھا جائے گا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "يَأْتِيَ عَلى الناسِ زَمَانٌ يُخيَّرُ فيه الرجلُ بينَ العجزِ والفُجُورِ فَمَنْ أَدْرَكَ ذلِكَ الزَّمَانَ فَلَيخْتَرْ العجزَ على الفُجُورِ." (مسند أحمد / ۷۷۴۴) کہ "لوگوں پر ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ جس میں انسان کے سامنے بے کاری اور بدکاری میں سے کوئی ایک ہی راستہ ہو گا، پس جو شخص وہ زمانہ پائے اس کو بدکاری کے مقابلہ میں بے کاری کو ترجیح دینی چاہیے۔

مسلمانوں کی آپسی خانہ جنگی کا فتنہ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ رب العزت نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا تو میں نے زمین کے مشرق اور مغرب کو دیکھا اور یقیناً میرے امت کی حکومت اور سلطنت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کی زمین میرے لئے سمیٹی گئی ہے اور مجھے سرخ اور سفید خزانے دیے گئے (یعنی سونا اور چاندی، مراد اس سے قیصر و کسریٰ کے خزانے اور ان کا ملک ہے۔) اور میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے واسطے دعا کی کہ میری امت کو عام قحط سالی سے ہلاک نہ فرمائیں، اور کوئی ایسا غیر مسلم دشمن ان پر مسلط نہ کریں جو بالکل ان کی نسل کشی کرڈالے، بے شک میرے رب نے مجھ سے کہا: اے محمد! جب میں کوئی فیصلہ کر دیتا ہوں تو پھر وہ بدلتا نہیں، ان کو کسی عمومی قحط سے ہلاک نہیں کروں گا اور نہ کسی کافر دشمن کو ان پر مسلط کروں گا کہ ان کو بالکل جڑ و بُن سے ختم کر دے اگرچہ وہ تیری امت پر پوری دنیا سے کیوں نہ اکٹھا ہو جائیں۔" حَتّٰى يَكُونَ بَعْضُهم يُهْلِكُ بَعْضًا، وَحَتّٰى يَكُونَ بَعْضُهم يسْبِي بعضًا." (سنن أبي داود / ۴۲۵۲) ہاں! البتہ یہ آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کریں

گے اور ایک دوسرے کو قید کریں گے (یعني ان کی آپس میں خانہ جنگی ہو گی) ۔۔۔ اورآپ نے فرمایا: "وإذا وُضِعَ السيفُ في أمتي لم يُرفعْ عنها إلى يومِ القيامةِ." کہ "جب میری امت میں ایک مرتبہ تلوار چل پڑے گی تو پھر قیامت تک چلتی رہے گی۔"

چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حیات تک تو مسلمانوں کی آپسی لڑائی کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا لیکن ان کی وفات کے بعد سے ناگوار آثار پیدا ہونے شروع ہو گئے اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے مسلمانوں کی آپسی خانہ جنگی کا جو سلسلہ شروع ہوا تو آج تک تھمنے کا نام نہیں لے رہا ہے۔

شیطان مسلمانوں کو لڑانے میں لگا ہے

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَلَكِنْ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَهُمْ. (مسلم شریف ۲۸۱۲) کہ شیطان اس بات سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ جزیرۃ العرب میں نمازی بندے اس کی پرستش کریں، لیکن وہ ان کو آپس میں لڑانے سے مایوس نہیں ہوا ہے۔

بلکہ وہ ہمیشہ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی کوشش کرتا رہے گا، لہذا شیطان کی چال سے مسلمانوں کو ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیے اور آپس میں ہرگز نہیں لڑنا چاہیے۔

اور ایک دوسری حدیث میں اس طرح سے ہے کہ شیطان اس بات سے تو مایوس ہو گیا ہے کہ تمہارے ان علاقوں میں (یعنی جزیرۃ العرب میں) کبھی بھی اس کی پوجا پاٹ کی جائے، البتہ ان کاموں میں اس کی فرمانبرداری کی جائے گی

جن کو تم معمولی سمجھتے ہو۔

مثلاً اس نے نماز قضا کرا دی، زکوۃ سے غافل کر دیا، کسی کی حق تلفی کرا دی، آپس میں ایک دوسرے کو لڑا دیا وغیرہ اور وہ انھیں باتوں پر خوش ہو جائے گا۔

اسی طرح وہ تمام فحّاشی و بے حیائی وغیرہ کے کام جو آج اکیسویں صدی عیسوی میں ابن سلمان بن عبد العزیز و دیگر خلیجی ممالک کے حکمرانوں کے ہاتھوں ترقی و آزادی کے نام پر جزیرۃ العرب میں جاری کئے جا رہے ہیں، مثلاً سینما گھر، تھیٹر ہال، رقص و سرود اور کھیل کود کی محفلیں، تفریح وسیاحت گاہ وغیرہ کا قیام وانعقاد جنھیں دیکھ وسن کر تمام اہل ایمان کے دل حد درجہ دکھی و پریشان ہیں۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد
کجا ماند مسلمانی

تنبیہ: مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ الکوکَبُ الدُّرِی میں لکھتے ہیں کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ کوئی عرب کبھی مشرک نہ ہو اور شیطان کی عبادت نہ کرے، حدیث کا مقصد صرف اتنا بتانا ہے کہ شیطان فی الحال اسلام کی شوکت و شہرت اور اس کی قوت دیکھ کر اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ لوگ دین سے واپس پلٹ جائیں اور کفر اختیار کر لیں، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی شیطان کی پوجا نہ کرے۔

آپسی لڑائی دین مونڈ دینے والی چیز ہے

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو نماز، روزہ، صدقہ سے افضل چیز نہ بتاؤں؟ صحابہ نے کہا کیوں نہیں، ضرور بتائیے اے اللہ کے رسول، تو آپ نے فرمایا إِصْلاحُ ذاتِ البَيْنِ فإنَّ فسادَ ذاتِ البَيْنِ هِيَ الحَالِقَةُ .لا أَقُولُ :إنّهَا تَحْلِقُ الشَّعْرَ ولٰكِن تَحْلِقُ

الدِّینَ (غایۃ المرام / ۴۱۴)

آپس کے تعلقات کو درست رکھنا نماز، روزہ اور صدقہ سے افضل چیز ہے کیوں کہ آپسی تعلقات کا بگاڑ یہ مونڈنے والی چیز ہے، میں نہیں کہتا کہ وہ بال مونڈ دیتی ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے۔

ارتداد کا فتنہ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وَلَا تَقُومُ السّاعةُ حتّی تَلْحَقَ قَبائِلُ مِنْ أُمَّتي بالمشرِكينَ وحتّی تعبُدَ قبائلُ من أمَّتي الأوثانَ (سنن ابی داود / ۴۲۵۲) کہ قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ میری امت کے کچھ قبائل مشرکین سے جا ملیں گے اور یہاں تک کہ میری امت کے کچھ گروہ بتوں کی پوجا پاٹ کریں گے۔

اس فتنے کا کچھ حصہ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ظاہر ہوا کہ کچھ قبیلے اسلام سے پھر گئے اور اس کے بعد بھی بہت سی قومیں اور قبائل کے لوگ مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملے اور بتوں کی پوجا پاٹ میں مبتلا ہوئے، اور آج بھی یہ فتنہ تعزیوں، عَلموں اور قبروں کی پوجا پاٹ کی شکل میں امت میں موجود ہے۔

نیز اسکول کالج کی تعلیم اور غیر مسلموں کے ساتھ بود و باش رہن سہن، ان کی تہذیب و تمدن اور ان کا کلچر اختیار کرنے کی وجہ سے بھی بکثرت لڑکے لڑکیاں اسلام سے مرتد اور برگشتہ ہو رہی ہیں،

اور معنوی ارتداد تو امت میں بکثرت پایا جاتا ہے کہ آج لوگ دولت و ثروت، جاہ و منصب کی طلب میں اور خواہشات کی پوجا اور ان کی اتباع میں دین و شریعت کو ترک اور ایمان کو خیر آباد کہہ دیتے ہیں۔

انکارِ تقدیر کا فتنہ

یحیی بن یعمر کہتے ہیں کہ بصرہ میں سب سے پہلے انکارِ تقدیر کا مسئلہ اٹھانے والا معبد بن عبد اللہ جہنی تھا یہی اس فتنے کا پیش رَو اور لیڈر تھا یہ شخص بصرہ سے مدینہ آیا اور وہاں آکر اس عقیدے سے لوگوں کو خراب کیا، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق فرمایا کرتے تھے اِیَّاکُمْ وَمَعْبَدًا فَاِنَّہٗ ضَالٌّ مُضِلٌّ کہ اپنے آپ کو معبد سے دور رکھو کیونکہ یہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔

حجاج بن یوسف نے اسے گرفتار کر کے ۸۰ھ یا اس کے بعد قتل کیا۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْقَدَرِیَّۃُ مَجُوسُ ھذہ الأمۃِ، إِن مَرِضُوا فَلَا تَعُودُوھُم، وإِن مَاتُوا فَلَا تَشْھَدُوھُم (۴۶۹۱ سنن ابي داود)

کہ قدریہ یعنی تقدیر کا انکار کرنے والے اس امت کے مجوس ہیں اگر بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو۔

قدریہ کو مجوس کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ فرقۂ قدریہ کے لوگ خیر کا خالق خدا تعالی کو اور شر کا خالق بندے کو مانتے ہیں، جس طرح مجوس دو خداؤں کے قائل ہیں ایک خیر کا اور ایک شر کا۔

مجوسیوں کے نزدیک خیر کا خالق یزدان ہے اور شر کا خالق اہرمن ہے، یا دو اَصلوں کے قائل ہیں ایک نور کے اور ایک ظلمت کے، خیر کو نور کی طرف منسوب کرتے ہیں اور شر کو ظلمت کی طرف۔

جبکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ خالق صرف ایک ہے، خیر و شر نور اور ظلمت سب کا پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ (الانعام/)

تمام تعریف اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیاں اور روشنی بنائی پھر بھی کافر لوگ اپنے رب کا ہمسر ٹھہراتے ہیں۔

حدیث پاک میں قدریہ یعنی تقدیر کا انکار کرنے والوں کو دجّالی جماعت کہا گیا ہے چنانچہ یہی اوپر والی حدیث حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس میں اتنی زیادتی اور ہے وهم شِيعةُ الدَّجّالِ، وحَقٌّ على الله أن يُلحِقَهم بالدَّجّالِ (سنن ابی داود ۴۶۹۲) کہ یہ دجال کی جماعت میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات طے شدہ ہے کہ (خروج دجال کے وقت) اللہ تعالیٰ ان کو اسی کے ساتھ ملائیں گے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَا تُجَالِسُوا أَهْلَ القَدَرِ ولَا تُفَاتِحُوهُم (سنن ابی داود / ۴۷۱۰) کہ تقدیر کا انکار کرنے والوں کے ساتھ نہ اٹھو بیٹھو اور نہ ان سے سلام کلام میں پہل کرو۔

کچھ لوگوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے آکر کہا کہ ہمارے علاقے میں کچھ ایسے لوگوں کا ظہور ہوا ہے جن میں تلاوتِ قرآن کا بھی اہتمام ہے اور وہ علمی امور میں کھود کرید بھی کرتے رہتے ہیں (یعنی دینی معلومات حاصل کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں) اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں اور یہ کہ ہر شخص کا معاملہ انوکھا اور نیا ہے یعنی ہر شخص اپنے عمل اور کردار میں مکمل طور سے بااختیار اور مستقل ہے، اور کوئی چیز پہلے سے طے شدہ اور لکھی ہوئی نہیں ہے تو انہوں نے سن کر فرمایا فإذا لَقِيتَ أُولَئِكَ فأَخْبِرْهُمْ أَنِّي بَرِيءٌ منهمْ، وأَنَّهُمْ بُرَآءُ

مِنِّي، والذي يَحْلِفُ به عبدُ اللهِ بنُ عُمَرَ لو أنَّ لأَحَدِهِمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، فأَنْفَقَهُ ما قَبِلَ اللهُ منه حتّى يُؤْمِنَ بالقَدَرِ (سنن ابی داود ۴۶۹۵) کہ اگر تمہاری اس قسم کے لوگوں سے آئندہ ملاقات ہو تو ان کو میری طرف سے مطلع کر دینا کی میں یعنی عبد اللہ بن عمر ان سے بری اور بیزار ہوں، ان سے واسطہ و تعلق رکھنا نہیں چاہتا اور ان کو بھی یہی چاہیے کہ مجھ سے وہ بری اور بیزار ہو جائیں کوئی تعلق نہ رکھیں اور پھر قسم کھا کر یہ بات کہی کہ اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھنے والوں میں سے اُحد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اس میں سے اللہ تعالی کچھ بھی قبول نہ فرمائیں گے جب تک وہ تقدیر پر ایمان نہ لائے گا۔

تقدیر پر ایمان رکھنا فرض ہے

ایمان کے ثبوت کے لیے اچھی بری تقدیر پر ایمان لانا فرض ہے، اور تقدیر کا مطلب یہ ہیکہ اللہ رب العزت نے کائنات کو بنانے سے پہلے ہی آسمان اور زمین میں ہونے والی ہر چھوٹی بڑی چیز کو پہلے سے طے کر دیا ہے، اب اسی طے شدہ کے مطابق دنیا میں ہر چیز واقع ہوتی ہے، اسی طرح اللہ رب العزت نے بندوں کے تمام افعال و اعمال کو خواہ وہ خیر کے قبیل سے ہوں یا شر کے سب کو بندوں کو پیدا کرنے سے پہلے ہی لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے۔

اب بندہ پر ضروری ہے کہ خدا تعالی کی طے کردہ تمام باتوں پر خواہ وہ خیر کے قبیل سے ہوں یا شر کے، بندہ کے حق میں مفید ہوں یا مضر سب پر ایمان رکھے اور دل و جان سے اس پر راضی رہے۔

مسئلۂ خلقِ قرآن کا فتنہ

خلقِ قرآن کا مسئلہ تاریخ میں ایک مشہور اختلافی مسئلہ ہے، جس کی ابتدا اور شروعات بعہدِ خلافتِ بنوامیہ فرقۂ جہمیہ کے رئیس و بانی جہم بن صفوان سے

ہوئی بلکہ اس سے پہلے جعد بن درہم کی طرف سے ہوئی، جعد بن درہم کو ۱۱۸ھ اور جہم بن صفوان کو ۱۲۸ھ میں خلافتِ بنوامیہ کے اواخر میں قتل کیا گیا،

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں بھی یہ مسئلہ کسی قدر اٹھا تھا لیکن امام صاحب نے اپنی فراست سے اسے رفع دفع کر دیا تھا لیکن پھر دوبارہ خلافت بنو عباسیہ کے زمانہ میں یہ مسئلہ بہت زور وشور سے اٹھا اور اتنا گرم ہوا کہ مابین علمائے کرام اس مسئلے میں خوب خوب مناظرے ہوئے، یہی مسئلہ حق وباطل کی پہچان اور معیار بن گیا۔

چونکہ اس زمانہ کے خُلَفَاء بھی معتزلہ کے مسلک کی طرف مائل تھے اس لئے انہوں نے بزورِ طاقت علمائے اہلِ سنت کو عقیدۂ خلقِ قرآن پر مجبور کیا جس کے نتیجے میں بے شمار علماء اور اہلِ اسلام کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا اور بہتوں کو قید وبند اور بیڑیوں کی صعوبتوں و مشقتوں کا سامنا کرنا پڑا جیسا کہ واقعۂ امام احمد ابن حنبل مشہور ہے کہ ان کو معتصِم باللہ کے عہد خلافت میں اسی مسئلہ پر قید میں ڈالا گیا، ان پر کوڑے برسائے گئے اور یہ سلسلہ معتصم باللہ کے بعد واثق باللہ کے زمانے تک بھی جاری رہا لیکن امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش نہیں آئی۔

اس کے بعد اللہ تعالی نے مُتَوَکِّل باللہ کو ہدایت عطا فرمائی کہ اس نے امام صاحب کی حد درجہ تعظیم کی اور اس فتنہ کا ازالہ کیا فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

کُتُبِ تاریخ میں یہ مسئلہ مسئلۃُ اللفظ اور مسئلۃُ المِحنۃ کے نام سے بھی مشہور ہے۔

مسئلۂ خلقِ قرآن کی قدرے وضاحت

قولِ معتزلہ: فرقۂ باطلہ معتزلہ کا کہنا ہے کہ قرآن مخلوق ہے یعنی حادث

ہے، کیوں کہ یہ قرآن حروف اور آوز سے مُرکَّب ہے یعنی مل کر بنا ہے اور جو کلام آواز اور حروف سے مرکب ہوتا ہے وہ حادث ہوتا ہے القرآنُ مُرَکبٌ مِنَ الحُروفِ وَالاَصواتِ وکُلُ مرکبٍ حادثٌ فالقرآنُ حادثٌ، یہ معتزلہ کی دلیل ہے۔

اہلِ سنت والجماعت کا قول یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ قرآن اللہ کا کلام ہے جس کے متکلم اللہ رب العزت ہیں اور ہر کلام اپنے متکلم کی صفت ہوا کرتی ہے پس تکلّم اور کلام بھی اللہ کی صفت ہوئی۔

اور جس طرح اللہ تعالیٰ شانہ کی تمام صفتیں مثل ذاتِ باری تعالی قدیم ہیں اسی طرح اس کی صفتِ کلام و تکلم بھی قدیم، غیر مخلوق اور غیر حادث ہے۔

کیوں کہ اگر قرآن کو مخلوق کہا جائے تو اس کو حادث کہنا پڑے گا جبکہ اللہ رب العزت کی کوئی صفت حادث نہیں ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ کلام کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کلام لفظی

(۲) کلام نفسی

کلام لفظی

وہ الفاظ اور عبارات ہیں جو دلی معانی و مراد پر دلالت کرتے ہیں جو الفاظ و آواز سے مرکب ہوتے ہیں جن کی قراءت و سماعت اور کتابت ہوتی ہے،

کلام نفسی

وہ دلی مراد اور معانی ہیں جن پر الفاظ اور عبارات تو دلالت کرتی ہیں لیکن ان کی قراءت، سماعت اور کتابت نہیں ہوتی

کما قال الشاعر:

اِنَّ الکَلَامَ لَفِي الفُؤَادِ وِاِنَّمَا   جُعِلَ اللِّسَانُ عَلَى الفُؤادِ دَلِيلاً

ترجمہ: بات تو در حقیقت دل میں ہوتی ہے، زبان تو دل کی ترجمان ہے۔

لفظ قرآن کا اطلاق اس کلام نفسی قدیم وبسیط پر بھی ہوتا ہے جو صفت باری تعالی ہے، اس کی ذات کیساتھ قائم ہے اور الفاظ و آواز سے بالکل پاک ہے۔

اور قرآن کا اطلاق اس کلام لفظی پر بھی ہوتا ہے جو الفاظ اور آواز سے مرکب ہے جس کی قراءت وسماعت اور کتابت ہوتی ہے۔

پس قرآن کریم کلام نفسی کے اعتبار سے قدیم، غیر مخلوق اور غیر حادث ہے اور کلام لفظی کے اعتبار سے مخلوق اور حادث ہے۔

صفات باری کے ذیل میں کلام سے مراد یہی کلام نفسی ہوتا ہے جو اُس نظم متلو کا مدلول ہے جن کی تلاوت ہوتی ہے نہ کہ وہ کلامِ لفظی دال مراد ہے، جو بندوں کی آواز الفاظ سے مرکب ہوتا ہے جس کے ذریعے بندے قرات وسماعت اور کتابت کرتے ہیں۔

کیوں کہ یہ سب تو مخلوق کے افعال کے قبیل سے ہیں اور مخلوق کے افعال تو حادث ہوا کرتے ہیں جیسا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ الفقہ الاکبر نامی کتاب میں فرماتے ہیں اَلْقُرْاٰنُ فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوبٌ وفِي الْقُلُوبِ مَحْفُوظٌ وَعَلَى الْاَلْسُنِ مَقْرُوءٌ وَعَلَى النَّبِيِّ مُنَزَّلٌ وَلَفْظُنَا بِالْقُرْاٰنِ مَخْلُوقٌ وَالْقُرْاٰنُ غَيْرُ مَخْلُوقٍ کہ قرآن مصاحف میں مکتوب ہے، قلوب میں محفوظ ہے، انسانوں پر پڑھا گیا ہے، نبی پر اتارا گیا ہے اور ہمارا تَلَفُّظ بالقرآن مخلوق ہے اور قرآن غیر مخلوق ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ صفت باری تعالیٰ جو قدیم ہے وہ قرآن بمعنی کلامِ نفسی ہے

نہ کہ قرآن بمعنی کلامِ لفظی لیکن جب قرآن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور قرآن کو کلام اللہ کہا جائے تو اس وقت ادب اور احتیاط کا تقاضا یہ ہیکہ اس پر حادث کا اطلاق نہ کیا جائے، اور اسکی صفت حادث یا جدید نہ لائی جائے۔

(کما ھو مستفاد من الدر المنضود ج٦ ص٥١٦/٥١٧)

تنبیہ ضروری: عقائد اسلام میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ کلامِ الٰہی کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے۔

(۱) اُس صفت کلام و تکلم پر جو دیگر صفات کی طرح اللہ تعالیٰ کی ایک بسیط ازلی و ابدی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس کے قدیم و غیر مخلوق ہونے میں کسی کو کچھ بھی کلام نہیں سوائے معتزلین کے کہ وہ حضرات تعددِ واجب الوجود سے بچنے کے واسطے مثل دیگر صفتوں کے صفتِ تکلم کا بھی انکار کرتے ہیں۔

(۲) دوسرے ان کلماتِ الٰہیہ پر جن کا حق تعالیٰ شانہ نے تکلم فرمایا، جنکو اللہ رب العزت نے حروف و آواز کا لباس دیکر ہمارے پیغمبر علیہ السلام پر نازل فرمایا اور بندوں کو اس کے ساتھ اوامر و نواہی کا مخاطب بنایا ہے۔

یعنی جس طرح ہم اپنے کلام نفسی کو کام یعنی حلق اور زبان کے ساتھ حروف و آواز کے لباس میں ظاہر کرتے ہیں اسی طرح اللہ رب العزت نے اپنے کلام نفسی کو بغیر کام زبان کے وسیلے کے محض اپنی قدرت کاملہ سے حروف و آواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں پر بھیجا ہے اور اپنے پوشیدہ اوامر و نواہی کو حروف و آواز کے ضمن میں لاکر ظہور کے میدان میں جلوہ گر کیا ہے۔

کلام کی یہ دونوں قسمیں یعنی پہلی قسم صفت تکلم جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے جس کو ہم کلام نفسی کہتے ہیں اور دوسری قسم کلمات الٰہیہ جس کی خدا

وندِ قدوس نے تلاوت اور تعلیم فرمائی ہے دونوں قسمیں قدیم اور غیر مخلوق ہیں۔

ہاں البتہ ان کلماتِ الٰہیہ کے اظہار و قرات اور کتابت کے واسطے جو ہماری آواز اور حروف واسطہ ہوتے ہیں وہ مخلوق اور حادث ہوتے ہیں جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: و لَفظُنَا بِالقرانِ مَخْلُوقٌ وَ القرانُ غیرُ مخلوقٍ۔ کہ ہمارا تَلَفُّظ بالقرآن یعنی ہمارا اپنے الفاظ کے ذریعے قرآن کا ادا کرنا مخلوق ہے اور خود قرآن غیر مخلوق ہے۔(ماخوذ از خیر الفتاوی ج ا ص ۱۵۹ / ۱۶۰)

اور یہی بات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے کہ لَفْظِیْ بِالْقُرآنِ مَخْلُوقٌ اَیْ اَفْعَالُنَا مَخْلُوْقَةٌ وَالْفَاظُنَا مِنْ اَفْعَالِنَا کہ میرا قرآن کی ادائیگی میں استعمال ہونے والا لفظ مخلوق ہے کیونکہ ہمارے افعال مخلوق ہیں اور ہمارے الفاظ ہمارے افعال ہیں۔

وقال أیضاً۔ سَمِعْتُ عبدَاللهِ بنِ سَعْدٍ یَقُولُ مَازِلْتُ اَسْمَعُ اَصْحَابَنَا یَقُولُونَ اِنَّ اَفْعَالَ الْعِبَادِ مَخْلُوقَةٌ

قَالَ اَحْمَدُ بنُ اِسْمَاعِیلَ حَرَکَاتُهُم واَصْواتُهُم واَکْسَابُهُم مَخْلُوقَةٌ فَاَمَّا الْقُرْانُ الْمُبِینُ اَلْمُثْبَتُ فِي الْمَصَاحِفِ اَلْمُوْعیٰ فِي الْقُلُوبِ هُوَ کَلَامُ اللهِ غَیْرُ مَخْلُوقٍ۔(فتح الباري / ۵۷۴) اور نیز فرمایا کہ میں نے عبد اللہ بن سعد کو کہتے ہوئے سنا کہ میں ہمیشہ اپنے اصحاب کو کہتے ہوئے سنتا تھا کہ بندوں کے افعال مخلوق ہیں، احمد بن اسماعیل نے فرمایا کہ بندوں کی حرکتیں ان کی آوازیں اور ان کے کام سب مخلوق ہیں اور بہر حال قرآنِ مبین جو مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور دلوں میں محفوظ ہے وہ غیر مخلوق ہے۔

عربوں میں پھیلنے والا شر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: "وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِن شَرٍّ قَدْ اِقْتَرَبَ. أَفْلَحَ مَنْ كَفَّ يَدَهُ." (سنن أبي داود / ۴۲۴۹)

کہ عربوں کے لئے اس شر سے ہلاکت ہو جو شر قریب آپہنچا ہے، اس میں جس شخص نے اپنا ہاتھ روکا وہ کامیاب ہوا یعنی جس نے حق و باطل میں التباس واشتباہ کی وجہ سے قتال کو ترک کر دیا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت عثمان غنی، حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کا واقعہ ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد واقعۂ کربلا ہے جو یزید کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا۔

اور واقعۂ کربلا کا مراد ہونا معنی کے لحاظ سے زیادہ قریب ہے کیونکہ کہ اس شر کا اثر عرب و عجم سب پر ظاہر ہوا۔

عرب پر چھا جانے والا فتنہ

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "سَتَكُونُ فِتنةٌ تَسْتَنْظِفُ العرَبَ. قَتْلَاهَا فِي النَّارِ. اَللِّسَانُ فِيهَا أَشَدُّ مِن وَقْعِ السَّيْفِ. (سنن أبي داود: ۴۲۶۵)

کہ عنقریب ایک ایسا فتنہ ظاہر ہونے والا ہے جو پورے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا اس میں قتل ہونے والا شخص دوزخ میں جائے گا اور اس فتنے کے موقع پر زبان کھولنا (یعنی کسی کی تائید یا تردید میں) تلوار کے وار و مار سے بھی زیادہ سخت ہو گا۔

اس سے مراد وہ فتنہ ہے کہ لوگ مال جاہ اور عہدہ و سلطنت کی طمع و لالچ میں آپس میں لڑیں ان کا مقصد حق کی سربلندی اور اہلِ حق کی حمایت اور مدد نہ

ہو جیسا کہ خانہ جنگی کرنے والوں کا حال ہوتا ہے کہ اندھا دھند آپس میں لڑتے جھگڑتے اور مرتے ہیں۔

عورت کا فتنہ

عورت خدا تعالی کی ایک عظیم نعمت ہے لیکن اگر اس نعمت کی ناقدری کی جائے تو پھر وہ مردوں کے لئے سب سے زیادہ نقصان دہ، ضرر رساں اور ہلاکت خیز ثابت ہوتی ہے اس لئے خود کو اور معاشرے کو فتنہ وفساد سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ غیر محرم عورتوں سے پوری طرح احتیاط کی جائے، اور اپنی بیویوں کی محبت میں ایسے افراط وغلو سے بچا جائے جو دینی واخروی نقصان کا باعث بنے،

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ما تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ على الرِّجالِ مِنَ النِّساءِ" (صحیح البخاري: ۵۰۹۶) کہ "میں نے اپنے پیچھے مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ خطرناک ونقصان دہ کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ہے۔

چونکہ عورتوں میں مَردوں کے لئے کشش وجاذبیت پائی جاتی ہے اور مَردوں کی طبیعت بکثرت عورتوں کی طرف مائل ہوتی ہے اور ان کی وجہ سے آدمی حرام کام، قتل وقتال اور آپسی عداوت ودشمنی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بعض مرتبہ زنا جیسے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے اس لئے رسول اللہ سلم نے عورتوں کو مردوں کے لیے سب سے سنگین ونقصان دہ فتنہ قرار دیا۔

اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إِنَّ الدُّنيا خَضِرَةٌ حُلوةٌ، وإِنَّ اللهَ مُستَخلِفُكُم فِيهَا فَنَاظِرٌ كيفَ تعمَلونَ، أَلَا فَاتَّقُوا الدُّنيا واتَّقُوا النِّساءَ فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسرائِيلَ كَانَتْ فِي النِّساءِ. (سنن الترمذی / ۲۱۹۱) کہ "دنیا بڑی شیریں اور سبز ہے اور اللہ

تعالیٰ نے تم کو دنیا میں اپنا جانشین بنا کر بھیجا ہے تاکہ دیکھیں تم کیسے کام کرتے ہو۔ (یعنی اللہ کی طاعت و بندگی کرتے ہو، یا اس کی نافرمانی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل میں لگتے ہو) لہذا دنیا سے بچو اور پرائی اور اجنبی عورتوں سے دور رہو (یعنی دنیا اور عورت کے ذریعے کسی فتنہ میں مبتلا ہونے سے بچو) اس لیے کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ جو رونما ہوا تھا وہ عورتوں کی وجہ سے ہوا تھا۔

بنی اسرائیل میں عورتوں کے ذریعے پہلا فتنہ کیا تھا؟

بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ جو عورتوں کے ذریعہ سے رونما ہوا وہ یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کو جَبَّارین قومِ عمالقہ سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کا لشکر لے کر قومِ جبارین کے قریب پہنچ گئے تو قوم جبارین کو خوف اور فکر لاحق ہوا کہ موسیٰ اور بنی اسرائیل ہمارے ملک پر قبضہ کرلیں گے، یہ لوگ بڑا ہدیہ و تحفہ لے کر اس وقت کے مُستَجَابُ الدَّعْوَات بَلعَمْ بِنْ بَاعُوراء کے پاس حاضر ہوئے تاکہ وہ موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے خلاف بد دعا کرے، بلعم بن باعوراء نے پہلے تو ان کا ہدیہ تحفہ لینے اور موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بد دعا کرنے سے انکار کیا، لیکن جب جبارین کا اصرار حد سے زیادہ بڑھا اور اس کی بیوی نے بھی ہدیہ تحفہ قبول کر کے بد دعا کرنے کو کہا تو اس نے موسیٰ و بنی اسرائیل کے لیے بد دعا کرنی شروع کی لیکن اس وقت قدرتِ الٰہیہ کا عجیب کرشمہ ظاہر ہوا کہ وہ کلماتِ بد دعا جو وہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لئے کہنا چاہتا تھا اس کی زبان سے وہ الفاظِ بد دعا قومِ جبارین کے لئے نکلنے لگے، جبارین چِلّا اٹھے کہ تو تو ہمارے لئے بد دعا کر رہا ہے، بلعم نے جواب دیا اب یہ میرے اختیار میں نہیں ہے، میری زبان اس کے خلاف پر قادر نہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ اس قوم پر تباہی آئی اور اللہ کے نبی کے خلاف بد دعا کرنے کی وجہ سے بلعم

بن باعوراء کو یہ سزا ملی کہ اس کی زبان لٹک کر سینے پر آگئی، جس کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں موجود ہے وَٱتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ٱلَّذِىٓ ءَاتَيْنَٰهُ ءَايَٰتِنَا فَٱنسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ ٱلشَّيْطَٰنُ فَكَانَ مِنَ ٱلْغَاوِينَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَٰهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُۥٓ أَخْلَدَ إِلَى ٱلْأَرْضِ وَٱتَّبَعَ هَوَىٰهُ ۚ فَمَثَلُهُۥ كَمَثَلِ ٱلْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث ۚ ذَّٰلِكَ مَثَلُ ٱلْقَوْمِ ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا بِـَٔايَٰتِنَا ۚ فَٱقْصُصِ ٱلْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (الأعراف / ۱۷۵)

اور (اے رسول) ان کو اس شخص کا واقعہ پڑھ کر سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں مگر وہ ان کو بالکل چھوڑ نکلا، پھر شیطان اس کے پیچھے ہو لگا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا۔

اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی بدولت اس کو سربلند کرتے، مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا، اور اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا رہا، اس لیے اس کی مثال اس کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تم اس پر حملہ کرو تب بھی وہ زبان لٹکا کر ہانپے گا، اور اگر اسے (اس کے حال پر) چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکا کر ہانپے گا۔ یہ ہے مثال ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے۔ لہذا تم یہ واقعات ان کو سناتے رہو، تا کہ یہ کچھ سوچیں۔

بلعم بن باعوراء نے جبارین سے کہا میری تو دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہو گئی اب میری دعا کی قبولیت سلب کر لی گئی لیکن میں تمہیں ایک تدبیر بتاتا ہوں جس کے ذریعے تم موسی اور اس کی قوم پر غالب آسکتے ہو وہ یہ کہ تم اپنی حسین و جمیل لڑکیوں کو آراستہ کر کے بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اور ان کو یہ تاکید کر دو کہ بنی اسرائیل میں کوئی بھی ان کے ساتھ جو کچھ بھی کرنا چاہے منع نہ کریں، بلعم بن باعوراء کی یہ شیطانی چال قومِ جبارین کی سمجھ میں آگئی اور اس پر عمل کیا گیا، بنی

اسرائیل کا ایک بڑا شخص جس کا نام شمعون بن یعقوب بتایا گیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کا سپہ سالار بھی تھا اسے ایک عورت بہت پسند آئی وہ اسے لے کر حضرت موسی کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میرا خیال یہ ہے کہ آپ اس عورت کو حرام سمجھیں گے، موسی علیہ السلام نے فرمایا یہ مجھ پر بھی حرام ہے اور تجھ پر بھی، اس نے یہ بات سنتے ہی قسم کھا کر کہا میں آپ کی اطاعت نہیں کروں گا اور اپنے خیمے میں لے جا کر اس کے ساتھ بدکاری کا مرتکب ہوا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالی نے بنی اسرائیل میں طاعون کی بیماری بھیج دی جس کے نتیجے میں ستر ہزار آدمی ہلاک ہو گئے۔

نیز بعض علماء فرماتے ہیں کہ سورۂ بقرہ میں قاتل کا پتہ لگانے کے لیے بنی اسرائیل کو جو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس قتل کا سبب بھی عورت تھی، کہ قاتل نے مقتول کی لڑکی سے پیغام نکاح دیا لڑکی کے باپ نے پیغام مسترد کر دیا، جس کی وجہ سے پیغام دینے والے نے لڑکی کے باپ کو قتل کر ڈالا، قاتل لاپتہ تھا، ایک دوسرے پر الزام تراشی ہو رہی تھی تو حضرت موسی علیہ السلام نے بحکمِ الٰہی قاتل کا پتہ لگانے کے لیے بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ (جمالین ج ۱ ص ۱۴۴)

اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے قتل کا واقعہ جس پر ان کی قوم پر عذاب آیا اس کا سبب بھی عورت تھی، چنانچہ ایک حسین و جمیل مالدار عورت نے جس کا نام صدوق تھا خود کو ایک مصدع نامی شخص کے سامنے اور ایک مالدار عورت عنیزہ نے اپنی خوبصورت لڑکی کو قیدار نامی شخص کے سامنے پیش کیا کہ اگر وہ دونوں صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ہلاک کر دیں گے تو یہ لڑکیاں ان کی ملک ہیں، ان کو بیوی بنا کر عیش کریں، آخر قیدار بن سالف اور مصدع دونوں عورت کی لالچ

میں اس کام کے لئے آمادہ ہو گئے اور گھات لگا کر حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کر ڈالا جس کے سبب اللہ کا عذاب آیا اور پوری قوم تباہ و برباد ہوئی۔ (جمالین ج۳ص۲۲۰)

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے ہابیل اور قابیل کے درمیان جو فتنہ قتل کی شکل میں ظاہر ہوا اس کا سبب بھی عورت تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق جس بہن کے ساتھ ہابیل کی شادی جائز تھی اور قابیل کی ناجائز، قابیل اپنی شریعت کے خلاف اسی کے ساتھ شادی کرنے پر بضد تھا اور اس کے لئے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر ڈالا جو زمین پر پایا جانے والا پہلا قتل تھا۔ (جمالین ج۲ص۱۸۵)

آج اگر دیکھا جائے تو دنیا میں پائے جانے والے اکثر فتنے فساد اور قتل کی جڑ و بنیاد اور وجہ عورت ہوتی ہے، سچ فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے بعد مردوں کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ فتنہ عورت ہے۔

عورت کے فتنہ ہونے کا مطلب

حدیث پاک میں عورت کے لئے جو فتنہ کا لفظ وارد ہوا ہے اس سے ہرگز عورت کی ذلت، حقارت، نقص اور عیب مراد نہیں ہے اور نہ ہی اس کی شخصیت و وقار کو مجروح کرنا اور اس کی قدر و قیمت کو گھٹانا مقصود ہے بلکہ اسلام میں تو عورت کا بڑا اونچا اور قابلِ لحاظ مقام و مرتبہ ہے، ان کے حقوق کا پاس و لحاظ رکھنے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک و برتاؤ کرنے کا تو خدا تعالی نے قرآن کریم میں مردوں کو حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے **وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ** (النساء/۱۹) کہ عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک و برتاؤ سے پیش آؤ۔

اور حدیث پاک میں اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں کو سب سے بہتر چیز قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے **الدُّنیا کُلُّھَا مَتَاعٌ، وَخَیْرُ مَتَاعِ الدنیا المرأۃُ الصَّالِحَۃُ** (صحیح الجامع / ۳۴۱۳) کہ پوری دنیا فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور ان میں سب سے مفید و بہتر چیز نیک بیوی ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ حدیث پاک میں عورتوں کو فتنہ کہنے سے مقصود صرف اس قدر ہے کہ عورتیں مردوں کے لئے سب سے سخت اور سب سے دشوار امتحان و آزمائش کی چیز ہیں، کیونکہ ان میں مردوں کے لیے میلانِ قلب اور حد درجہ کشش پائی جاتی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے **زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ ٱلشَّهَوَٰتِ مِنَ ٱلنِّسَآءِ** (آل عمران / ۱۴) کہ لوگوں کے لئے عورتوں کی محبت آراستہ پیراستہ کر دی گئی ہے۔

اور بسا اوقات مرد ان کے تعلق، ان کی محبت میں مبتلا ہو کر حرام اور غلط سلط کام کر بیٹھتا ہے، طاعت، عبادت اور خیر کے کاموں سے دور ہو جاتا ہے، اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں کو فتنہ کہکر مردوں کو ہوشیار اور خبردار کیا کہ عورتوں سے شدتِ تعلق و محبت کی بنیاد پر امتحان و آزمائش میں نہ پڑ جائیں، خدا تعالی کی یاد اور اس کے ذکر سے غافل نہ ہو جائیں۔

عورتوں کا باہر نکلنا فتنے کا سبب ہے

جب کوئی عورت باہر نکلتی ہے تو شیاطین اور گندی طبیعت کے لوگ اس کو جھانکتے تاکتے ہیں اس لیے عورتوں کو دینی اور شرعی ضرورت کے علاوہ محض سیر و تفریح کے لئے گھر سے باہر ہرگز نہیں نکلنا چاہیے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اَلْمَرْأَۃُ عَورَۃٌ، فَإِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْرَفَھَا الشَّیطَانُ** (سنن الترمذی

/ ۱۱۷۳) کہ عورت ستر (یعنی چھپانے کی چیز) ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو گھورا اور آنکھ پھاڑ کر دیکھتا ہے۔

یعنی شیطان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو اس بات پر ابھارے کہ وہ عورت کو دیکھ کر بد نظری اور دیگر گناہوں میں مبتلا ہوں۔

اور ایک روایت میں ہے "إِنَّ الْمَرْأَةَ تُقْبِلُ فِي صُورَةِ شَيْطَانٍ، وَتُدْبِرُ فِي صُورَةِ شَيْطَانٍ" (مسلم: ۱۴۰۳) کہ عورت شیطان کی صورت میں آتی اور شیطان کی صورت میں واپس لوٹتی ہے یعنی اس کی اگاڑی پچھاڑی دونوں فتنہ انگیز و شہوت انگیز ہے اور نیز آپ نے ارشاد فرمایا "اَلنِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّيْطَانِ" (الجامع الصغیر: ۴۹۱۱) کہ عورتیں تو شیطان کا جال ہیں۔ جس سے وہ مردوں کا شکار کرتا ہے (اگر باہر نکلے گیں تو لوگ فتنے اور گناہ میں مبتلا ہوں گے)

اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَيْسَ لِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ فِي الْخُرُوجِ، إِلَّا مُضْطَرَّةً وَلَيْسَ لَهُنَّ نَصِيبٌ فِي الطُّرُقِ إِلَّا الْحَوَاشِي (مجمع الزوائد ۲ / ۲۰۴) کہ عورتوں کے لیے گھر سے باہر نکلنے میں کچھ حصہ نہیں مگر مجبوری اور اضطراری حالت میں، اور ان کے لیے راستے میں چلنے کا کوئی حق نہیں سوائے کناروں کے یعنی اگر مجبوری کی حالت میں نکلنا پڑ جائے تو راستہ کے بیچو بیچ نہ چلیں بلکہ کنارے سے چلیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ أَنْ تَأْذَنَ فِي بَيْتِ زَوجِها وهُوَ كَارِهٌ ولَا تَخْرُجَ وَهُوَ كَارِهٌ وَلَا تُطِيْعَ فِيهِ أَحَدًا (الترغیب والترهیب) کہ کسی عورت کے لئے جو اللہ تعالی پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو یہ جائز نہیں کہ اپنے شوہر کے گھر میں بغیر اس کی اجازت کے کسی کو آنے دے نیز عورت کو شوہر کی مرضی

کے خلاف گھر سے باہر نکلنا بھی جائز نہیں اور اس بارے میں کسی کی اطاعت بھی جائز نہیں۔

بے پردہ عورت جہنم میں جائے گی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا : قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ، وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ، مُمِيلاَتٌ مَائِلاَتٌ، رُءُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ، لاَ يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلاَ يَجِدْنَ رِيحَهَا، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا "(مسلم:۲۱۲۸) کہ جہنمیوں کے دو گروہوں کو میں نے نہیں دیکھا (کیونکہ وہ ابھی پیدا نہیں ہوئے جن کو آپ نے شب معراج میں دیکھا تھا) ایک وہ جن کے پاس گائے کی دموں کے مانند کوڑے ہوں گے جن کے ذریعے وہ لوگوں کو ماریں گے یعنی ظالم حکمران اورانکے کارندے پولیس وغیرہ۔

دوسرا گروہ وہ عورتیں ہیں جو کپڑے پہنے ہوئے بھی ننگی ہوں گی (یعنی ان کا لباس انتہائی باریک یا انتہائی تنگ و چست ہو گا یا بدن کے ہم رنگ یا بالکل ناقص اور چھوٹا ہو گا جس کی وجہ سے ان کے پہننے سے جسم چھپانے کا مقصد و فائدہ حاصل نہ ہو گا۔) غیر مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی اور خود بھی غیروں کی طرف مائل ہوں گی (عورتوں کی عریانیت اور ان کا یہ ننگاپن غربت و مفلسی کی وجہ سے نہ ہو گا بلکہ مردوں کو اپنا بدن دکھانے اور ان کا دل لبھانے کے مقصد اور ارادے سے ہو گا) جن کے سر بختی اونٹوں کے ہلتے کوہانوں کی طرح ہوں گے (یعنی سر مٹکا مٹکا کر چلیں گی جس طرح اونٹ کی پشت کا بالائی حصہ تیز رفتاری کے وقت زمین کی جانب جھکا رہتا ہے یا اونٹ کی پشت سے تشبیہ دینے کا مقصد یہ بتانا

ہے کہ بال پھُلا پھُلا کر اپنے سروں کو موٹا کریں گی، یہ ان کا مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کا دوسرا اندازو طریقہ ہے) وہ جنت میں نہیں جائیں گی اور نہ جنت کی خوشبو پائیں گی حالانکہ جنت کی خوشبو اتنی اتنی مسافت یعنی بہت دور سے آتی ہے۔

پردہ عورت کے لیے انعامِ خداوندی ہے

اللہ تعالی نے عورت کو پردہ کرنے کا حکم دیا ہے جو کہ عورت کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا انعام ہے اس پردے میں عورت کی عزت ہے یہی پردہ عورت کی عزت وناموس اوراس کی حیا کی حفاظت کا بہترین ذریعہ ہے، جو عورت پردہ کرتی ہے اللہ تعالی اس کو دنیا اور آخرت کی بے شمار نعمتیں عطا کرتے ہیں، پس چاہئے کہ جب عورت کسی شرعی یا طبعی ضرورت کے لئے گھر سے باہر نکلے تو مکمل پردے کے ساتھ باہر نکلے ایسا نقاب وبرقعہ ہرگز پہن کر نہ نکلے جس سے اس کا پردہ نہ ہوتا ہو اور حیا کی حفاظت نہ ہوتی ہو اور جو مردوں کو اپنی جانب متوجہ کرے کیونکہ جس طرح بے نقاب وبے پردہ ہو کر نکلنا اللہ تعالی کو سخت ناپسند ہے اسی طرح فیشنی اور چست برقع پہن کر باہر نکلنا بھی اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، افسوس کہ آج کل بہت سی عورتیں زیب وزینت والے فیشنی اور چشت برقعہ پہن کر باہر نکلتی ہیں جن سے پردے کا مقصد ہی حاصل نہیں ہوتا، ظاہر ہے کہ یہ اللہ تعالی کے احکامات کی خلاف ورزی ہے جو کہ ایک مسلمان عورت کے بالکل مناسب نہیں۔

مومن مرد اور مومن عورت کی شان یہ ہونی چاہیے کہ وہ خدا اور رسول کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہو جائے، اپنی خواہش اور چاہت کو اپنے مولا کی چاہت پر قربان کر دے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے **وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ**

يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (الاحزاب / ۳۶) کہ کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو ان کو اپنے معاملے میں کچھ بھی اختیار باقی رہے اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں جا پڑا۔

جو بندہ یا بندی آج دنیا میں اپنی خواہش و چاہت کو خدا اور سول کی خواہش اور چاہت پر قربان کرے گی کل بروزِ آخرت اللہ رب العزت جنت میں اس کی تمام خواہشات اور تمنائیں پوری فرمائیں گے۔

عورت کے لیئے سب سے بہتر چیز کیا ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا آپ نے حاضرین مجلس سے پوچھا کہ عورت کے لئے سب سے بہتر کیا چیز ہے؟ حاضرین خاموش رہے (کسی نے کوئی جواب نہ دیا) میں جب گھر واپس آیا تو یہی سوال میں نے فاطمۃ (الزہراء) سے کیا کہ عورت کے لیے سب سے بہتر چیز کیا ہے؟ تو فاطمۃ (الزہراء رضی اللہ عنہا) نے جواب دیا کہ عورت کے لئے سب سے بہتر چیز یہ ہے کہ نہ وہ مردوں کو دیکھیں نہ مرد ان کو دیکھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے فاطمہ کے اس جواب کا تذکرہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے یہ جواب سن کر ارشاد فرمایا إِنَّمَا فاطمةُ بِضْعَةٌ مِنِّي کہ فاطمہ تو میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ (اس لیے وہ خوب سمجھی) (مجمع الزوائد، ورواہ البزار والدارقطني في الافراد)

اجنبی عورتوں کے ساتھ تنہائی

جب کوئی اجنبی مرد تنہائی میں کسی عورت سے ملتا ہے تو شیطان ان کو معصیت اور گناہ میں مبتلا کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے، اس لیے چاہیے کہ کوئی

مرد کسی اجنبی عورت سے تنہائی میں ہرگز نہ ملے تاکہ شیطان کو اپنا کھیل کھیلنے کا موقع نہ ملے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "أَلَا لَا يَخْلُوَنَّ رَجلٌ بِامرأةٍ إلَّا كَانَ ثَالِثَهُما الشَّيطانُ. (سنن الترمذي / ۲۱۶۵) کہ کوئی (نامحرم) مرد کسی عورت سے تنہائی میں ہرگز نہ ملے ورنہ ان کا تیسرا شیطان ہو گا۔

شادی شدہ عورتیں اور جن کے شوہر سفر میں ہوں ان سے نامحرم مردوں کا ملنا جلنا اور بھی زیادہ خطرناک ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں خاص ہدایت فرمائی ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"لا تَلِجُوا على الْمُغَيَّباتِ فإنَّ الشيْطانَ يَجْرِي مِنْ أحدِكم مَجْرى الدَّمِ" (سنن الترمذي / ۱۱۷۲)

کہ "ان خواتین کے گھروں میں نہ جایا کرو جن کے شوہر کہیں باہر سفر میں گئے ہوئے ہوں۔ کیوں کہ شیطان تم میں اس طرح دوڑتا ہے جیسے کہ خون رگوں میں دوڑتا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إيّاكُمْ والدُّخُولَ على النِّساءِ فقالَ رَجُلٌ مِنَ الأنْصارِ: يا رَسولَ اللهِ! أَفَرَأَيْتَ الحَمْوَ؟قالَ: الحَمْوُ المَوْتُ.(صحيح البخاري / ۵۲۳۲) کہ "تم نامحرم عورتوں کے پاس جانے سے احتراز کرو، ایک شخص نے پوچھا: جیٹھ و دیور کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "دیور تو موت (یعنی بہت بڑا) فتنہ ہے۔"

شوہر کے رشتے داروں میں سے اس کا لڑکا اور اس کا باپ تو بیوی کے لیے محرم ہیں مگر دوسرے رشتے دار نامحرم ہیں، ان کا آزادانہ گھر میں آنا جانا اور خلوت وجلوت میں بے تکلف اور بے پردہ ملنا جلنا اور باتیں کرنا رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق انتہائی خطرناک اور پاکدامنی کے لیے زہرِ قاتل ہے۔

بد نظری

بد نظری زنا کی پہلی سیڑھی ہے اس سے بڑے بڑے فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے چنانچہ قرآن کریم نے بدکاری اور بےحیائی کا دروازہ بند کرنے کے لئے مسلمان مرد وعورت کو حکم دیا ہے کہ وہ بد نظری سے بچیں اور اپنے ناموس کی حفاظت کریں۔

چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: " قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ [النور:۳۰] وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ " [النور:۳۱] کہ "آپ مسلمان مردوں سے فرمادیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے۔ بے شک اللہ تعالی کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں، اور مسلمان عورتوں سے (بھی) فرمادیں کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَعَنَ اللهُ الناظرَ والمنظورَ إليه." (السنن الکبری للبيهقي:۷/۹۹، مرسل:۱۳۹۵۰)

کہ "خدا کی لعنت ہے دیکھنے والے پر بھی اور اس پر بھی جس کو دیکھا گیا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو کوئی کسی نامحرم عورت کو یا کسی کے ستر کو

دیکھتا ہے اس پر خدا کی لعنت نازل ہوتی ہے اور وہ رحمتِ خداوندی سے محروم ہو جاتا ہے اور اسی طرح جو عورت چاہتی ہے کہ اسے دیکھا جائے، یا بن سنور کر نکلتی ہے تو اس پر بھی خدا کی لعنت ہوتی ہے اور وہ بھی رحمت الٰہی سے محروم ہو جاتی ہے۔

ایک حدیث قدسی میں آنحضوراقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس طرح ارشاد فرمایا
النَّظرُ سَهْمٌ مَسْمُومٌ مِنْ سِهامِ إبليسَ مَنْ تَرَكَهَا مِنْ مَخَافَتِي أَبْدَلْتُه إِيْمَانًا يَجِدُ حَلاوَتَه في قَلْبِهِ (الترغیب والترہیب) کہ نظر ابلیس کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) جو کوئی میرے ڈر وخوف سے بد نظری چھوڑ دے، میں اس کے بدلے اس کو ایسا ایمان عطا کروں گا جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔

زنا کی قسمیں

زنا صرف شرمگاہ ہی کا زنا نہیں ہے بلکہ جسم کے اور دیگر اعضاء بھی زانی ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں ہے: حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "إنَّ اللهَ كَتَبَ على ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنا، أَدْرَكَ ذلكَ لا مَحالَةَ، فَزِنا العَيْنِ النَّظَرُ، وزِنا اللِّسانِ المَنْطِقُ، والنَّفْسُ تَمَنّى وتَشْتَهِي، والفَرْجُ يُصَدِّقُ ذلكَ كُلَّهُ ويُكَذِّبُهُ.(صحيح البخاري/ ۶۲۴۳)

کہ "اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی بدکاری اور زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جس میں وہ ضرور مبتلا ہوگا اس طرح کہ آنکھ کا زنا دیکھنا ہے اور زبان کا زنا گفتگو کرنا ہے اور دل تمنا اور خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کو سچا یا جھوٹا کر دیتی ہے۔"

یعنی العیاذ باللہ اگر زنا میں مبتلا ہو گیا تو شرمگاہ کے علاوہ دیگر اعضاء کا عمل بھی

زنا شمار ہو گا۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ زنا میں سے انسان کا حصہ لکھ دیا گیا ہے جس میں وہ ضرور مبتلا ہو گا "فزِنا العَینَینِ النَّظرُ، وزِنا الیَدَینِ البَطشُ، وزِنا الرِّجلَینِ المَشيُ، وزِنا الفَمِ القُبَلُ، والقَلبُ یَهوی ویتمَنّی، ویُصَدِّقُ ذلك أو یُکذِّبُه الفَرجُ (المسند / ۱۰۹۲۰)

پس آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، کانوں کا زنا سننا ہے، زبان کا زنا گفتگو کرنا ہے، ہاتھ کا زنا پکڑنا اور چھونا ہے، پاؤں کا زنا بدکاری کے لئے چلنا ہے، دل خواہش اور تمنا کرتا ہے اور شرمگاہ اس کو سچا کر دیتی ہے یا جھٹلا دیتی ہے۔"

پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زنا صرف معروف گناہ ہی کا نام نہیں ہے بلکہ جسم کے سارے ہی اعضاء اس میں حصے دار بنتے ہیں، اس لئے ہر قسم کے زنا سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لأَنْ یُطْعَنَ فِي رَأْسِ رَجُلٍ بِمِخْیَطٍ مِنْ حَدِیدٍ خَیرٌ مِنْ أَن یَمَسَّ امرأۃً لا تَحِلُّ لَه (السلسلۃ الصحیحۃ / ۲۲۶) کہ تم میں سے کسی کے سر میں لوہے کی سوئی چبھو دی جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی ایسی عورت کو چھوئے اور ہاتھ لگائے جو اس کے لئے حلال نہ ہو۔

زنا کا وبال

کسی معاشرہ میں جب زنا اور حرام کاری پھیلتی ہے تو پوری قوم وبائی امراض میں مبتلا ہو جاتی ہے اور بکثرت موتیں ہونے لگتی ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی قوم مالِ غنیمت میں خیانت کرنا شروع کر دیتی ہے تو اللہ تعالی ان کے دلوں میں دشمن کا رُعب اور

خوف پیدا کر دیتے ہیں، کسی قوم میں جب زنا اور حرام کاری پھیلتی ہے تو اس میں بکثرت موتیں ہونے لگتی ہیں، ناپ تول میں کمی کرنا جب کوئی قوم اپنا مشغلہ بنالیتی ہے تو ان کی روزی سے برکت اٹھالی جاتی ہے، کوئی قوم جب ناحق فیصلہ کو اپنا شیوہ بنالیتی ہے تو اس میں قتل وخونریزی عام ہو جاتی ہے، اور جب کوئی قوم عہد شکنی کی عادی بن جاتی ہے تو ان پر دشمن مسلط کر دیا جاتا ہے۔

ہمبستری کی بات دوسروں پر ظاہر کرنا

میاں وبیوی کا اپنے پوشیدہ معاملات دوسروں سے بیان کرنا انتہائی بے غیرتی وبے حیائی کا کام ہے اور بدترین گناہ ہے اور فتنے کا باعث ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس نازیبا حرکت سے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے دن اللہ تعالی کے نزدیک وہ شخص بدترین ہے جو بیوی سے ہمبستری کے بعد اس کا راز فاش کر دے اور ہمبستری کی باتیں دوسروں پر ظاہر کرے"

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد مردوں اور عورتوں کو مخاطب کرکے فرمایا: "مَجَالِسَكُم مَجَالِسَكُم" کہ سب اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو اور حمد وثناء کے بعد آپ نے اولاً مردوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کیا جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی سے ہمبستری کرنا چاہتا ہے تو اس وقت دروازہ بند کرکے پردہ کا انتظام نہیں کرتا؟ حاضرین نے عرض کیا: جی ہاں، پردہ وغیرہ کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: اور پھر بعد میں کیا کرتا ہے دوستوں میں بیٹھ کر اس پوشیدہ فعل کا افشاء اور اظہار کرتا ہے کہ میں نے رات اپنی بیوی کے ساتھ اس طرح کیا اور اس طرح کیا اس

پر سب خاموش رہے، اس کے بعد آپ عورتوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے بھی اسی ناراضگی کے انداز میں سوال فرمایا وہ سب بھی خاموش رہیں، فَجَثَتْ فَتَاةٌ كَعَابٌ علی إِحْدیٰ رُكْبَتَيْهَا، وتَطَاوَلَتْ لِرَسُولِ اللهِ لِيَرَاها وَيَسْمَعَ كَلَامَهَا، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ ! إِنَّهُم لَيُحَدِّثُونَ، وَإِنَّهُنَّ لَيُحَدِّثْنَ پس ایک عورت نے جواب کا ارادہ کیا اور وہ ایڑی کے بل بیٹھ کر اور ذرا گردن آگے کو نکال کر تاکہ آپ اس کو دیکھ سکیں اور اس کی بات کو بسہولت سن سکیں اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ ! بے شک ایسا ہی ہے جو آپ نے فرمایا، یہ مرد بھی اس طرح کا تذکرہ کرتے ہیں اور یہ عورتیں بھی اس طرح کا ذکر و تذکرہ کرتی ہیں، یہ سن کر آپ نے اس فعل کی قباحت کو مثال سے سمجھایا "هَلْ تَدْرُونَ [مَا] مِثْلُ ذٰلِكَ؟ أَمَّا مِثْلُ ذلك شَيطَانَةٌ لَقِيَتْ شيطانًا في السِّكَّةِ، فَقَضٰى حَاجَتَه والناسُ يَنْظُرُونَ إِلَيه۔" (سنن أبي داود / ۲۱۷۴) کہ "یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سب کے سامنے اِعلانیہ و کھلم کھلا طور پر گلی کوچے میں جِماع وصُحبت کرے۔"

اس زمانے میں یہ مرض عام طور سے پایا جارہا ہے، نوجوانوں کا اس میں عام ابتلاء ہے خصوصاً شادی کے بعد عام طور پر لڑکی سے اس کی سہیلیاں اور لڑکے سے اس کے دوست احباب اصرار کر کے پوشیدہ باتوں کو معلوم کرتے ہیں اور یہ خوشی سے یا مجبور ہو کر اپنے کئے ہوئے تمام پوشیدہ معاملات دوستوں سے بیان کر دیتے ہیں، اس حدیث شریف میں اس بری حرکت سے منع کیا گیا ہے، کس قدر بے عقلی و ناسمجھی کی بات ہے اور سراسر بے حیائی و بے غیرتی کی چیز ہے کہ جو کام میاں بیوی نے پردوں کی اوٹ میں کیے تھے صبح کو برملا بیان کر دیا، گویا اِخفا و پوشیدگی کی جو مصلحت تھی اسے ضائع کر دیا، اگر ظاہر ہی کرنا تھا تو پھر اخفاء پوشیدگی کی ضرورت ہی کیا تھی، اس سے معاشرہ میں گندگی پھیلتی ہے اور

دوسرے لوگوں کے جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں اس لئے اس سے اجتناب واحتراز بہت ضروری ہے۔ قرآنِ کریم میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (بقرہ:١٨٧) کہ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔

عورت کا تنہا سفر کرنا باعثِ فتنہ ہے

عورتوں کا محرم کے بغیر تنہا سفر کرنا بہت سارے فتنوں کا سبب ہے، اس لئے جائز نہیں کہ وہ تنہا سفر کریں، لیکن دورِ حاضر میں عام سا معمول بن چکا ہے کہ عورتیں شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تنہا سفر کرتی پھرتی ہیں، اور طویل سے طویل تر مسافت پر مَحارِم کے بغیر ہی روانہ ہو جاتی ہیں، نہ تو اپنی عزت و ناموس کا کچھ خیال ہوتا ہے، اور نہ ہی شریعت کے حکم کی کچھ پرواہ!

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لايَحِلُّ لِامْرأَةٍ أَنْ تُسَافِرَ إِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ مِنْهَا." (صحيح الجامع / ٧٦٤٦) کہ "کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ ذو محرم کے بغیر سفر کرے۔ (ذو محرم ایسے رشتہ دار کو کہتے ہیں جس کے ساتھ ہمیشہ کے لئے نکاح کرنا حرام ہو۔ مثلاً باپ، بھائی، بیٹا وغیرہ۔)

اور ترمذی شریف میں ہے: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لَا يَحِلُّ لِامرأَةٍ تُؤمِنُ بِاللهِ واليومِ الآخَرِ؛ أَنْ تُسَافِرَ سَفرًا، يَكُونُ ثَلاثَةَ أَيّامٍ فَصَاعِدًا، إلّا ومَعَها أَبُوهَا أَوْ أَخُوهَا أَوْ زَوجُهَا أَو اِبْنُهَا أَو ذُوْ مَحْرَمٍ مِنْهَا." (صحيح الترمذي / ١١٦٩)

کہ "کسی عورت کے لیے جائز نہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہو

کہ وہ تین دن یا تین دن سے زائد مسافت کا سفر کرے بغیر اس کے کہ اس کے ساتھ اس کا باپ، اس کا بھائی، اس کا شوہر، اس کا بیٹا یا اس کا کوئی ذو رحم محرم ہو۔

اور ابو داود شریف میں ہے: "نَهىٰ رسُولُ اللهِ ﷺ أنْ تُسَافِرَ المرأةُ فَوقَ ثلاثةِ أيّامٍ، أو ثلاثِ ليَالٍ، إلّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ." کہ "نبی پاک ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ کوئی عورت تین دن یا تین رات سے زائد کی مسافت کسی غیر محرم کے بغیر طے کرے۔" (سنن أبي داود / ۱۷۲۶)

اور بخاری شریف میں ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَا تُسَافِرِ المَرْأَةُ مَسِيرَةَ يَومَيْنِ إلّا ومَعَهَا زَوْجُها أَوْ ذُو مَحْرَمٍ (صحيح البخاري / ۱۹۹۵) کہ "کوئی عورت دو دن کی مسافت بغیر شوہر یا بغیر کسی محرم کے طے نہ کرے"

عورت کے محرم کون لوگ ہیں؟

عورت کے محرم کون لوگ ہیں اور عورت کو کن کن مردوں سے پردہ کرنا چاہیے۔

معلوم ہونا چاہیے جن مردوں سے عورت کا نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے وہ عورت کے محرم کہلاتے ہیں، ان سے عورت کا پردہ نہیں ہے اور عورت ان کے ساتھ سفر کر سکتی ہے جیسے کہ باپ، بیٹا، بھائی، چچا، ماموں، بھتیجا، بھانجا بہنوتا وغیرہ اور جن مردوں سے عورت کا کبھی بھی نکاح ہو سکتا ہے وہ عورت کے غیر محرم کہلاتے ہیں، عورتوں کو ایسے مردوں سے پردہ کرنا لازم و ضروری ہے، ان کے ساتھ خلوت و تنہائی یا سفر کرنا جائز نہیں، جیسے کہ خالہ زاد، ماموں زاد، چچازاد، پھوپھی زاد بھائی، دیور، جیٹھ، پھوپھا، خالو، بہنوئی، نندوئی وغیرہ، عورتیں ان لوگوں سے پردہ کریں اور پردہ نہ کرنے کی صورت میں عورتوں کے ذمہ داروں

پر ضروری ہے کہ وہ اپنے گھر کی خواتین کو نامحرموں سے پردہ کروائیں ورنہ تو جہاں عورتوں پر بے پردگی کا وبال و گناہ ہوگا وہیں ان کے ذمہ داروں پر دین میں مداہنت اختیار کرنے اور سستی کاہلی برتنے کا گناہ، گھر کا ذمہ دار اگر اس بات کا خیال نہیں رکھتا کہ اس کے اہل یعنی گھر والوں کے پاس کون آتا جاتا ہے اور یہ کس سے بات چیت کرتے ہیں تو ایسا شخص شریعت کی اصطلاح میں دَیُّوث ہے اور دیوث کے متعلق حدیث میں سخت وعید آئی ہے کہ وہ جنت میں نہیں جائے گا،

چنانچہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ثَلَاثَةٌ لَا يَدْخُلُونَ الجَنَّةَ أَبَدًا الدَّيُّوثُ والرَّجِلَةُ مِنَ النِّسَاءِ ومُدْمِنُ الخَمرِ قَالَوا يَا رَسُولَ اللهِ أَمَّا مُدْمِنُ الخَمرِ فَقَدْ عَرَفْنَاه فَمَا الدَّيُّوثُ قَالَ الَّذي لَا يُبَالِي بِمَنْ دَخَلَ على أهلِه قُلْنَا فَمَا الرِّجْلَةُ من النِّساءِ قال الَّتي تُشَبِّهُ بالرِّجالِ (الترغیب والترہیب ۳/ ۲۵۰) کہ تین لوگ کبھی بھی جنت میں نہیں جائیں گے ایک دیوث، دوسرے وہ عورت جو مردوں کی مشابہت اختیار کرے اور تیسرے شراب پینے کا عادی شخص، صحابہ کرام نے پوچھا یارسول اللہ دیوث کون شخص ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا جو اس کی پرواہ نہ کرے کہ کون اس کے اہل خانہ کے پاس آتا ہے۔

اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اس طرح منقول ہے کہ ثلاثةٌ قد حرّم اللهُ عليهم الجنةَ: مُدمنُ الخمرِ، والعاقُّ، والدَّيُّوثُ الذي يُقِرُّ في أهلِه الخُبْثَ (صحیح الجامع / ۳۰۵۲) کہ تین لوگوں پر اللہ رب العزت نے جنت حرام کر دی ہے، ہمیشہ شراب پینے والے پر، ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے پر، اور دیوث پر جو اپنے گھر والوں میں غلط اور برا کام برقرار و باقی رکھے۔

فِتنۂ فحاشی

آج کس قدر فحاشی اور بے حیائی، عُریانیت و بے پردگی عام ہو چکی ہے کہ زبان و قلم اس کے بیان و تحریر سے کانپ اٹھتے ہیں اور اسے پھیلانے و عام کرنے اور اسے مزید بامِ عروج پر پہنچانے کے لیے کس طرح ابلیسی قوتیں اپنے کیل کانٹوں سے لیس ہو کر سرگرم عمل ہیں کہ الامان والحفیظ

حیاء و غیرت ایسی مرچکی ہے کہ بازار، چوراہا، شارعِ عام اور مجمعِ عام تو در کنار حتی کہ دورانِ سفر سواریاں تک عریانیت و بے حیائی کے حیاسوز مناظر سے خالی نہیں۔ بے حیائی اور ننگے پن کی ایسی ایسی تصویریں اور ایسے ایسے واقعات سامنے آتے ہیں کہ انسانیت شرم سے گڑ جاتی ہے۔

دن بدن عورتوں میں ایسے لباس پہننے کا رواج عام ہوتا جارہا ہے کہ جسے لباس کہتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے، آج سے چودہ سو سال پہلے صادِقُ وَ مَصدُوق محمدٌ رَّسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے عورتوں کی عریانیت اور ان کے ننگے پن کی جو تصویر پیش کی تھی وہ آج صاف نظر آرہی ہے۔

مجمع الزوائد کی روایت ہے حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ تَظْهَرَ ثِيَابٌ تَلْبَسُهَا نِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ" (مجمع الزوائد ۷/۳۳۰) کہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے کہ ایسے ایسے لباس ظاہر ہونگے جسے پہن کر بھی عورتیں ننگی ہوں گی۔

چنانچہ اس قدر باریک لباس ایجاد ہو چکے ہیں کہ جس سے عورتوں کا بدن صاف جھلکتا نظر آتا ہے عورتیں اس قدر فٹ اور چست لباس پہننے کی عادی ہو چکی ہیں کہ بدن کی ساخت پر کَس جانے کے سبب ان کے جسم کا نشیب و فراز اور اتار و چڑھاؤ بالکل واضح ہو جاتا ہے اور آج کل تو چست ہونے کے ساتھ بدن کا ہم رنگ

ہونا بھی داخلِ فیشن ہو چکا ہے، چنانچہ گندمی رنگ اور جسم کے ہمرنگ ایسے ایسے موزے اور چُوڑی دار چست پاجامے داخل لباس ہو چکے ہیں جس کو دیکھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جسم بالکل ننگا ہے اور بعض عورتیں تو ایسے ناقص و تھوڑے لباس میں پھرتی نظر آتی ہیں کہ جن کے بدن کا اکثر حصہ اور خصوصاً وہ اعضاء کھلے رہتے ہیں جو داخلِ ستر ہیں اور جن کو باحیا عورتیں غیر مردوں سے چھپاتی ہیں۔

بے حیائی اور بے غیرتی کی حد ہو چکی ہے کہ اب تو کامل و مکمل لباس میں بھی چند مخصوص مقامات کھلے چھوڑ دیے جاتے ہیں اور قصداً ان جگہوں سے کپڑے کاٹ دیے جاتے ہیں تاکہ پہننے کے بعد وہاں سے قابلِ ستر اعضاء نظر آئیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب انسانیت جاہلیت کے اس دوسرے دور میں داخل ہو چکی ہے جس کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے،

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُن وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (سورۂ احزاب:۳۳) (اور اپنے گھروں میں سکونت اختیار کرو اور پہلی جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کا اظہار نہ کرو

جاہلیتِ اولیٰ یعنی پہلی جاہلیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ جاہلیت اُخریٰ یعنی دوسری جاہلیت کا بھی دور آنے والا ہے۔

مذکورہ عریانیت اور بے حیائی کا معاشرے پر کس قدر برا اثر مرتب ہو رہا ہے وہ ہماری نظروں کے سامنے ہے کہ زناکاری و بدکاری عام سے عام تر ہوتی جا رہی ہے، لڑکے اور لڑکیاں بے راہ روی کا شکار ہوتے جا رہے ہیں، شادی بیاہ کے بندھن سے آزاد و فرار ہو کر جانوروں اور حیوانوں کے مانند ناجائز طریقے پر اپنی جنسی خواہشات پوری کرنا چاہتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ستر پوشی انسان کی فطری طبیعت اور اس کی طبعی ضرورت ہے، لباس کا اصلی مقصد ستر پوشی ہے اور یہی اس کا عام جانوروں سے امتیاز ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے یَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا ۖ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذٰلِكَ خَيْرٌ (سورۂ أحزاب:۲٦) "کہ اے آدم کی اولاد ! ہم نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا جو تمہاری شرمگاہ کو چھپاتا ہے اور سببِ زینت بھی ہے، اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے" یعنی عملِ صالح کا۔

شیطان کا انسان پر سب سے پہلا حملہ اسی راہ سے ہوا کہ اسکا لباس اترواد یا اور آج بھی شیطان اپنے شاگردوں کے ذریعے جب انسان کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو تہذیب و شائستگی کے نام پر سب سے پہلے اس کو پورا برہنہ یا نیم برہنہ (ننگا) کر کے سڑکوں اور گلیوں اور چوراہوں پر کھڑا کر دیتا ہے، اور شیطان اور اس کے آلہ کار لوگوں نے جس کا نام آزادی وترقی رکھ دیا ہے، وہ ترقی و آزادی عورت کو شرم وحیا سے محروم کر کے منظر عام پر برہنہ یا نیم برہنہ حالت میں لے آئے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔

مذہبِ اسلام کی خصوصیت اور اس کا طُرّۂ امتیاز ہے کہ وہ برائی کے ساتھ ساتھ ان چیزوں سے بھی روکتا ہے جو برائی تک لے جانے والی ہوں مثلاً شریعتِ اسلام نے اگر زناکاری وبدکاری کو حرام وناجائز قرار دیا ہے تو ساتھ ہی ایسی چیزوں سے بھی روکا ہے جو زنا اور بدکاری کی طرف لے جانے والی ہوں۔

چنانچہ عریانیت و بے پردگی اور عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا زنا وبدکاری کا ذریعہ بن سکتا تھا تو اسلام نے عورتوں کو گھر میں رہنے کا حکم دیا تا کہ ان کا وجود اور ان کی شخصیت گھر کی چہار دیواری میں مستور و چھپی رہے اور ان کے وجود و

شخصیت پر کسی غیر محرم کی نظر ہی نہ پڑے، یہ عورتوں کے لئے پہلے درجے کا اور سب سے اعلٰی و افضل پردہ ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (سورہ احزاب۔ ۳۳) اور حدیث پاک میں ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ليس للنساءِ في الخروجِ إلا مضطرةٌ (اخرجہ الطبرانی ۱۳۸۷۱) کہ عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں مگر مجبوری کی حالت میں، اور مردوں کو اس بات کا پابند کیا کہ اگر ان کو عورتوں سے کوئی چیز مانگنے یا پوچھنے کی ضرورت ہو تو پردے کی آڑ سے پوچھیں اور مانگیں وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ (سورۂ احزاب: ۵۳) جب تم ان سے یعنی نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے کامل پاکیزگی یہی ہے

اور اگر عورتوں کو کسی طبعی و شرعی ضرورت سے گھر سے باہر نکلنے کی نوبت آجائے تو اسلام نے انھیں اس بات کا حکم دیا کہ وہ گھر سے شرعی پردے کے ساتھ نکلیں اس طرح کہ ان کا پورا جسم کسی لمبی چوڑی چادر سے ڈھنکا چھپا رہے یہ عورتوں کے لئے دوسرے درجے کا پردہ ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے اَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (الاحزاب:۵۹)

ترجمہ: اے نبی تم اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی چادریں اپنے (منہ کے) اوپر جھکا لیا کریں اس طریقے میں اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ وہ پہچان لی جائیں گی تو ان کو ستایا نہیں جائے گا اور اللہ

تعالی بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

اور خوشبو بسا کر نہ نکلیں، معمولی غیر جاذبِ نظر اور بے رونق کپڑوں میں نکلیں تاکہ ان کی طرف کسی کی نظر ہی نہ اٹھے جیسا کہ فرمانِ رسول ہے لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ، ولٰكنْ لِيَخْرُجْنَ وَهُنَّ تَفِلَاتٌ(سننِ ابی داود ۵۶۵) کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو لیکن چاہیے کہ وہ معمولی کپڑوں میں نکلیں۔

راستے کے بیچ سے چلنے کے بجائے راستے کے کنارے سے چلیں ولَيسَ لَهُنَّ مِنَ الطَّرِيْقِ إِلّا الحواشيَ (طبرانی ۱۳۸۷۱) کہ عورتوں کے چلنے کے لئے تو صرف راستے کے کنارے ہیں۔

اسلام قطعی اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ عورت کے جسم پر کسی غیر محرم مرد کی نظر پڑے یا کوئی غیر محرم مرد اسکی آواز سنے یا اس کی خوشبو سونگھے۔

عورت جب تک گھر میں ہے، غیر محرموں سے دور ہے، اللہ سے قریب ہے، اس کی عزت ناموس محفوظ ہے اور جس وقت بلاضرورت شرعی و طبعی گھر سے باہر نکلی اللہ کی رحمت سے دور ہے اور اس کی عزت و ناموس خطرے میں ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے "اَلْمرأةُ عورةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيطانُ وأقرَبُ مَا تَكُونُ مِنْ رَبِّهَا إِذَا هِيَ فِي قَعْرِ بَيتِهَا (صحیح ابن حبان / ۵۵۹۹) کہ عورت تو پردے میں رہنے کی چیز ہے جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو تکتا ہے اور عورت اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب اپنے گھر کی کوٹھری میں ہو۔

شریعتِ اسلامیہ نے زناکاری سے بھی روکا ہے اور ایسی چیزوں سے بھی روکا ہے جو زنا و بدکاری کی طرف لے جانے والی ہوں، حتی کہ اس کو بھی زنا قرار دیا

ہے کہ کوئی عورت تیز خوشبو لگا کر مردوں پر اس لئے گزرے کہ مرد اس کی خوشبو سونگھ لیں اور ایسی عورت کو بدکار کہا گیا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے إِذَا اسْتَعْطَرَتْ الْمَرْأَةُ فَمَرَّتْ عَلَى الْقَوْمِ لِيَجِدُوا رِيحَهَا فَهِيَ كَذَا وَكَذَا (سنن أبي داود:۴۱۷۳) کہ جب عورت نے خوشبو بسایا پھر لوگوں کے پاس سے گزری تاکہ لوگ اس کی خوشبو سونگھ لیں تو وہ ایسی ہے ایسی ہے یعنی زانیہ وبدکردار ہے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا سننا ہے اور زبان کا زنا بولنا ہے اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پیروں کا زنا چل کر جانا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ (ترمذی:۱۱۷۳) کہ عورت قابلِ ستر)یعنی پردے میں رہنے اور چھپانے کی چیز ہے جب باہر نکلتی ہے تو اسے شیطان تکنے لگتا ہے۔یعنی گناہ میں مبتلا کرنے کی تدبیر سوچنے لگتا ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے "إِنَّ الْمَرْأَةَ تُقْبِلُ فِي صُورَةِ شَيْطَانٍ، وَتُدْبِرُ فِي صُورَةِ شَيْطَانٍ"(مسلم:۱۴۰۳) کہ عورت شیطان کی صورت میں آتی اور شیطان کی صورت میں واپس لوٹتی ہے یعنی اس کی اگاڑی پچھاڑی دونوں فتنہ انگیز و شہوت انگیز ہے اور نیز آپ نے فرمایا "اَلنسِاءُ حَبَائِلُ الشَّيْطَانِ" (الجامع الصغیر:۴۹۱۱) کہ عورتیں شیطان کا جال ہیں) جس سے وہ مردوں کا شکار کرتا ہے(اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ جو مرد نامحرم عورت پر نظر ڈالے اور جو عورت اپنے اوپر نامحرم مرد کی نظر پڑنے کی خواہش اور تمنا کرے اس پر خدا کی لعنت و پھٹکار ہے۔ اور شعب الایمان کی روایت میں ہے" لَعَنَ اللهُ النَّاظِرَ والْمَنْظُورَ إِلَيْهِ"(السنن الکبری:۷۷۹۹) کہ غیر محرم (عورت) کو دیکھنے

والا اور غیر محرم (عورت) جس کو لوگ دیکھیں دونوں پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں بَينَمَا رسولُ اللهِ ﷺ جالسٌ في المسجدِ دَخَلَتْ امرأةٌ مِنْ مُزَينةَ ترْفُلُ فِي زِينةٍ لَهَا فِي المسجدِ فقال النَّبيُّ ﷺ يا أيُّها النّاسُ اِنهُوا نساءَكم عَنْ لُبسِ الزِّينةِ والتَّبختُرِ في المسجدِ فإنَّ بني إسرائيلَ لم يُلعَنُوا حتّى لَبِسَ نِسَاؤُهُم الزِّينةَ وَتَبَخْتَرُوا في المسجدِ (ابن ماجہ /۷۹۸) کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ قبیلۂ مزینہ کی ایک عورت زیب وزینت کے لباس میں مٹکتی ہوئی مسجد میں داخل ہوئی تو رسول ﷺ نے فرمایا اے لوگو! اپنی عورتوں کو زیب وزینت کا لباس پہن کر مسجد وغیرہ میں مٹکنے سے روکو کیونکہ بنی اسرائیل پر اس وقت تک لعنت نہیں کی گئی جب تک ان کی عورتوں نے زیب و زینت کا لباس پہن کر مسجدوں وغیر میں مٹکنا اختیار نہیں کیا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ مسجدیں جو کہ اللہ کا مقدس اور پاکیزہ گھر ہیں جب وہاں عورتوں کے کو زیب وزینت کے ساتھ آنے اور مٹکنے کی اجازت نہیں تو بھلا گلی کوچوں، میلوں ٹھیلوں اور بازاروں میں شریعت اس کو کہاں گوارا کر سکتی ہے۔

برقعہ و نقاب میں بھی بے پردگی

آج جہاں ایک طرف عورتوں کے دلوں سے حیا اور شرعی پردے کی وقعت واہمیت نکلتی جارہی ہے کہ اکثر عورتیں بضرورت یابلاضرورت گھروں سے بے نقاب و بے پردہ ہی نکلتی ہیں اور گلی، کوچوں اور بازاروں میں گھومتی پھرتی کھاتے پیتی نظر آتی ہیں، جس کی نہ تو اسلام اجازت دیتا ہے اور نہ ہی انسانی واخلاقی حمیت وغیرت اس کو گوارا کرتی ہے،

تو دوسری طرف نقاب بھی ایک فیشن و نمائش اور زیب وزینت کی صورت اختیار کرتا جارہا ہے، کہ بہت سی عورتیں برقعہ و نقاب کو پردہ کے طور پر استعمال کرنے کے بجائے زیب وزینت اور فیشن کے طور پر استعمال کررہی ہیں جس سے شرعی پردے کا مقصد بالکل حاصل نہیں ہوتا، چنانچہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ کیسے کیسے مزیّن، منقش، رنگین، ڈیزائن دار بیل بوٹے والے، باریک، چُست، فِٹ، چِکنے، ملائم، دیدہ زیب، جاذبِ نظر اور خوب صورت کپڑے والے ایک سے بڑھ کر ایک برقعے و نقاب ایجاد ہوچکے ہیں جو غیروں کی نظروں کو ہٹانے اور دور رکھنے کے بجائے مزید دیکھنے اور اپنے نظارے کی دعوت دیتے ہیں، جسے نہ توشرعی پردہ کہہ سکتے اور نہ ہی اس کے ذریعے پردے کا مقصد حاصل ہوسکتا ہے، اور ہماری اکثر مائیں اور بہنیں جانے یا انجانے میں ایسے ہی نقابوں وبرقعوں کو پسند کرتی ہیں اوراسے استعمال کرتی ہیں، اس لیے اس کی اصلاح حد درجہ ضروری ہے، اوراس کی صحیح اور کماحقہٗ اصلاح علماء کرام اپنے بیان و تقریر کے ذریعے اور ہر گھر کے غَیُّور اور باحیامرد حضرات اپنی دینی وایمانی حَمیّت کے ذریعے ہی کرسکتے ہیں۔

نقاب وبرقعہ کا مقصد

معلوم ہونا چاہئے کہ برقعہ و نقاب کا اصل مقصد عورتوں کو غیر مردوں سے چھپانا اور بچانا ہے اور ان کی عزت وناموس کی حفاظت کو یقینی بنانا ہے، اور ان کے محاسن وزیب وزینت کی ان تمام چیزوں سے اجنبی مردوں کی نظروں کو دور رکھنا ہے جسے دیکھ کر طبیعت میں ہیجانی کیفیت پیدا ہوتی ہے یا گندے اور خراب تصور وخیالات جنم لیتے ہیں جس سے مرد عورت دونوں گناہ وفتنے میں مبتلا ہوتے ہیں یا جس کا معاشرے پر بہت بُرا اور خراب اثر مرتب ہوتا ہے،

اور ظاہر سی بات ہے کہ برقعہ و نقاب کے یہ تمام مقاصد اور فوائد اسی وقت

حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ نقاب و برقعہ شریعت کے مطابق ہو اور عورت کے دل میں خدا کا خوف اور آخرت کا ڈر ہو اور وہ خود اپنی عزت ناموس کی حفاظت کی فکر کرے، ورنہ، تو ہی اگر نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں

الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو
ہر چیز میں لذت ہے جب دل میں مزہ ہو

برقعہ و نقاب کیسا ہونا چاہیئے

برقعہ و نقاب انتہائی سادہ سودہ ہونا چاہیے، اس میں نقش و نگار بیل بوٹے، پھول پتی ہر گز نہ ہوں، اور نہ ہی ایسے رنگ و کلر کا ہو جو جاذبِ نظر ہونے کی وجہ سے مردوں کی توجہ و میلان کا سبب بنے، اور نہ ہی جسم پر بالکل چست اور فٹ ہو کہ اس سے جسم کی ساخت ہیئت اور نشیب و فراز ظاہر ہو،

برقعہ باریک نہ ہو جس سے جسم کا لباس اور دیگر زیورات وغیرہ ظاہر ہوتے ہوں بلکہ وہ اس قدر دبیز و موٹا ہو جس سے جسم اور اس کا لباس وغیرہ نظر نہ آئے، کیوں کہ زیورات کی طرح عورت کا لباس و کپڑا بھی زینت میں داخل ہے جسے نقاب و برقعہ کے ذریعے چھپا رہنا چاہیئے جیسا کہ فرمانِ باری تعالی ہے وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ (النور ۳۱/) اور عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔

برقعہ ایک دم ڈھیلا ڈھالا ہونا چاہئے جس سے جسم نمایاں نہ ہو، اس قدر بڑا ہونا چاہئے جس میں جسم اچھی طرح چھپ جائے، ارشاد باری تعالی ہے يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ (الاحزاب /۵۹) کہ اے پیغمبر اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ نیچی کر لیا کریں اپنے اوپر اپنی چادریں۔

آیت کریمہ میں جِلبَاب کا لفظ آیا ہے، علماء فرماتے ہیں کہ جِلباب ایسی موٹی وبڑی چادر کو کہتے ہیں جو عورت کو پورے طور پر اپنے اندر ڈھانپ لے۔

نیز برقعہ مردوں کے لباس کے مشابہ بھی نہ ہو اسی طرح کافر یا دین بیزار اور بد دین عورتوں کے فیشنی برقعہ کے مشابہ نہ ہو کیونکہ ان لوگوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے،

برقعہ پر مہکنے والی خوشبو بھی نہ لگائی جائے جو کہ مردوں کے لیے فتنہ کا باعث بنے، نقش و نگار سے مزین اور ایسا جاذبِ نظر برقعہ پہننا جو نامحرموں کو اس کی طرف دیکھنے پر برانگیختہ کرے درست نہیں،

مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مزین برقع پہن کر نکلنا بھی ناجائز ہے، امام جَصَّاص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب زیور کی آواز تک کو قرآن نے اظہارِ زینت میں داخل قرار دے کر ممنوع کیا ہے تو مزین رنگوں کے کامدار و پھولدار برقعے پہن کر نکلنا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہو گا۔

پردہ کے کتنے درجے ہیں؟

قرآن و حدیث کی روشنی میں اجنبی مردوں سے پردہ کرنے کے تین درجے ہیں۔

(۱) پہلے درجہ کا پردہ یہ ہے کہ عورت دیوار یا پردہ کے پیچھے آڑ میں رہے کہ اس کا وجود اس کی نقل و حرکت مردوں کی نظروں سے پوشیدہ رہے اس کی ظاہر و مخفی زینت کا کوئی حصہ نظر نہ آئے حتی کہ اس کے کپڑوں پر بھی اجنبی مردوں کی نظر نہ پڑے یہ سب سے اعلیٰ درجہ کا پردہ ہے، قرآن و حدیث کی رو سے اصل مطلوب یہی درجہ ہے، اس کا ذکر قرآن کی ان مندرجہ ذیل آیتوں میں ہے وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى (الاحزاب / ۳۳) اے

بیبیو! تم اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہا کرو۔ اور (غیر مردوں کو) بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو جیسا کہ پہلی جاہلیت میں دکھایا جاتا تھا۔

وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (الاحزاب/۵۳) اور جب تم عورتوں سے کوئی چیز استعمال کے لیے مانگو تو پردے کی آڑ میں ہو کر مانگو

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ (الطلاق/۱) عورتوں کو ان کے گھروں سے باہر نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔

اور حدیث شریف میں ہے المرأۃُ عورۃٌ، فإذا خرجَتْ اسْتَشْرَفَها الشیطانُ (ترمذی/۱۲۷۳) کہ عورت پردے میں رہنے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے اور اس کے درپے ہوتا ہے۔

(۲) پردے کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ جب عورت شرعی و طبعی ضرورت یا کسی مجبوری کی وجہ سے گھر سے باہر نکلے تو اس وقت کسی برقع یا لمبی چادر کو سر سے پیر تک اوڑھ کر نکلے جس سے چہرہ ہتھیلیاں اور بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو راستہ دیکھنے کے لیے صرف آنکھ کھولے یا برقع میں آنکھ کی جگہ جالی لگالے،

پردے کی یہ صورت بھی بالاتفاق ضرورت کے وقت جائز ہے مگر اس صورت کے اختیار کرنے پر صحیح حدیثوں کی بنیاد پر چند پابندیاں لازم و ضروری ہیں مثلاً خوشبو نہ لگائے، بجنے والا کوئی زیور نہ پہنے، راستہ کے کنارے پر چلے، مردوں کے مجمع و بھیڑ میں داخل نہ ہو وغیرہ، غرضیکہ فتنہ و فساد کے تمام احتمالات کا انسداد و سدِّباب کر کے نکلے،

اس پردے کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ

(الاحزاب/۵۹) کہ اے نبی جی آپ اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمان کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر چادریں ڈال لیا کریں۔

حضرت امِّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس آیت کے نزول کے بعد جب انصاری عورتیں اس آیت پر عمل کرتی ہوئیں گھر سے باہر نکلیں تو چونکہ انہوں نے اپنی سیاہ چادروں کو سر اور باقی بدن پر اچھی طرح اوڑھ لیا تھا، سب کے سر سیاہ چادروں میں ڈھک گئے تھے تو دیکھنے والوں کو ایسا لگتا تھا "کأنّ علیٰ رُءُوسِھنّ الغِربانَ مِن الاکسیۃِ" (سنن ابی داود ۴۱۰۱) گویا ان کے سروں پر کوّے بیٹھے ہیں۔

اور حدیث پاک میں ہے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں

أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُورِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ قَالَتْ امْرَأَةٌ يَا رَسُولَ اللهِ إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا (بخاری/۳۵۱)

کہ ہمیں حکم ہوا کہ ہم عیدین کے دن حائضہ اور پردہ نشین عورتوں کو بھی باہر لے جائیں۔ تاکہ وہ مسلمانوں کے اجتماع اور ان کی دعاؤں میں شریک ہو سکیں۔ البتہ حائضہ عورتوں کو نماز پڑھنے کی جگہ سے دور رکھیں۔ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ! ہم میں بعض عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے پاس (پردہ کرنے کے لیے) چادر نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی ساتھ والی عورت اپنی چادر کا ایک حصہ اسے اڑھا دے۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت اپنی ازار کو (پنڈلی سے) ایک بالشت نیچے لٹکائے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا إذًا تَنْكَشِفُ أَقدامُهُنَّ. قَالَ: فَيُرخِينَهُ ذِرَاعًا. (الترمذی/۱۷۳۱)

کہ اس صورت میں ان کے پیر کھلے رہیں گے تو حضور ﷺ نے فرمایا تو ایک ہاتھ لٹکالیا کرے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ **يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّ** کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "**أَمَرَ اللهُ نِسَاءَ المؤمنينَ إذا خَرَجْنَ مِنْ بُيُوتِهِنَّ فِي حَاجَةٍ أَنْ يُغَطِّيْنَ وَجُوهَهُنَّ مِنْ فَوْقِ رُؤُوسِهِنَّ بِالْجَلَابِيبِ وَيُبْدِينَ عَيْناً وَاحِدَةً**" کہ اللہ تعالی نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ بضرورت گھر سے باہر نکلیں تو اپنے چہروں پر چادر کا گھونگھٹ نکال لیں اور صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں۔

(۳) تیسرے درجے کا پردہ یہ ہے کہ سارا بدن سر سے پیر تک کسی برقعہ یا لمبی چادر میں چھپا ہوا ہو مگر چہرہ اور ہتھیلیاں کھلی ہوں،

اور اس پردے کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے

وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا (النور/۳۱) کہ عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کی جگہوں کو ظاہر نہ کریں مگر جو ان میں سے اکثر بیشتر ظاہر ہی رہتی ہیں۔

جو جگہ اکثر ظاہر رہتی ہے حدیث پاک میں اس کی تفسیر چہرہ اور ہتھیلیوں کے ساتھ کی گئی ہے جس کو ضرورت کی وجہ سے کھولنا مستثنیٰ ہے اور فقہاء نے پیروں کو چہرے اور ہتھیلیوں پر قیاس کرکے اس کو بھی مستثنیٰ کیا ہے۔

اور حدیث پاک میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "**يَا أسماءُ إنَّ المرأةَ إذا بَلَغَتِ المَحِيضَ لَمْ يَصْلُحْ أَنْ يُرىٰ مِنْها إلّا هٰذا وَهٰذا وأَشَارَ إلىٰ وَجْهِهِ وَكَفَّيهِ**" (سنن ابی داود/۴۱۰۴)

کہ اے اسماء جب عورت بالغ ہو جائے تو جائز نہیں کہ اجنبی مرد اس کے کسی عضو کو دیکھیں سوائے اس کے اور اس کے اور حضور ﷺ نے اپنے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا یعنی ان دونوں کو کھولنا جائز ہے۔

ضروری تنبیہ

لیکن خیال رہے کہ پردہ کی یہ قسم اس وقت جائز ہے جب چہرہ اور ہاتھ کھولنے میں کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو ورنہ چہرہ اور ہاتھ بھی کھولنا جائز نہیں، اور چوں کہ عورت کی زینت کا سارا مرکز اس کا چہرہ ہے اس لیے اس کے کھولنے میں فتنہ کا خطرہ نہ ہو یہ شاذ و نادر اور بہت کم ہے اور شاذ و نادر معدوم کے حکم میں ہوتا ہے اس لئے تمام علماء و فقہاء کے نزدیک پردہ کی یہ قسم کہ جس میں پورا بدن تو ڈھکا وچھپا ہو لیکن چہرہ کھلا رہے جائز نہیں ہے چنانچہ دُرِّ مختار میں ہے تُمْنَعُ الشَّابَّةُ وَجُوباً عن كَشْفِ الوَجْهِ بَيْنِ الرِّجَالِ لَا لِانه عَورَةٌ بَلْ لِخَوْفِ الفِتْنَةِ۔ کہ جوان عورت کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے سے وجوب و لزوم کے درجہ میں منع کیا جائے گا لیکن اس وجہ سے نہیں کہ چہرہ بِالذات ستر میں داخل ہے بلکہ اس وجہ سے کہ جوان عورت کے چہرہ کھولنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔

مولانا ادریس کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے {وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ} کے تحت لکھا ہے:

”عورت کو اپنی یہ زینتِ ظاہرہ یعنی چہرہ اور دونوں ہاتھ) صرف مَحارم کے سامنے کھلا رکھنے کی اجازت ہے نامحرموں کے سامنے کھولنے کی اجازت نہیں، عورتوں کو اس بات کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں کہ وہ سرِ بازار چہرہ کھول کر اپنا حسن و جمال دکھلاتی پھریں، حسن و جمال کا تمام دار و مدار چہرہ پر ہے اور اصل فریفتگی چہرے پر ہی ختم ہے، اس لیے شریعتِ مطہرہ نے زنا کا دروازہ بند کرنے

کے لیے نامحرم کے سامنے چہرہ کھولنا حرام قرار دیا ہے)معارف القرآن، کاندھلوی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اب پردے کے صرف دو ہی درجے باقی رہ گئے ایک پہلا درجہ یعنی عورتوں کا گھروں کے اندر رہنا بلا ضرورت باہر نہ نکلنا،

اور دوسرا درجہ یعنی بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت برقعہ ونقاب یا اس جیسا کوئی کپڑا جو حِجاب کے تقاضے کو پورا کرنے والا ہو اس کے ساتھ نکلنا۔

عورت کا گھر سے باہر ملازمت کرنا

صنفِ نازک "عورت" گھر کی زینت اور گھر کی ملکہ و شہزادی ہے، اس کی ساری ضروریاتِ زندگی کو شریعت نے مَردوں کے ذمے رکھ دیا ہے، اسے کمانے کھانے کے لئے گھر سے باہر نکل کر ملازمت کرنے اور دھکے کھانے کی حاجت وضرورت ہی نہیں، جب تک اس کی شادی نہیں ہوتی اس کی ساری ضروریات کا بوجھ باپ اٹھاتا ہے، اور شادی ہونے کے بعد ساری ذمہ داری شوہر کے ذمہ آجاتی ہے، اور صاحبِ اولاد ہونے کی صورت میں لڑکے بھی شرعی طور پر اس کی ضروریات کے ذمہ دار ہوتے ہیں،

اس لئے محض فیشن اور تفریح کے طور پر یا محض مال ودولت میں اضافہ وزیادتی کی خاطر یا عیش وعشرت اور ٹھاٹ باٹ والی زندگی بسر کرنے کے لئے عورتوں کا گھر سے باہر نکل کر ملازمت کرنا شرعی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں ہے اور غیرت وحَمِیَّتْ کے بھی خلاف ہے، اور بے شمار مفاسد اور فتنوں کا باعث اور سبب ہے،

ہاں البتہ اگر حاجت وضرورت اور مجبوری ہو بایں طور کہ نہ تو اس کی ضروریات کا کوئی کفیل و ذمہ دار ہو اور نہ ہی حاجت وضرورت پوری ہونے کی

کوئی اور شکل، تو ایسی حالت میں اسے اپنی عزت وناموس کی حفاظت کی فکر کے ساتھ باہر نکل کر ملازمت کرنے اور اپنی ضروریات کا انتظام کرنے میں کوئی حرج وگناہ نہیں، شریعت کی طرف سے اس کی اجازت ہے۔

عورتوں کے بناؤ سنگار میں غلو کا فتنہ

معلوم ہونا چاہیے کہ شریعتِ اسلامیہ میں عورتوں کے لیے بناؤ سنگار کی گنجائش مردوں کے مقابلہ میں زیادہ رکھی گئی ہے تاہم اس میں بھی بہت غلو کو پسند نہیں کیا گیا ہے اور ضروری ہے کہ یہ زیبائش و آرائش شرعی حدود کے اندر ہی رہے،

لیکن آج کل عورتوں کے اندر آرائش وزیبائش اور بناو سنگار میں غلو اور حد سے تجاوز کا رُجحان عام ہوتا جا رہا ہے اور آرائش و زیبائش کے مختلف طریقے اورزیب وزینت اور فیشن کی بیشمار چیزیں بھی ایجاد ورائج ہوچکی ہیں، جنھیں عورتیں خود کو حسین اور خوبصورت بنانے کے لیے جائز وناجائز کی پرواہ کیے بغیر اختیار کرنے لگیں ہیں جبکہ ان میں بعض ایسی چیزیں ہیں جو شرعی لحاظ سے صحیح نہیں اور بعض میں اسراف و فضول خرچی حد سے زیادہ پائی جاتی ہے اور بعض ایسی ہیں کہ ان کا ایک مسلمان عورت کے لیے اختیار کرنا مناسب نہیں ہے، اس لیے عورتوں کو آرائش وزیبائش میں احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔

چند ایسے بناؤ سنگار جن میں ابتلائے عام ہو رہا ہے

ناخن پالش اور لپ اسٹک

عورتیں ہونٹ اور ناخن سرخ ورنگین کرنے کے واسطے ایسی نیل پالش اور لپ اسٹک استعمال کرتی ہیں جو جسم دار ہوتی ہیں جس کے لگانے کے بعد ہونٹ

وناخن پر ایک تہہ اور پرت جم جاتی ہے جو وضو اور غسل کا پانی ہونٹ وناخن تک پہنچنے سے روک دیتی ہیں جس کے سبب نہ غسل ہوتا ہے اور نہ وضو اور جب وضو اور غسل نہ ہوا تو نماز کیسے ہو گی؟لہذا ایسی ناخن پالش اور لپ اسٹک سے عورتوں کو بچنا ضروری ہے، ہاں البتہ جو ایسی نہ ہوں یعنی ناخن اور ہونٹ تک پانی پہنچنے سے رکاوٹ نہ بنیں ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رَأَی رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَوْمًا یَتَوَضَّئُونَ فَرَأَی أَعْقَابَهُمْ تَلُوحُ. فَقَالَ: وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ. أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ". (نسائی/۱۱۱) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو وضو کرتے ہوئے دیکھا اور یہ دیکھا کہ ان کی ایڑیاں چمک رہی ہیں یعنی خشک ہیں تر نہیں ہوئیں اس پر آپ نے فرمایا ایڑیوں کے لئے آگ کی تباہی ہو، وضو اچھی طرح مکمل کیا کرو۔

بیوٹی پارلرز کے میک اپ

موجودہ زمانے میں بیوٹی پارلرز یعنی بناؤ سنگار کی دکانیں کھل گئی ہیں جن میں عورتیں جاکر واٹر پروف (جو پانی سے خراب نہ ہو) یا غیر واٹر پروف میک اپ کراتی ہیں خصوصاً شادی بیاہ کے مواقع پر دولہن وغیرہ کا میک اپ کرانا جو کافی مہنگا ہوتا ہے، جس کے کرانے کے بعد عورتیں میک اپ خراب ہو جانے کے ڈر سے نہ وضو کرتی ہیں اور نہ نماز پڑھتی ہیں، اس طرح ان کی کئی کئی نمازیں اس میک اپ کی نذر ہو جاتی ہیں، اور ان بیوٹی پارلرز میں جانے سے جہاں ایک طرف ان میں آرائش وزیبائش کے تعلق سے اسراف، فضول خرچی اور غلو کا مزاج بڑھتا اور پیدا ہوتا ہے تو دوسری طرف شرم وحیاء جو عورتوں کا خصوصی امتیاز اور اسلام کی روح وجان ہے وہ بھی رخصت ہو جاتی ہے، لہذا ایسے اسراف و فضول خرچی

والے اور نماز وحیا جیسی اہم چیز ضائع ہونے کا سبب بننے والے بناو سنگار سے مسلمان عورتوں کو بچنے اور دور رہنے کی سخت ضرورت ہے، اسلام ایک اعتدال پسند اور سادگی پسند مذہب ہے اس لیے مسلمان عورتوں کو چاہیے کہ اعتدال اور سادگی کے ساتھ ہی اپنے شوہروں کے واسطے زیب وزینت اختیار کریں اسی میں ان کی دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔

بھنوؤں کو باریک کرنا

بہت سی عورتیں خوبصورتی پیدا کرنے کے واسطے اپنے بھنوؤں کے بال اکھاڑ کر یا کسی اور طریقے سے زائل کرکے انہیں باریک بناتی ہیں اب تو یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ مصنوعی چوٹی کی طرح مصنوعی بھنویں اور پلکیں بھی لگائی جاتی ہیں، ہماری ماؤں اور بہنوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کی جو خِلقی اور پیدائشی بناوٹ وصورت ہے اگر وہ عادت وفطرت کے مطابق ہو تو اس میں اپنی طرف سے ردوبدل کرنے کی انھیں اجازت نہیں، کیوں کہ یہ ردوبدل در حقیقت اللہ کی تخلیق اور بناوٹ میں ردوبدل کرنا ہے جو کہ قرآن کے مطابق شیطانی عمل ہے اور حدیث کے مطابق اللہ کی لعنت وپھٹکار کا سبب ہے چنانچہ قرآن کریم کا بیان ہے وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا(النساء/۱۱۹) (شیطان نے کہا) کہ میں انھیں یعنی انسان کو راہِ راست سے بھٹکا کر رہوں گا اور انھیں خوب آرزوئیں دلاؤں گا اور انھیں حکم دوں گا تو وہ چوپایوں کے کان چیر ڈالیں گے اور انھیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی پیدا کریں گے اور جو شخص اللہ کے بجائے شیطان کو دوست بنائے اس

نے کھلے کھلے خسارے کا سودا کیا۔

اور اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے لَعَنَ اللّٰہُ الواشِماتِ والمُسْتَوْشِماتِ والنّامِصاتِ والمُتَنَمِّصاتِ والمُتَفَلِّجاتِ لِلْحُسْنِ المُغَيِّراتِ خَلْقَ اللّٰہِ (مسلم شریف/۲۱۲۵)وفی البخاری لَعَنَ اللّٰہُ الواصِلَةَ والمُسْتَوْصِلَةَ(۵۹۳۳) کہ اللہ نے لعنت کی ہے گودنے والیوں اور گدوانے والیوں پر (یعنی اپنی جلد وچمڑی میں سوئی وغیرہ کے ذریعے رنگ بھرنے والیوں پر،(یہ عرب کا قدیم فیشن تھا اور یہ چیز آج بھی غیروں میں بکثرت پائی جاتی ہے جو ٹیٹو کے نام سے مشہور ہے) اور بھنوؤں کے بال اکھاڑنے اور اکھڑوانے والیوں پر اور حسن پیدا کرنے کے لئے دانتوں کو کشادہ کرنے والیوں پر جو اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلنے والیاں ہیں۔

اور بخاری شریف میں مزید یہ بھی ہے کہ (اپنے بالوں کے ساتھ انسانی) بالوں کو لگانے والی اور لگوانے والی پر بھی اللہ کی لعنت ہے۔

اس حدیث میں عورتوں پر جو خدا تعالی کی لعنت وپھٹکار پڑرہی ہے اس کی وجہ یہاں یہی بیان کی گئی ہے کہ یہ سب عورتیں اپنے ان اعمال سے اللہ کی تخلیق وبناوٹ کو بدلنے والیاں ہیں،لہذا عورتوں پر ضروری کہ ایسی حرکتوں سے اپنے کو دور رکھیں جو اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی کی باعث ہوں خصوصاً ان چیزوں سے جن کی صراحت کے ساتھ قرآن وحدیث میں ممانعت آئی ہے،

اور اعتدال کے ساتھ آرائش وزیبائش کی وہی چیزیں اپنائیں اور بناؤ سنگار کے وہی طریقے اختیار کریں شریعت میں جن کی اجازت ہے۔

تنبیہ:

۱)عورتوں کا اپنے بالوں کے ساتھ انسانی بالوں کے علاوہ کسی جانور یا نائلون

وغیرہ کے بال لگانے میں کوئی حرج نہیں۔(کما فی الھندیہ ولاباس للمرأۃ ان تجعل فی قرونھا وذوائبھا شیئا)

۲)اور اگر عورت کے چہرے پر ڈاڑھی نکل آئے یا ہاتھ پیر میں زائد انگلی تو اس کو زائل اور دور کرنا تغییر خلق اللہ میں داخل نہیں ہے اور نہ سببِ لعنت ہے، کیونکہ یہ انسانی عادت وفطرت کے خلاف ہے اور جو چیز انسانی عادت وبناوٹ کے خلاف ہو اسے دور کرنا اللہ کی تخلیق وبناوٹ میں تبدیلی نہیں ہے، اسی طرح وہ چیزیں بھی تغییر خلق اللہ میں داخل نہیں ہیں جن کے کاٹنے، زائل و صاف کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہو جیسے کہ ختنہ کرانا، مونچھ کتروانا، بغل وزیرِ ناف وغیرہ کے بال صاف کرنا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے خَمْسٌ مِنَ الْفِطْرَةِ: الْخِتَانُ وَالِاسْتِحْدَادُ وَنَتْفُ الْإِبِطِ وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ وَقَصُّ الشَّارِبِ (بخاری/۵۸۸۹) کہ پانچ باتیں فطرت سے ہیں ختنہ کرانا، زیر ناف بال کی صفائی کرنا، بغلوں کے بال اکھاڑنا، ناخن تراشنا اور مونچھیں کتروانا۔

اور نسائی شریف میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں عشرةٌ منَ الفطرةِ قصُّ الشاربِ وقصُّ الأظفارِ وغسلُ البراجمِ وإعفاءُ اللحيةِ والسواكُ والاستنشاقُ ونتفُ الإبطِ وحلقُ العانةِ وانتقاصُ الماءِ (نسائی/۵۰۵۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دس چیزیں انسانی فطرت کا تقاضا ہیں مونچھیں کاٹنا، ناخن تراشنا انگلیوں کے جوڑوں اور پوروں کو اچھی طرح دھونا، داڑھی پوری رکھنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی چڑھانا یعنی ناک کی صفائی کرنا بغلوں کے بال اکھیڑنا، شرم گاہ کے بال مونڈنا، پانی کے ساتھ استنجا کرنا۔ مصعب بن شیبہ (راوئ حدیث) نے کہا: دسویں چیز میں

بھول گیا۔ امید ہے کہ وہ کلی کرنا ہو گا۔

عورتوں میں مردوں کی مشابہت کا مرض

موجودہ زمانے میں عورتوں کے اندر یہ مرض بھی بکثرت عام ہوتا جارہا ہے کہ وہ بہت سی چیزوں میں مردوں کی نقل اور مشابہت اختیار کررہی ہیں

مثلاً مردانہ لباس وپوشاک اور مردانہ جوتے پہننا، اسی طرح بال جو کہ ان کی زینت کا سامان اور ان کی شناخت اور پہچان ہے اسے کٹانا اس میں تراش خراش کرنا جس سے ان کی صورت مردوں جیسی ہو جاتی ہے،

معلوم ہونا چاہیے کی مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر حدیث پاک میں لعنت آئی ہے چنانچہ بخاری شریف میں ہے لَعَنَ رَسولُ اللهِ ﷺ المُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجالِ بالنِّساءِ والمُتَشَبِّهاتِ مِنَ النِّساءِ بالرِّجالِ (بخاری / ۵۸۸۵) کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔

اور ایک روایت میں تو اس سے بھی زیادہ سخت وعید وارد ہوئی ہے حضرت عمار بن یاسر روایت کرتے ہیں ثلاثةٌ لا يَدخلُونَ الجنةَ أبدًا: الدَّيُّوثُ، و الرَّجِلَةُ من النِّساءِ، و مُدمِنُ الخمْرِ (صحیح الجامع / ۳۰۶۲) کہ تین لوگ کبھی بھی جنت میں نہیں جائیں گے ایک دَیُّوث (یعنی جو اپنے اہل وعیال میں بے حیائی وبرائی برقرار رکھے) دوسرا مَردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورت تیسرا شراب کے نشے میں دُھت رہنے والا۔

لواطت وہم جنسی

یعنی مرد کا مرد سے اپنی جنسی خواہش پوری کرنا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ علىٰ أُمتِي، عَمَلُ قَومِ لُوطٍ." (الجامع الصغیر / ۲۱۸۶)
"مجھے اپنی امت کے حق میں سب سے زیادہ جس چیز کا خطرہ ہے وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی حرکت ہے۔ (یعنی بد فعلی والا عمل کہ کوئی مرد کسی مرد سے اپنی خواہش پوری کرے)

خلافِ فطرت طریقے سے شہوت پوری کرنے والے انسان نہیں بلکہ وہ جانور سے بھی بدتر و بدبخت ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالی ان کی طرف قطعاً نظر رحمت سے نہ دیکھیں گے،لواطت و ہم جنسی لوط علیہ السلام کے قوم کی بری عادت تھی اس خباثت اور گندے عمل کی ابتدا اور شروعات اسی قوم سے ہوئی جس کے سبب یہ لوگ معذّب اور سزایافتہ قوموں میں سب سے بدترین قسم کے عذاب سے ہلاک و برباد کیے گئے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے " وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ. اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ(سورۃ الأعراف / ۸۰-۸۱)"اور ہم نے لوط کو بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ایسی بے شرمی کا کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے پوری کائنات میں کسی نے نہیں کیا! تم عورتوں کے بجائے مردوں سے اپنی نفسانی خواہش پوری کرتے ہو بلکہ تم تو حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔"

"فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ (۸۲) مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ (۸۳)(سورۃ ھود)"پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اس زمین کو زیر و زبر و تہ و بالا کر دیا اور ان پر پکی مٹی کے پتھر برسائے جن پر تمہارے رب کی طرف سے نشان

لگے ہوئے تھے اور یہ بستی مکہ کے ان ظالموں سے کچھ دور نہیں ہے۔"

لواطت و ہم جنسی خدا اور رسول کے نزدیک اس قدر سخت و مذموم اور مبغوض ہے کہ الامان و الحفیظ! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالی نے اپنی مخلوق میں سے سات قسم کے لوگوں پر سات آسمانوں کے اوپر لعنت بھیجی ہے اور ان سات میں سے ایک پر تین دفعہ لعنت بھیجی ہے اور باقی پر ایک دفعہ، فرمایا: "ملعون ہے وہ شخص جو قومِ لوط والا عمل کرتا ہے۔" (الترغیب والترھیب)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس کو تم قومِ لوط کی طرح غیر فطری حرکت کرتا ہوا دیکھو تو تم فاعل اور مفعول یعنی کرنے اور کرانے والے دونوں کو مار ڈالو۔"

حافظ ذَکِیُّ الدین رحمۃ اللہ علیہ نے "ترغیب و ترہیب" میں لکھا ہے کہ چار خلفاء حضرت ابو بکر صدیق، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اور ہشام بن عبد الملک نے اپنے زمانوں میں غیر فطری حرکت و بد فعلی کرنے والوں کو آگ میں جلا ڈالا۔

اپنی بیوی جو حلال ہے اس کے ساتھ بھی غیر فطری عمل کرنے پر شدید ترین وعید وارد ہوئی ہے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالی اس مرد کی طرف رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے جو مرد عورت کے ساتھ غیر فطری عمل کرے یعنی پیچھے کے راستے سے خواہش پوری کرے۔ (سنن ترمذي)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مَلْعُوْنٌ مَنْ اَتٰي امْرَءَتَهٗ فِيْ دُبُرِهَا." (سنن أبي داود / ۲۱۶۲) "جو شخص

اپنی بیوی کے پیچھے کی شرمگاہ میں آئے یعنی غیر فطری عمل کرے وہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے دور ہے۔"

مال کا فتنہ

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ مال و دولت کی کثرت و فراوانی اکثر انسانوں کو بغاوت و سرکشی اور بہت سی برائیوں اور گناہوں پر ابھارتی ہے، اور اصل مقصدِ زندگی سے غافل اور بے پرواہ کر دیتی ہے، حضور اکرم ﷺ کو اپنی امت کے حق میں اس کا بہت زیادہ ڈر اور خطرہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے امت کو اس خوش نما فتنے سے آگاہ فرمایا تاکہ امت اس کے بُرے اثرات و خطرات سے بچنے کی کوشش کرے اور مال و دولت کی ہَوَس اور لالچ میں اصل مقصدِ زندگی کو فراموش نہ کر بیٹھے، چنانچہ حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "إنَّ لِكُلِّ أمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ أُمَّتِي: اَلْمَالُ (صحيح الترمذي / ۲۳۳۶)

کہ ہر امت کے لئے کوئی نہ کوئی فتنہ و آزمائش رہی ہے، اور میری امت کا فتنہ اور اس کی آزمائش مال ہے۔

اور حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "فَواللهِ لَا الفَقْرَ أَخْشىٰ عليْكُم، ولَكِنْ أَخْشىٰ عليْكُم أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيا كَما بُسِطَتْ علىٰ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ. (صحيح البخاري / ۳۱۵۸)

خدا کی قسم! مجھے تمہارے بارے میں فقر و تنگدستی کا اندیشہ نہیں ہے لیکن مجھے تمہارے بارے میں یہ ڈر ضرور ہے کہ تم پر دنیا وسیع کر دی جائے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر وسیع کی گئی تھی، پھر تم اس کو بہت زیادہ چاہنے لگو جیسا کہ

انہوں نے اس کو بہت زیادہ چاہا پھر وہ تم کو برباد کر دے جس طرح ان کو برباد کیا۔

نیز آپ نے ارشاد فرمایا: "إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ، وإِنَّ اللهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ، فَاتَّقُوا الدُّنْيَا(صحیح مسلم ۲۷۴۲)
"یقیناً دنیا شیریں اور سبز وشاداب ہے اور اللہ رب العزت اس میں تم کو اپنا نائب و خلیفہ بنانے والا ہے پھر وہ دیکھے گا کہ تم اس میں کیا کرتے ہو، لہذا دنیا سے بچو"

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لُعِنَ عَبْدُ الدِّينَارِ لُعِنَ عبدُ الدِّرهمِ (سنن الترمذي: ۲۳۷۵) کہ دینار کا پجاری خدا کی رحمت سے دور کیا جائے اور درہم کا پجاری بھی اللہ کی رحمت سے دور کیا جائے۔

دینار و درہم کے پجاری وہ لوگ ہیں جو دنیا اور دولت کی حرص و ہوَس میں ایسے گرفتار ہیں کہ احکام خداوندی اور حلال حرام تک کا پاس ولحاظ نہیں رکھتے، نہ اس کے حقوق زکوۃ وغیرہ ادا کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے حق میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی بددعا فرمائی ہے کہ ان پر خدا کی لعنت ہو اور وہ اللہ کی رحمت سے دور ہوں، پس جو شخص مال و دولت کی بے جا حرص و محبت کی وجہ سے اللہ کی رحمت سے دور کر دیا گیا اس کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا خسارہ اور نقصان ہو سکتا ہے۔

بندہ کا اصل مال

بندہ کا اصل مال وہ ہے جو اللہ کے راستے میں خرچ کر کے آخرت کے واسطے آگے بھیج دیا اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ در حقیقت اس کا نہیں ہے بلکہ اس کے

ورثاء کا ہے لہٰذا عقلمند وہ ہے جو آخرت کے لئے سرمایہ محفوظ کرنے کی فکر کرے اور نیکی اور بھلائی کے مصارف میں اپنی وسعت وقدرت کے مطابق خرچ کرتا رہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین مجلس سے دریافت کیا: "أَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِن مَالِهِ؟" تم میں کون شخص ایسا ہے جس کو اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال محبوب اور پیارا ہے؟" حاضرین نے عرض کیا: یا رَسولَ اللهِ! ما مِنّا أحَدٌ إلّا مَالُهُ أحَبُّ إلَيْهِ. ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے اپنا مال وارث کے مال سے زیادہ محبوب نہ ہو، آپ نے فرمایا: جب بات یہ ہے تو معلوم ہونا چاہیے "فإنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ، ومَالُ وارِثِهِ مَا أخَّرَ." (صحيح البخاري / ٦٤٤٢) کہ " آدمی کا مال بس وہی ہے جس کو اس نے آگے بھیج دیا (یعنی نیک کاموں میں خرچ کیا) اور جس قدر اس نے پیچھے چھوڑا وہ اس کے ورثاء کا مال ہے۔

قابل رشک بندہ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إِنَّ أَغبَطَ النّاسِ عِنْدِي عبدٌ مُؤمنٌ خَفيفُ الْحَاذِ، ذُو حَظٍّ مِنْ صَلاةٍ، أَطَاعَ رَبَّهُ، وَأَحْسَنَ عِبَادَتَهُ فِي السِّرِّ، وَكَانَ غَامِضًا فِي النّاسِ، لَا يُشارُ إِلَيه بِالأَصَابِعِ، وكَانَ عَيشُهُ كَفَافًا (سنن الترمذي/٢٣٤٧) کہ " لوگوں میں سب سے زیادہ قابلِ رشک میرے نزدیک وہ مومن بندہ ہے جو سُبُک بار ہلکا پھلکا ہو نماز میں اس کا بڑا حصہ ہو، اپنے رب کی عبادت خوبی کے ساتھ کرتا ہو، خلوت و تنہائی میں اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہو، اس کے باوجود وہ لوگوں میں ایسا گمنام ہو کہ اس کی طرف کوئی اشارہ تک نہ کیا جاتا ہو، اس کی روزی

بقدرِ کفایت و ضرورت ہو، اور اس پر وہ صابر و قانع ہو۔

تنبیہ

خیال رہے کہ وہی مال و دولت برا ہے جو خدا تعالیٰ سے اور آخرت سے غافل اور بے پرواہ کر دے لیکن اگر اچھی نیت اور نیک مقصد کے لیے شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے حلال ذریعے سے دولت حاصل کی جائے تو نہ صرف یہ کہ جائز اور مباح ہے بلکہ اتنی بڑی نیکی ہے کہ قیامت کے دن ایسا شخص جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو گا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہو گا جس کے نتیجے میں اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور منور ہو گا، جیسا کہ آپ حضور ﷺ کا مبارک ارشاد ہے کہ جو شخص دنیا کی دولت حلال طریقے سے حاصل کرنا چاہے تاکہ اس کو دوسروں سے سوال نہ کرنا پڑے اور اپنے اہل و عیال کے لئے روزی مہیا کر سکے اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ احسان اور سلوک کر سکے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس شان کے ساتھ حاضر ہو گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور چمکتا ہو گا۔

اور ایک حدیث میں ہے "التّاجرُ الصَّدوقُ تَحْتَ ظِلِّ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" (الترغیب والترہیب/ ۳/ ۳۸) کہ سچا تاجر قیامت کے دن عرش کے سائے کے نیچے ہو گا۔

نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "التّاجِرُ الصَّدُوقُ الأَمِينُ مَعَ النَّبِيّينَ والصِّدّيقِينَ والشُّهداءِ" (سنن الترمذي/ ۱۲۰۹) کہ "سچے امانت دار تاجر کا حشر انبیاء صدیقین، اور شہداء کے ساتھ ہو گا اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ (مسند أحمد/ ۱۷۷۶۳) کہ اچھا مال اچھے شخص کے لئے اچھی چیز ہے۔

ایک اللہ والے کی نظر میں دنیا کی مثال

حضرت خواجہ عبید اللہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دنیا سانپ کی مانند ہے لہذا جو شخص اس کے منتر جانتا ہے اس کے لیے دنیا حاصل کرنا جائز ہے لیکن جو شخص اس کا منتر نہیں جانتا اس کے لئے دنیا حاصل کرنا جائز نہیں جب مریدوں نے یہ سنا تو معلوم کیا کہ حضرت اس کا منتر کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا اس بات کا علم ہونا کہ دنیا کے مال و دولت کو کہاں سے حاصل کیا جائے اور کہاں خرچ کیا جائے یہ اس کا منتر ہے۔ (تکمیل الحاجہ / ۴۶۸)

علامہ ابن بطّال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے "اِنَّ زَهْرَةَ الدُّنیا يَنْبَغِي لِمَنْ فُتِحَتْ عَلَيْهِ اَنْ يَحْذَرَ مِنْ سُوءِ عَاقِبَتِهَا وَشَرِّ فِتْنَتِهَا فَلَا يَطْمَئِنَّ اِلىٰ زُخْرُفِهَا وَلَا يُنَافِسُ غَيْرَه فِيْهَا" کہ جس کو دنیا کی ظاہری تروتازگی زیب و زینت اور مال و دولت حاصل ہو جائے تو اس کو اس کے حسن و جمال اور زرق برق اور اس کی رعنائی پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیے اور نہ اس کا دلدادہ ہونا چاہیے بلکہ سوئے عاقبت یعنی برے انجام اور اس کے فتنہ کے شر اور برائی سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیے اس کی مُلَمَّع سازی پر قطعاً بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔ (تکمیل الحاجہ / ۴۷۱)

اولاد کا فتنہ

اولاد بھی انسان کے لیے بہت بڑا فتنہ اور آزمائش کی چیز ہیں، لیکن یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اولاد کو اپنے لئے رحمت بناتا ہے یا زحمت، انسان اپنی اولاد پر جیسی محنت اور ان کی جیسی تربیت کرے گا ویسے ہی نتائج مرتب ہوں گے، قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اس کو نہایت عجیب انداز میں بیان فرمایا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ (التغابن / ۱۴) کہ اے ایمان والو یقینا تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد تمہاری دشمن ہیں لہذا تم ان

سے بچو۔

مراد یہ ہے کہ بسا اوقات انسان اپنے بیوی و بچوں کے لئے حدود و قیود پھلانگ جاتا ہے اور حلال و حرام کی تمیز بھی بھلا دیتا ہے جس سے وہ جرائم اور گناہوں کا شکار ہو جاتا ہے، اس وجہ سے ان کو انسان کا دشمن قرار دیا گیا ہے کہ یہ اسے گناہ اور جرم کا ارتکاب کرنے پر بھی مجبور کر دیتے ہیں۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ سلم کا ارشاد ہے إِنَّ الْوَلَدَ مَبْخَلَةٌ مَجْبَنَةٌ مَجْهَلَةٌ مَحْزَنَةٌ (صحیح الجامع / ۱۹۹۰) کہ اولاد بخیلی بزدلی نادانی اور غم و حزن کی جگہ ہیں، یعنی انسان اپنی اولاد کی وجہ سے مختلف پریشانیوں اور غم و آلام کا شکار ہو جاتا ہے، اولاد کی وجہ سے ہی بہت سے مسائل اور امور کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے اور انسان اپنے جذبات اور اپنے غصے کو بالکل ختم کر دیتا ہے، اسی طرح اگر انسان کو راہ خدا میں جہاد و قتال کے لیے کہا جائے تو بھی اولاد کی وجہ سے بزدلی کا شکار ہو جاتا ہے، اولاد ہی نادانیوں کے ارتکاب کا باعث بنتی ہے، اولاد ہی کی وجہ سے انسان کو بخیلی اور کنجوسی کرنی پڑتی ہے،، اور کئی جائز اور ضروری مقامات پر بھی انسان مال خرچ کرنے سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے حتی کہ اپنی خوشیاں ضروریات اور آسائش اولاد کے لئے قربان کر دیتا ہے۔

اس فتنے سے بچاو کے لیے تجویز یہ ہے کہ سب سے پہلے نیک بیوی کا انتخاب کیا جائے تا کہ اولاد پر اس کی نیک طبیعت، صحبت اور تربیت کا اثر ہو اور وہ بھی اپنی ماں کی طرح نیک ہو اس کے بعد اولاد کی تربیت کا خاص اہتمام کیا جائے، اور پھر یہ دعا پڑھنے کا اہتمام کیا جائے رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان ۷۴) ، کہ اے ہمارے پروردگار ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب فرما۔

ایک شبہ کا ازالہ:

بیوی بچے مال و دولت کے فتنہ ہونے کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ یہ چیزیں قبیح اور بری ہیں اور فتنہ و فساد اور برائیوں کی جڑ و بنیاد ہیں لہذا ان سے بچنا اور دور رہنا چاہئے، اگر یہی مفہوم و مطلب ہوتا تو قرآن و حدیث میں رَہبانِیّتْ کی مذمت اور شادی بیاہ کی ترغیب اور فضیلت وارد نہ ہوتی اور تکثیرِ اولاد پر زور نہ دیا جاتا اور آنحضور ﷺ فقر و تنگدستی سے ہر گز پناہ نہ مانگتے۔

بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں اللہ تعالی کی عطا کردہ نعمتیں ہیں لیکن اللہ تعالی انھیں نعمتوں کے ذریعے اپنے بندوں کو آزماتا ہے کہ کہیں بندے ان نعمتوں میں مبتلا و مشغول ہوکر اپنے خدا کو بھول تو نہیں جاتے اور اپنے شرعی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی تو نہیں کرتے جیسا کہ قرآن مقدس کی یہ آیت اس مفہوم کو اچھی طرح واضح کرتی ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۹المنافقون) کہ "اے مومنو! دیکھو تمھاری دولت اور تمھاری اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کردے۔

لفظ فتنہ: عربی زبان میں آزمائش اور امتحان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی وہ چیز جس کے ذریعے کسی کی آزمائش ہو، یہ آزمائش کبھی بری چیزوں کے ذریعے ہوتی ہے اور کبھی بھلی چیزوں کے ذریعے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو کبھی پریشانیوں میں مبتلا کرکے آزماتا ہے اور کبھی نعمتیں عطا کرکے آزماتا ہے۔

جیسا کہ اس کا فرمان ہے: وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَیْرِ فِتْنَةً ؕ وَ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ (الأنبیاء) کہ ہم اچھے اور برے دونوں طرح سے تمہاری آزمائش کرتے ہیں۔

پس بیوی بچے اور مال و دولت اللہ رب العزت کی نعمت ہیں، جن کے ذریعے

اللہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔

لہذا کسی کو اگر یہ نعمتیں میسر ہوں تو اسے اپنے اللہ کا شکر گزار ہونا چاہئے اور اس کی طاعت و بندگی میں چست اور زیادہ کوشاں ہونا چاہیے نہ کہ ان نعمتوں کی وجہ سے سرکشی اور نافرمانی میں مبتلا ہونا چاہیے، ورنہ یہ چیزیں اس کے لیے زحمت اور خسران کا سبب بنیں گی۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ (التغابن / ۱۴) کہ تمہاری بیویوں اور بچوں میں بھی تمہارے دشمن ہوتے ہیں پس ان سے ہوشیار رہو۔

وہ فتنے جن کے لئے اعمالِ نیک کفّارہ ہیں

(۱) آدمی کا فتنہ اس کے گھر والوں میں۔

یعنی آدمی کا اپنے گھر والوں کی وجہ سے ایسے قول و فعل کا ارتکاب کر بیٹھنا جو جائز نہ ہوں مگر وہ کبیرہ گناہ بھی نہ ہوں۔

(۲) آدمی کا اپنے مال میں فتنہ: یعنی آدمی کا غلط طریقے پر مال حاصل کرنا اور غلط جگہوں میں خرچ کرنا، یا مالی حقوق کی ادائیگی میں کچھ کوتاہی کرنا۔

(۳) آدمی کا اپنی اولاد میں فتنہ: یعنی اولاد سے زیادہ محبت کرنا، ان کی وجہ سے نیکی اور خیر کے کاموں سے محروم رہنا یا اولاد کی وجہ سے حلال حرام کی تمیز کے بغیر مال کمانا۔

(۴) آدمی کا اس کے پڑوسی میں فتنہ: یعنی پڑوسی کو ستانا اور اس کی خبر گیری نہ کرنا۔

یہ فتنے اور کوتاہیاں ایسی ہیں کہ جن کی تلافی نیک کاموں سے ہوتی رہتی ہے جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

ساتھیوں سے پوچھا وہ باتیں کس کو یاد ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فتنہ کے بارے میں فرمائی ہیں؟ حضرت حذیفہ نے کہا مجھ کو یاد ہیں، پھر حضرت حذیفہ نے بیان کیا فِتنةُ الرَّجلِ فِي أَهْلِهِ ومَالِهِ ووَلَدِهِ وجَارِهِ يُكَفِّرُهَا الصَّلاةُ والصَّومُ والصَّدَقَةُ والأَمْرُ بالمَعْرُوفِ والنَّهيُ عنِ المُنْكَرِ (۲۲۵۸) کہ آدمی کا فتنہ یعنی کوتاہی اس کی فیملی اور گھر والوں میں، اس کے مال میں، اس کی اولاد میں اور اس کے پڑوسی میں، جن کا کفارہ نماز روزہ صدقہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بن جاتے ہیں۔

اور قرآن پاک میں بھی ہے إِنَّ ٱلْحَسَنَٰتِ يُذْهِبْنَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّٰكِرِينَ وارد ہوا ہے (ہود / ۱۱۴) کہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

چار بڑے فتنے جس کے بعد فنا ہے

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں يَكُونُ فِي هٰذه الأُمَّةِ أَرْبَعُ فِتَنٍ، فِي آخِرِهَا الفَناءُ. (سنن ابی داود / ۴۲۴۱) کہ اس امت میں چار (بڑے) فتنے پائے جائیں گے، ان میں سے آخری فتنہ پر دنیا فنا ہو جائے گی۔

یعنی بڑے فتنے چار ہوں گے اور فنا سے مراد یا تو دنیا کی فنا ہے یا امتِ اِجابت کی فنا کہ ان کے بعد کوئی مسلمان باقی نہ رہے گا۔

امتِ اجابت سے مراد وہ خوش نصیب لوگ ہیں جنہوں نے حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا اور آپ پر ایمان لائے۔

امتِ اجابت کے مقابلہ میں امتِ دعوت ہے اور امت دعوت کا مصداق وہ لوگ ہیں جن کی طرف آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی بنا کر بھیجے گئے لیکن انھوں نے آپ کی دعوت پر لبیک نہیں کہا جیسے کہ یہود و نصاریٰ کفار و مشرکین وغیرہ۔

وہ فتنے جن سے حضورؐ پناہ مانگا کرتے تھے

آنحضور اقدس ﷺ ان مندرجہ ذیل فتنوں سے خود بھی پناہ مانگا کرتے تھے اور اپنے صحابہ کو بھی پناہ مانگنے کا حکم دیا کرتے تھے

(۱) فتنۂ نار یعنی عذابِ دوزخ کا فتنہ۔(۲) قبر کا فتنہ۔(۳) مالداری کا فتنہ۔(۴) فقر و تنگدستی کا فتنہ۔(۵) مسیحِ دجال کا فتنہ۔(۶) فتنۂ محیا یعنی زندگی کا فتنہ۔(۷) فتنۂ ممات یعنی موت کا فتنہ.(۸) ظاہری فتنہ۔(۱۰) باطنی فتنہ.

فتنۂ نار

فتنۂ نار سے مراد بظاہر دوزخ کا وہ عذاب ہے جو ان دوزخیوں کو ہو گا جو کفر و شرک جیسے سنگین جرائم کی وجہ سے دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ "اعاذنا الله منها" اللہ تعالیٰ ہماری اس سے حفاظت فرمائے۔

فتنۂ قبر

فتنۂ قبر سے مراد قبر میں مُنکَرْ نکِیر کا مُردے سے سوال کرنا ہے جو وہ مُردے سے رب، دین اور نبی کے بارے میں کرتے ہیں، اور قبر کا عذاب بھی فتنۂ قبر میں داخل ہے۔

چنانچہ جامع صغیر کی روایت میں ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: "فِتْنَةُ الْقَبَرِفِيَّ، فَإِذَا سُئِلْتُمْ عَنِّيْ فَلاتَشُكُّوا " (الجامع الصغیر / ۵۸۲۲) کہ قبر کا فتنہ میرے متعلق سوال ہے لہذا جب میرے متعلق تم سے (قبر میں) سوال ہو تو تم کسی شک میں مبتلا نہ ہونا۔

اور صحیح الجامع میں ہے رسول پاک صلی اللہ وسلم نے ارشاد فرمایا "وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ "أَنَّكُمْ تُفتَنُونَ فِي قُبورِكُمْ، مِثْلَ أَوْ قَرِيبًا مِنْ فِتنةِ الْمَسِيحِ

الدَّجالِ" کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تم اپنی قبروں میں دجال کے فتنے کے مانند یا اس سے قریب فتنے سے دوچار کئے جاؤ گے۔ تم سے پوچھا جائے گا "مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ؟" کہ تم کو اس آدمی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا جانکاری ہے، بہرحال مومن تو وہ جواب دے گا یہ محمد اللہ کے رسول ہیں، ہمارے پاس ہدایت اور واضح دلائل لے کر آئے، ہم نے ان کی دعوت قبول کی ان پر ایمان لے آیا اور ان کی پیروی کی یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، پس اس سے کہا جاتا ہے کہ ایک نیک بخت کی طری سو جاؤ، ہمیں معلوم تھا کہ تم ان پر ایمان رکھتے ہو (صحیح الجامع / ۵۷۲۲)

اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے إنَّ المؤمنَ إذَا مَاتَ أُجلِسَ في قَبرِه، فَيُقَالُ لَهُ: مَن رَبُّك؟ وَمَا دِينُكَ؟ وَمَنْ نَبِيُّكَ؟ فَيَقُولُ: رَبِّيَ اللهُ، ودِينِيَ الإِسْلامُ، وَنَبِيِّي مُحَمَّدٌ؟ فَيُوَسَّعُ لَهُ فِي قَبرِه ويُفَرَّجُ لَهُ فِيه، ثُمَّ قَرَأَ يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ (ابراھیم:۲۹) الآيةُ...... وإِنَّ الكَافِرَ إِذَا أُدْخِلَ فِي قبرِه أُجلِسَ فِيه، فَقِيلَ لَهُ: مَن ربُّك؟ ومَا دِينُك؟ ومَنْ نَبِيُّك؟ فَيَقُولُ: لا أَدْرِي، فَيُضِيقُ عَلَيْهِ قَبْرُه، ويُعَذَّبُ فِيه، ثُمَّ قَرَأَ ابنُ مسعودٍ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا" (شرح الصدور / ۱۷۹) کہ مومن جب مر جاتا ہے تو اسے قبر میں بٹھایا جاتا ہے اور اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرے نبی کون ہیں؟ تو وہ جواب دیتا ہے میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے، میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تو اس کے لیے اس کی قبر وسیع اور کشادہ کر دی جاتی ہے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی یُثَبِّتُ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ ان کو اس مضبوط بات (کلمۂ توحید) پر دنیا کی زندگی میں بھی

جماؤ عطا کرتا ہے اور آخرت میں بھی۔ اور جب کافر اپنی قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اسے اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے اور اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرے نبی کون ہیں؟ تو وہ جواب دیتا ہے مجھے کچھ پتہ نہیں، پھر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا "کہ جو میری نصیحت سے منہ موڑے گا تو اس کو بڑی تنگ زندگی ملے گی۔

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نوادرُ الاصول میں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ قبر میں مردے سے جب "مَنْ رَبُّکَ" کے ذریعے سوال کیا جاتا ہے تو شیطان خود کو اسے دکھاتا ہے اور مردے کو اپنی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے "اِنِّي اَنَا رَبُّکَ" "کہ میں ہی تیرا رب ہوں" اسی لئے حدیث پاک میں میت کے لیے نکرین کے سوال کے وقت ثابت قدم رہنے کی دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں "كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إذا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ المَيّتِ وَقَفَ عَلَيه فَقَالَ: اِسْتَغْفِرُوا لِأَخِيْكُمْ وَسَلُوا لَه التَّثْبِيتَ؛ فَاِنَّه اَلْآنَ يُسْأَلُ.(سنن ابی داود / ۳۲۲۱) کہ نبی پاک علیہ السلام جب میت کے دفن سے فارغ ہو جاتے تو اس کی قبر پر کھڑے ہوتے اور فرماتے کہ اپنے بھائی کے لئے مغفرت طلب کرو اور اس کے لئے (نکیرین کے سوال پر) ثابت قدم رہنے کی دعا کرو کیونکہ ابھی اس سے سوال کیا جائے گا۔

چار چیزیں عذابِ قبر کا سبب ہیں

غیبت، چغل خوری، پیشاب اور نجاست سے احتیاط نہ کرنا، پیشاب پاخانہ کرتے وقت پردے کا اہتمام نہ کرنا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فِتْنَةُ القبرِ ثلاثٌ: فتنةٌ مِنَ الغِيبَةِ وفِتْنَةٌ مِنَ النَّمِيمَةِ وفتنةٌ مِنَ البَوْلِ (ذخیر الحُفّاظ /۱/۱۶۲۱)

کہ فتنۂ قبر تین ہیں غیبت کی وجہ سے فتنہ، چغل خوری کی وجہ سے فتنہ، اور پیشاب کی وجہ سے فتنہ یعنی ان تینوں وجہ سے آدمی فتنۂ قبر یعنی عذابِ قبر میں مبتلا ہوتا ہے۔

(پیشاب سے احتیاط نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پیشاب کی چھینٹوں اور اس کے قطروں سے احتیاط نہ کیا جائے یا پیشاب کرنے بعد طہارت کے واسطے ڈھیلا پانی نہ لیا جائے اور غیبت کہتے ہیں کسی شخص کی پیٹھ پیچھے برائی کرنا اور چغل خوری کا مطلب ہے لڑائی جھگڑا کرانے کے واسطے اِدھر کی بات اُدھر لگانا)

نیز رسول پاک اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اِسْتَنْزِهُوا مِنَ البَولِ فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ القَبرِ مِنْه" (سنن دار قطنی ۱/۱۲۸) کہ پیشاب سے بچو کیونکہ عام طور سے عذابِ قبر اسی وجہ سے ہوتا ہے یعنی پیشاب سے احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جو حکم پیشاب کا ہے وہی دیگر تمام نجاستوں سے احتیاط نہ کرنے کا بھی ہے۔

ایک حدیث میں اس طرح ہے مرَّ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ قَبرَينِ فَقَالَ إِنَّهُمَا يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ أَمَّا هٰذا فَكَانَ لايَستَنْزِهُ مِنَ البَولِ وأَمَّا هٰذا فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ (سنن ابی داود:۲۰) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو قبروں کے پاس سے ہوا تو آپ نے فرمایا ان دونوں کو عذابِ قبر ہو رہا ہے اور یہ عذاب کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں ہو رہا ہے، ایک قبر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کو تو اس لئے کہ یہ پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور

دوسرے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا اس کو اس لئے کہ یہ چغل خوری کیا کرتا تھا۔ یعنی لڑائی جھگڑا کرانے کی خاطر ایک کی بات دوسری کی طرف نقل کیا کرتا تھا۔

اور بعض روایتوں میں "لَا یَسْتَتِرُ" کا لفظ بھی آیا ہے یعنی پیشاب کرتے وقت پردے کا اہتمام نہیں کیا کرتا تھا چنانچہ بخاری شریف میں ہے أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ (۲۱۸) کہ ان میں سے ایک پیشاب کرتے وقت اپنے اور لوگوں کے درمیان آڑ اور پردہ نہیں کیا کرتا تھا۔ اس لیے اسے عذاب ہو رہا ہے۔

اور نسائی شریف میں ہے "كَانَ أَحَدُهُمَا لَا يَسْتَبْرِئُ مِنَ بَوْلِهِ... (نسائی /۲۰٦۸) کہ ان میں کا ایک اِسْتِبْرَا نہیں کرتا تھا یعنی پیشاب کے قطروں سے اطمینان حاصل نہیں کیا کرتا تھا۔ اس لیے اسے عذاب ہو رہا ہے۔

اِسْتبراء: استبراء کہتے ہیں پیشاب کرنے کے بعد کھنکھار کر، اٹھ بیٹھ کر یا کسی اور طریقے سے پیشاب کے قطروں کے آنے سے اطمینان حاصل کرنا۔ اسی لئے فقہاء کے نزدیک وضو کرنا اس وقت تک صحیح نہیں ہے جب تک کہ پیشاب کرنے کے بعد پیشاب کے قطروں کے آنے سے اطمینان حاصل نہ ہو جائے۔

قضائے حاجت کے چند ضروری آداب

پاخانہ پیشاب کے وقت آدمی کو ایسی مناسب جگہ تلاش کرنی چاہیے جہاں اطمینان و پردے کے ساتھ فراغت حاصل کرسکے، جسم و کپڑے کو نجاست و گندگی سے بچا سکے، آبادی اور معاشرے کو گندگی اور تَعَفُّن سے دور رکھ سکے، انسان و جِنَّات یا کسی مخلوق کی اذیت اور تکلیف کا سبب نہ بن سکے، نیز بیت اللہ شریف کی طرف چہرہ اور پیٹھ کرنا لازم نہ آئے۔

چنانچہ آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے "إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَبُولَ فَلْيَرْتَدْ لِبَوْلِهِ" (سنن ابی داود / ۳) کہ جب تم میں سے کوئی پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ اپنے پیشاب کے لئے مناسب جگہ تلاش کرے۔

جس وقت قضائے حاجت کا انتظام گھروں میں نہیں تھا آنحضور ﷺ کے بارے میں آتا ہے "كَانَ إِذَا أَرَادَ الْبَرَازَ اِنْطَلَقَ حَتّٰى لَا يَرَاهُ أَحَدٌ" (سنن ابی داود / ۲) کہ آپ جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو اتنی دور نکل جاتے کہ کوئی آپ کو دیکھ نہ پاتا۔

نیز آپ کا ارشاد عالی ہے "لا يَخْرُجِ الرَّجُلانِ يَضْرِبَانِ الْغَائِطَ كَاشِفَانِ عَوْرَتَهُمَا يَتَحَدَّثَانِ؛ فَإِنَّ اللهَ يَمْقُتُ عَلٰى ذٰلِكَ" (سنن ابی داود / ۱۵) کہ دو لوگ اس طرح قضائے حاجت نہ کریں کہ ان دونوں کا ستر کھلا ہوا اور آپس میں بات چیت بھی کر رہے ہوں، اس سے اللہ تعالی سخت ناراض ہوتے ہیں۔

نیز آپ کی ہدایت ہے مَنْ أَتَى الْغَائِطَ فَلْيَسْتَتِرْ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ إِلاَّ أَنْ يَجْمَعَ كَثِيبًا مِنْ رَمْلٍ فَلْيَسْتَدْبِرْهُ، فَإِنَّ الشيطانَ يَلْعَبُ بِمَقَاعِدِ بَنِي آدَمَ (سنن ابی داود / ۳۵) کہ جو شخص قضائے حاجت کے لئے جائے تو پردہ وآڑ اختیار کرلے اگر اسے کوئی چیز پردہ کرنے کی نہ ملے تو ریت کا ڈھیر ہی جمع کرلے اور اس کی آڑ میں قضائے حاجت کرے کیونکہ شیطان انسان کی شرمگاہوں سے کھیلتا ہے۔

عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نَهٰى أَنْ يُبَالَ فِي الْجُحْرِ، قَالَ: قَالُوا لِقَتَادَةَ: مَا يُكْرَهُ مِنَ الْبَوْلِ فِي الْجُحْرِ؟ قَالَ كَانَ يُقَالُ: إِنَّهَا مَسَاكِنُ الْجِنِّ (سنن ابی داود / ۲۹) کہ رسول اللہ ﷺ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ شاگردوں نے راوئ حدیث حضرت قتادہ سے پوچھا کہ سوراخ میں پیشاب کرنا کیوں ناپسندیدہ ہے؟ تو انھوں جواب دیا کہا جاتا ہے کہ وہ جنات

(یا جانوروں) کے رہنے کی جگہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِتَّقُوا اللّاعِنَينِ، قالوا :وما اللّاعِنَانِ يا رسولَ اللهِ؟ قالَ الَّذي يَتَخَلّى في طَرِيقِ النّاسِ أَوْ ظِلِّهِم (سنن ابی داود/۲۵) کہ تم لعنت کے دو کاموں سے بچو، لوگوں نے پوچھا اللہ کے رسول! لعنت کے وہ دو کام کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ یہ ہیں کہ آدمی لوگوں کے راستے یا ان کے سائے کی جگہ میں پاخانہ کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ، أُعَلِّمُكُمْ، فَإِذَا أَتَىٰ أَحَدُكُمُ الْغَائِطَ، فَلا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلا يَسْتَدْبِرْهَا وَلَا يَسْتَطِبْ بِيَمِينِهِ، وَكَانَ يَأْمُرُ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ وَيَنْهىٰ عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ.(سنن ابی داود/۸) کہ (لوگو!) میں تمہارے لیے والد کے درجے میں ہوں، تم کو (ہر چیز) سکھاتا ہوں، تو جب تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت (پیشاب و پاخانہ) کے لیے جائے تو قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ کر کے نہ بیٹھے، اور نہ (ہی) داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم (استنجاء کے لیے) تین پتھر لینے کا حکم فرماتے، اور گوبر اور ہڈی کے استعمال سے روکتے تھے۔

کون شخص فتنۂ قبر و عذابِ قبر سے محفوظ رہتا ہے؟

(۱) سرحدِ اسلام پر پہرا دینے والا شخص فتنۂ قبر سے محفوظ رہتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فر فرمایا "كُلُّ الميّتِ يُخْتَمُ علىٰ عَمَلِهِ إلّا المُرَابِطَ، فَإِنَّهُ يَنْمُو لَهُ عَمَلُه' إلىٰ يومِ القيامةِ، ويُؤَمَّنُ من فتّانِ القبرِ (سنن ابی

داود/ ۲۵۰۰) کہ ہر میت کے عمل پر مہر لگا دی جاتی ہے یعنی اس کے عمل کا ثواب بند ہو جاتا ہے سوائے (سرحد پر) پہرا دینے والے شخص کے کہ اس کا (اپنا کیا ہوا) عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور قبر کے فتنے سے بھی محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

کیونکہ اس نے اپنی جان ایسے عمل پر قربان کی ہے جس کا نفع عام مسلمانوں کو پہنچ رہا ہے اور وہ ہے اِحیائے دین یعنی دشمنانِ اسلام کو مسلمانوں سے دور کر کے دین کو زندہ کرنا۔

(۲) اسی طرح جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات وفات پائے وہ بھی فتنۂ قبر سے محفوظ رہتا ہے جیسا کہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے منقول ہے مَنْ مَاتَ یومَ الجُمعةِ أو ليلةَ الجمعةِ وُقِيَ فِتنةَ القبرِ (مسندِ احمد/ ۶۶۴۶) کہ جو شخص جمعہ یا شبِ جمعہ وفات پایا وہ قبر کے فتنہ سے بچا لیا گیا۔

(۳) مرض میں مبتلا ہو کر انتقال کرنے والے کے متعلق بھی آتا ہے وہ قبر کے فتنے سے محفوظ رہے گا لیکن یہ حدیث علماء کے نزدیک سند کے اعتبار سے بہت ضعیف ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ہے مَن ماتَ مریضًا مَاتَ شَهيدًا، ووُقِيَ فتّانَ القَبرِ (اخرجہ ابن ماجہ/ ۱۶۱۵)

کہ جو شخص مرض کی حالت میں مرا وہ شہید مرا اور قبر کے فتنوں سے بچا لیا گیا۔

(۴) علمائے کرام نے مندرجہ ذیل حدیث کی بنیاد پر رمضان المبارک میں وفات پانے والے شخص کو بھی قبر کے عذاب سے محفوظ رہنے کی بات لکھی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے حضرت انس بن مالک رضي الله تعالى عنہ روایت ہے انَّ عَذَابَ القَبْرِ يُرْفَعُ عَنِ الْمَوْتىٰ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ (شرح الصدور للسیوطی/ ۲۵۴) کہ بے شک قبر کا عذاب رمضان کے مہینے میں مردوں سے اٹھا لیا جاتا ہے۔

فتاوی شامی کے مطابق آٹھ قسم لوگ فتنۂ قبر سے محفوظ ہیں

ذَکَرَ "اِنَّ مَنْ لَایُسْئَلُ ثَمَانِیَۃٌ" (ج۴/ص۲۰۸) کہ جن لوگوں سے قبر میں سوال نہیں ہوتا وہ آٹھ /۸ قسم کے لوگ ہیں (۱) شہید، (۲) مرابط یعنی سرحدِ اسلام کی حفاظت کرنے والا، (۳) مرضِ طاعون میں وفات پانے والا، (۴) زمانۂ طاعون میں طاعون کے علاوہ کسی اور بیماری میں وفات پانے والا بشرطیکہ جہاں طاعون پھیلا ہو وہاں نیکی اور ثواب سمجھتے ہوئے ٹھہرا ہو، (۵) صِدّیق، (۶) چھوٹے بچے (۷) جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں وفات پانے والا، (۸) ہر رات سورۂ مُلک کی تلاوت کرنے والا، اور مرضِ وفات میں سورۂ اخلاص پڑھنے والا، نیز انبیائے کرام علیہم الصلاۃ و سلام سے بھی سوال نہیں ہوتا کیونکہ ان کا رتبہ تو صدیقین سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

سوال و جواب

سوال: فاسق فاجر اور بدکار مثلاً زانی، شرابی سودخور وغیرہ اگر جمعہ یا شب جمعہ میں انتقال کریں تو کیا یہ لوگ بھی فتنۂ قبر اور عذاب قبر سے محفوظ رہیں گے؟

جواب: جمعہ یا شبِ جمعہ میں وفات پانے والے کے لئے فتنۂ قبر و عذابِ قبر سے محفوظ رہنے کے متعلق جو حدیث اوپر گزری ہے اس میں "مسلم" کا لفظ مطلق آیا ہے جو نیک اور برے دونوں مسلمانوں کو شامل ہے اس لیے امید رکھنی چاہیے کہ بلا امتیاز ہر مسلمان اس بشارت کا مستحق ہو گا۔

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نوادر الاصول میں لکھا ہے کہ تکوِینی طور پر کسی شخص کی موت کا جمعہ یا شبِ جمعہ کے موافق ہو جانا اس کی سعادت مندی کی

دلیل ہے اور یہ صرف اسی کو حاصل ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے فتنۂ قبر سے محفوظ رکھا جانا منظور ہوتا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ تا قیامت اس سے محفوظ رہے (کتاب النوازل ج/۱ص ۳۲۲)

تنبیہ: معلوم ہونا چاہیے کہ مذکورہ بشارت کا تعلق صرف احوالِ قبر و عذاب قبر سے محفوظ رہنے سے ہے یعنی حدیثِ مذکور جمعہ یا شبِ جمع میں وفات پانے والے کیلئے عذاب قبر و عذابِ برزخ سے محفوظ رہنے کی دلیل تو ضرور ہے، لیکن یہ آخرت میں حساب و کتاب اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رہنے کی دلیل نہیں ہے، ہاں! البتہ اللہ رب العزت کے فضل و مہربانی سے اس بات کی امید ہے کہ برکتِ جمعہ کی بدولت جب بندہ عذاب قبر سے بچ گیا تو ان شاءاللہ العزیز آئندہ منزلیں بھی آسان ہوتی جائیں گی۔

کیونکہ قبر پہلی منزل ہے اور جب پہلی منزل آسان ہوگئی تو دیگر تمام منزلیں آسان ہوتی چلی جائیں گی جیسا کہ اس حدیث پاک سے پتہ چلتا ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "إِنَّ القبرَ أَوَّلُ مَنزلٍ مِنْ مَنَازِلِ الآخِرَةِ، فَإِنْ نَجَا مِنهُ فَمَا بَعْدَهُ أَيْسَرُ مِنهُ، وَإِنْ لَمْ يَنْجُ مِنهُ فَمَا بَعْدَهُ أَشَدُّ مِنْهُ. قَالَ: وقالَ رسولُ اللهِ: ما رأيتُ مَنْظَرًا قطُّ إلّا والقَبرُ أفْظَعُ مِنهُ" (ترمذی ۲۳۰۸) کہ "آخرت کے منازل میں سے قبر پہلی منزل ہے، سو اگر کسی نے قبر کے عذاب سے نجات پائی تو اس کے بعد کے مراحل آسان ہوں گے اور جسے عذاب قبر سے نجات نہ مل سکی تو اس کے بعد کے منازل سخت تر ہوں گے"، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مزید کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "گھبراہٹ اور سختی کے اعتبار سے میں نے قبر کی طرح کسی اور منظر کو نہیں دیکھا"

بعض علماء کا یہ قول بھی ہے کہ بعض عُصَاۃ و گنہگار بھی بلا حساب کتاب جنت میں جائیں گے، جن گنہگاروں کے لیے یہ سعادت مقدر ہے، ان کی موت جمعہ کے روز واقع ہوتی ہے۔ (کمافی احسن الفتاوی ج۴ ص۲۰۸)

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

شکرِ خدائے کن کہ مُوَفَّق شدی بخیر
زانعام و فضلِ خویش نہ مُعَطَّل گذاشتت

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیمِ صبح تیری مہربانی

سوال و جواب

سوال: جس کو قبر میں دفنایا نہیں گیا بلکہ جلا کر راکھ کر دیا گیا یا اسے کسی درندے نے کھالیا تو اس سے سوال جواب کہاں ہوتا ہے؟

جواب: قبر صرف زمین کے اس گڑھے کا نام نہیں جس میں مردے کا خاکی جسم دفنایا جاتا ہے بلکہ عالم دنیا و عالمِ آخرت کے علاوہ ان دونوں کے درمیان ایک اور عالم ہے جس کو شریعت کی اصطلاح میں عالمِ برزخ کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمِن ورائهم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ [المؤمنون: ۱۰۰] (کہ ان (مرنے والوں) کے سامنے عالمِ برزخ کی آڑ ہے جو اس وقت تک قائم رہے گی جب تک ان کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا) مر کر ہر شخص دنیا سے اسی عالم برزخ میں پہنچتا ہے جس میں اس کو موت سے لے کر قیامت تک رہنا ہے۔ اسی عالم اور وقفے کی زندگی کا نام عالم قبر اور برزخی زندگی ہے۔

اور انسان کی یہ برزخی زندگی نہ تو کسی جگہ کے ساتھ خاص ہے اور نہ ہی اس

کا انحصار زمین کے اس گڑھے اور عرفی قبر پر ہے کہ جس میں مردے کو دفنایا جاتا ہے، مرنے کے بعد جسمِ انسانی کے اجزا جہاں کہیں پائے جائیں خواہ مٹی کا گڑھا ہو یا سمندر کا پانی یا جانوروں کا پیٹ وہ سب اس کے لئے قبر کے درجے میں ہیں اور وہی اس کی برزخی زندگی ہے۔

اسی عالم برزخ میں روح انسانی اپنے جمیع بدن یا جزء بدن کی طرف متوجہ کردی جاتی ہے۔ جس کے سبب وہ جنت و دوزخ کے عذاب و سزا اور راحت و آرام کا احساس کرتی ہے اور اسی عالمِ برزخ میں مردے سے منکر و نکیر توحید و رسالت اور دین کے متعلق سوالات کرتے ہیں اور مردہ جواب دیتا ہے، لیکن چونکہ یہ باتیں عالمِ برزخ اور عالم غیب کی ہیں جن تک ہماری ناقص عقلوں کی رسائی نہیں اس لئے ہم انکو دیکھ سن نہیں سکتے اور دیکھ سن نہ سکنے میں بھی اللہ رب العزت کی بہت ساری مصلحتیں پوشیدہ ہیں، آج دنیاوی زندگی میں ہم پر خدا اور رسول کی باتوں پر اعتماد ویقین کرکے ان باتوں پر ایمان لانا فرض وضروری ہے کل مرتے ہی یہ ساری باتیں مشاہدے میں آنے والی ہیں،

عن مجاهد في قوله تعالى ﴿وَمِن وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ [المؤمنون: ۱۰۰] قال: هُوَ مَا بَيْنَ المَوتِ إلى البَعْثِ. وقال الرَّبِيعُ: اَلْبَرْزَخُ اَلْقُبُورُ. وعن قتادةَ قال: أهلُ القُبُورِ فِي بَرْزَخٍ مَا بَينَ الدُّنيا وَ الآخِرَةِ (الدر المنثور-كتاب النوازل)

قال العلماءُ: عَذَابُ القَبرِ هُوَ عذابُ البَرْزَخِ ، أُضِيفَ إلى الْقَبرِ لِاَنَّهُ الْغَالِبُ، وَإِلَّا فَكُلُّ مَيِّتٍ إذا أرادَ اللهُ تعالىٰ تَعْذِيبَهٗ نَالَهٗ ماأرادَ بِهٖ ، قُبِرَ أَوْ لَمْ يُقْبَرْ ولَوْ صُلِبَ أو غَرِقَ فِي الْبَحْرِ أَوْ أَكَلَتْهُ الدوابُّ أو حُرِّقَ حتىّٰ صَارَ رِمَاداً أو ذُرِّيَ في الريحِ، وَمَحَلُّهُ الرُّوحُ والبَدنُ جَمِيْعاً بِاِتِّفَاقِ أَهْلِ

السنۃِ. (شرح الصدور شرح حال الموتی والقبور للسیوطي: ص ۳۵۰)

فتنۂ غِنیٰ یعنی مالداری کا فتنہ

مالداری کا فتنہ یہ ہے کہ آدمی مال دولت کی وجہ سے سرکشی، تکبر اور ناشکری میں مبتلا ہو جائے، فی سبیل اللہ اور کارِ خیر میں مال صرف کرنے کے بجائے اسراف و فضول خرچی اور گناہ کے کاموں میں اڑاتا پھرے، مال و دولت کی محبت میں ایسا انہماک و غلو جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی کا سبب بن جائے۔

فتنۂ فقر یعنی تنگدستی کا فتنہ

فقر و تنگدستی کا فتنہ یہ ہے کہ آدمی فقر و تنگدستی کی وجہ بے صبری کا مظاہرہ کرے، جزع و فزع اور اللہ رب العزت کی شکوہ شکایت کرتا پھرے یا فقر اور غربت دور کرنے کے واسطے گناہ یا حرام کام میں مبتلا ہو جائے،

اسی لیے حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فقر و تنگدستی سے پناہ مانگی ہے چنانچہ سنن ابی داود میں یہ دعا منقول ہے اللهُمَّ إِنِّي أعوذُ بِكَ مِنَ الفَقْرِ والقِلَّةِ والذِّلَّةِ وأعوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أَظْلِمَ أو أُظْلَمَ (سنن ابی داود / ۱۵۴۴) کہ اے اللہ! میں آپ کی پناہ طلب کرتا ہوں فقر سے (مال کی) کمی سے ذلت سے اور اس بات سے کہ خود ظلم کروں یا کوئی مجھ پر ظلم کرے۔

اور نسائی شریف میں حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے اس طرح منقول ہے "اللَّهمَّ إني أعوذُ بِكَ مِنَ الْجُوعِ، فَإِنَّهُ بِئْسَ الضَّجِيعُ، وأعوذُ بِكَ مِنَ الخِيَانَةِ، فَإِنَّهَا بِئْسَتِ البِطَانَةُ (نسائی / ۵۴۸۳) کہ اے اللہ میں بھوک سے پناہ مانگتا ہوں کیونکہ بھوک بہت بدترین ساتھی ہے، اور خیانت سے بھی پناہ طلب

کرتا ہوں کیونکہ یہ بدترین خصلت ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے "كَادَ الفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْرًا (اخرجہ الطبرانی فی المعجم) کہ قریب ہے کہ فقر و تنگدستی کفر کا سبب بن جائے۔

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دعا مانگا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوذُبِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ فَقَالَ رَجُلٌ وَيَعْتَدِلَانِ؟ قَالَ نَعَمْ (نسائی / ۵۴۸۵) کہ اے اللہ! میں تجھ سے کفر اور فقر سے پناہ مانگتا ہوں، اس پر کسی آدمی نے پوچھا کیا کفر اور فقر دونوں برابر ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا جی ہاں۔

فتنۂ محیا یعنی زندگی کا فتنہ

ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زندگی کے فتنے سے مراد وہ فتنے اور آزمائشیں ہیں جو انسان کو اس کی زندگی میں دنیا اور شہوتوں اور جہالتوں کے ذریعے سے پیش آتے ہیں اور زندگی کا سب سے بڑا فتنہ و آزمائش (العیاذ باللہ) موت کے وقت خاتمہ کا معاملہ ہے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۳۹۴)

بعض حضرات کے نزدیک ایسی آزمائش کہ جس میں صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے یہ زندگی کا فتنہ ہے "اَلْاِبْتِلَاءُ مَعَ زَوَالِ الصَّبْرِ"۔ (فتح)

فتنۂ محیا میں فتنہ دجال بھی داخل ہے۔ (فتح)

فتنۂ مَمات یعنی موت کا فتنہ

موت کے فتنے سے کیا مراد ہے؟ اس میں متعدد اقوال ہیں

(۱) موت کے وقت کا فتنہ یعنی مرنے کے وقت کی آزمائشیں۔

(۲) السُّؤالُ فِي الْقَبرِ مَعَ الحيرَةِ" قبر میں نکیرین کا مردے سے اس کی حیرانی و گھبراہٹ کی حالت میں سوال کرنا۔ (فتح)

(۳) بعض حضرات کا کہنا ہے کہ قبر کا فتنہ ہی موت کا فتنہ ہے۔
معلوم ہونا چاہیے کہ عذاب قبر بھی موت کے فتنے میں داخل ہے۔ (فتح)

ظاہری وباطنی فتنہ

ظاہری فتنوں سے مراد وہ فتنے ہیں جو انسان کے ظاہر پر جاری ہوں یعنی جن کا تعلق اعضاء و جوارح سے ہو، جیسے کہ لڑائی جھگڑا گالم گلوج، غیبت، بہتان، الزام تراشی وغیرہ۔

اور باطنی فتنوں سے مراد وہ فتنے ہیں جو دل سے متعلق ہوں اور دل میں پائے جاتے ہوں جیسے شرک، ریا، حسد اور وہ تمام دلی و قلبی برائیاں جو عذابِ قبر یا عذابِ دوزخ کی طرف لے جانے والی ہوں۔ (مرعاۃ المفاتیح ج۱ ص۲۲۵)

یا حدیث پاک میں ظاہری اور باطنی فتنہ کہنے سے کنایہ ہے عموم شمول کی طرف یعنی تمام فتنے اور ہر قسم کے فتنے۔

آنحضورؐ کی فتنوں سے پناہ مانگنے کی دعائیں

اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح پناہ طلب کیا کرتے تھے "اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْغِنَى، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْفَقْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ. (صحیح البخاری / ۶۳۷۶) کہ اے اللہ "میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں آگ کے فتنہ سے اور آگ کے عذاب سے، اور تیری پناہ طلب کرتا ہوں قبر کے فتنے اور قبر کے عذاب سے اور تیری پناہ طلب کرتا ہوں مالداری اور تنگی کے فتنے سے اور تیری پناہ طلب کرتا ہوں مسیحِ دجال کے فتنے سے۔

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت کے ساتھ ان کلمات کے ذریعہ پناہ طلب کیا کرتے تھے "اللھُمَّ إِنِّي أعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الغِنیٰ ومِن فتنةِ الفقرِ ومن فتنةِ النّارِ ومن فتنةِ القبرِوأعوذُ بكَ من فتنةِالمسيحِ الدَّجّالِ (ابن جریر طبری) کہ اے اللہ" میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں مالداری اور تنگی دستی کے فتنے سے، آگ اور قبر کے فتنے سے اور مسیح دجال کے فتنے سے۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نماز میں اس طرح کہتے ہوئے سنا "اللھُمَّ إِنِّي أعوذُ بِكَ من فتنةِالقبرِ، ومن فتنةِالدَّجّالِ، ومن فتنةِالمَحيا والمماتِ، ومن حرِّ جَهنَّمَ (۵۵۳۵ نسائی) کہ اے اللہ" میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں قبر کے فتنے سے، دجال کے فتنے سے، زندگی و موت کے فتنے سے اور دوزخ کی گرمی سے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پڑوسن سے روایت ہے کہ وہ طلوعِ فجر کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح دعا کرتے ہوئے سنتی تھیں "اللھمَّ إِنِّي أعوذُ بك مِن عذابِ القبرِ ومِن فتنةِ القبرِ (مجمع الزوائد /۱۰/ ۱۱۸) کہ اے اللہ" میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں قبر کے عذاب سے اور قبر کے فتنے سے۔

اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر ہم لوگوں سے اس طرح فرمایا

تَعَوَّذُوابِاللّٰهِ مِنَ الفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، تَعَوَّذُوابِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ (مسلم شریف /۲۸٦۷)

کہ اللہ سے ظاہری اور باطنی فتنوں سے پناہ طلب کرو اور دجال کے فتنے سے پناہ طلب کرو۔

حضرت عبد اللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ انھیں یہ دعا اسی طرح سکھاتے جس طرح قرآن کی سورت سکھاتے تھے فرماتے اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ(سنن ابی داود / ۱۵۴۲) کہ اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں جہنم کے عذاب سے، تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے، تیری پناہ مانگتا ہوں مسیح دجال کے فتنے سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کی آزمائشوں سے۔

موبائل کا فتنہ

آج اس فتنے کے دور میں سب سے بڑا فتنہ موبائل بن چکا ہے۔ موبائل کو منفی اور غلط طور پر زیادہ تر نو عمر بچے بچیاں عورتیں لڑکے لڑکیاں استعمال کرتی ہیں جن کا سماجی زندگی پر بہت ہی برا اثر پڑتا ہے۔ موبائل فون کے غلط استعمال سے کتنی زندگیاں تباہ وبرباد ہو گئیں ہیں بچے بگڑ چکے ہیں. میاں بیوی میں طلاق کی نوبت تک پہونچ گئی ہے. روزمرہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ لوگ موبائل پر کئی کئی گھنٹے لگے رہتے ہیں. بیوی موبائل پر لگی ہے شوہر تھکا ہارا گھر آتا ہے اور خود اسے ہی کھانا نکال کر کھانا پڑتا ہے. نوجوان لڑکے لڑکیاں کمسن بچے بچیاں اس مہلک بیماری میں لَت پَت ہیں۔

ہمارا حال یہ ہے کہ ہم خود ڈوبے ہیں اور موبائل جیسے فتنے میں مبتلاء ہیں گھر بازار مسجد راستہ قبرستان ہر جگہ موبائل کا بے دھڑک استعمال کرتے ہیں. نہ کسی کا ادب نہ احترام نہ مسجد کا احترام نہ قبرستان کا خوف ہمارا دل اتنا سخت ہو گیا ہے کہ قبرستانوں پر بھی دھڑلّے سے بات کرتے ہیں۔

آج موبائل نے لوگوں کی حیاء شرم غیرت، حمیت، عزت واحترام سب ختم

کر دیا ہے موبائل کے غلط استعمال نے شہروں قصبوں کے علاوہ دیہاتوں کو بھی اپنی چپیٹ میں لے لیا ہے. اور نوجوان لڑکے لڑکیاں بے راہ روی کے شکار بن رہے ہیں، اس کے سبب آج انسانی معاشرہ تباہی کی طرف گامزن ہے، جدید انکشافات وایجادات نے انسانی سماج میں ایسا اثر ڈالا ہے جس کا تصور پہلے نہیں تھا، مواصلات کے شعبے میں انقلابی پیش رفت نے جہاں زندگی کے لیے بہت سی آسانیاں پیدا کردی ہیں وہیں ایسے مسائل کو جنم دیا ہے جو اس سے پہلے کبھی موجود نہ تھے. آج انٹرنیٹ ہر امیر غریب کے دسترس میں ہے. فحش اور عریاں فلموں کی انٹرنیٹ پر بہار آگئی ہے، بٹن دباتے ہی سب کچھ سامنے آجاتا ہے، اس سے نوجوان لڑکوں لڑکیوں کے اندر زبردست بگاڑ پیدا ہو رہا ہے۔

فلمیں دیکھنے کے بعد نوجوان لڑکوں لڑکیوں کے جذبات میں ہیجان پیدا ہوتا ہے. سوشل میڈیا کی بے شمار ویب سائٹس ہیں جو جنسی بے راہروی کی کھلے عام دعوت دیتی ہیں. اور اس کے جال میں کمسن و بے شعور بچے اور بہت سے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں پھنس کر تباہ وبرباد ہو رہی ہیں. یہاں تک کہ ایمان وعقیدے خطرے میں پڑ گئے ہیں۔

ایک عام گھر کا منظر نامہ بھی کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ بیوی اپنے موبائل پر مصروف، شوہر اپنے موبائل کی اسکرین پر نظر جمائے ہوئے، بچے بھی والدین کے نقش قدم پر، نیند نے مجبور کیا سوگئے، ورنہ صبح تک پلک نہیں جھپکی جاتی، سونے کے بعد اٹھتے ہی سب سے پہلے فون پر اپنا اسٹیٹس چیک کیا جاتا ہے، اس کے بعد دوسری مصروفیات شروع ہوتی ہیں۔

موبائل کے غلط استعمال سے پیدا ہونے والی بُرائیاں

بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کل موبائل فون کے فوائد سے زیادہ، اس کے نُقصانات اور تباہ کاریاں ہیں۔ موبائل فون کی تباہ کاریوں اور فتنہ انگیزیوں کے مناظر دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے اور حیادار پیشانی پسینہ پسینہ ہو جاتی ہے۔ موبائل کی وجہ سے اطمینان و سکون اور چین و قرار ختم ہو گیا، شرم و حیا اور عزّت و وقار چلا گیا، شریف اور عزّت دار عَورت کی حیا رَفتہ رَفتہ ختم ہوتی جارہی ہے، ابنِ آدم کی عزّت اور بنتِ حوّا کی عصمت و پاکدامنی کو خطرات نے گھیر لیا ہے، شرافت و اَخلاق اور تہذیب و تمدُّن کا جنازہ نکل گیا، اِسراف اور فضُول خرچی کا بازار گرم ہو گیا ، اس کے غَلَط استعمال کی کثرت کی وجہ سے وقت کی قدر و قیمت کا احساس فنا ہو گیا اور وقت ضائع کرنے کا ایک نیا دَور شروع ہو گیا، رات گئے تک موبائل کے ذریعے فضُول گپّیاں کرنے کی وجہ سے غیر ضروری شَب بیداریوں میں اضافہ ہو گیا، عشقِ مجازی کی بیماری زور پکڑنے لگی، ناجائز اُلفت و محبت سے نوجوانوں کی زندگیاں تباہ ہونے لگیں۔

موبائل کی کہانی خود اس کی زبانی

﴿۱﴾ میں اپنے اندر عریانیت و بے حیائی کے وہ مناظر رکھتا ہوں جن سے بے شمار شریف کہے جانے والے لوگوں کی قبائے حیا تار تار ہو کر رہ گئی ہے۔

﴿۲﴾ بہت سے وہ لوگ جو اپنے خدا سے راز و نیاز کی باتیں کرنے کے لیے خلوتیں تلاش کرتے تھے وہ میرے دامِ تزویر میں ایسے پھنسے کہ اب وہ میری ہی معیت و رفاقت کی شراب سے اپنے کام و دہن کی لذت کا سامان کرنے لگے ہیں، اور شیطان ان پر قہقہے لگا رہا ہے۔

﴿۳﴾ بظاہر میں خاکی پتلے کا غلام اور انسانی انگلیوں کا تابع ہوں؛ لیکن

حقیقت یہ ہے کہ انسانوں کے قلب و دماغ پر میری حکومت وبالادستی کا ڈنکا بجنے لگا ہے، میری اداؤں کا جادو اِن کے جسم و جان پر چھائے جارہا ہے، جس سے مسحور ہو کر لاکھوں انسان اپنے مقصد وہدف سے غافل ہو چکے ہیں اور میرے عشق میں ڈوب کر افکارِ پریشاں اور احوالِ پراگندہ کو اپنی تقدیر بنا چکے ہیں۔

﴿۴﴾ جس طرح ملک ہندوستان "اَکَّالُ الْاُمَمْ" (قوموں کو کھانے والا) کہلاتا ہے، اِسی طرح آپ مجھے "اَکَّالُ الْاَوْقَاتْ" (وقتوں کو کھانے والا) کہہ سکتے ہیں، اِس لیے کہ اب تک میں نوعِ انسانی کے بیش بہا اوقات کا اتنا بڑا حصہ ضائع کر چکا ہوں، جس کے شمار سے مشینیں عاجز ہیں، اگر وہی لمحے تعمیری و مفید کاموں میں صرف کیے جاتے تو دینی و دنیوی ترقی کی ان گنت منزلیں سر کی جا سکتی تھیں۔

﴿۵﴾ میرا ایک اہم مِشَن مسلمانوں کی جیبوں سے اِسلامی تشخص کی حامل اشیاء کا بوجھ ہلکا کرنا ہے؛ چنانچہ جس جیب میں میرا آشیانہ ہوتا ہے وہاں سے تسبیح ومسواک اور ٹوپی جیسی گراں قدر چیزیں رخصت ہو جاتی ہیں، یہی نہیں؛ بلکہ بہت ساری جیبوں سے روپیوں کا بوجھ بھی کم کر دیتا ہوں؛ چنانچہ آپ نے مشاہدہ کیا ہو گا کہ میری برکت سے آپ کے اولیاء کی حلال و پاکیزہ کمائی "ریچارج" اور "انٹرنیٹ پیک" کے سانچوں میں ڈھل کر بڑی آسانی سے فضاءِ آسمانی میں بکھر جاتی ہے۔

(٦) آپ میری زہرناکی کا اندازہ اِس سے لگا سکتے ہیں کہ اب تک ہزاروں مرد وعورت کے درمیان ان گنت ناجائز بے حجابانہ تعلقات قائم کرنے میں میرا کردار کَلیدی رہا ہے، کتنی ہی باحیاء دوشیزائیں میرے توسّط سے بے حیائی میں مبتلا ہو کر اپنے دامنِ عصمت کو داغ دار کر بیٹھی ہیں، اُن کے اولیاء کے لیے رسوائی کے مارے گھر سے باہر قدم نکالنا دوبھر ہو چکا ہے، بے شمار شادی شدہ خواتین

میرے ذریعہ غیروں کی آشنائی کا شکار ہوئی ہیں، اُن کے ہنستے کھیلتے خاندان اجڑ گئے، کتنے ہی شوہر محض میرے وجود کی نحوست سے اپنی رفیقۂ حیات سے بدگمان بنے ہوئے ہیں۔

﴿۷﴾ اور سنیے! میری اسکرین پر فحش فلموں اور عریاں تصویروں کے مزے لے کر بہتیرے بچے قبل از وقت غیر فطری طور پر بلوغ کی دہلیز پر قدم رکھ چکے ہیں، جب کہ لاتعداد نوجوان شہوانی خیالات سے بے قابو ہو کر ایسی حرام کاریوں میں مبتلا ہیں کہ بس، ... خدا کی پناہ! اب اُن کے کھاتے میں کبیرہ گناہوں اور بہہ جانے والی جوانی پر لاحاصل حسرتوں کے سوا کچھ نہیں بچا، شیطان اتراتا پھر رہا ہے کہ اُس نے نوجوانِ مسلم کو جو کبھی سَیف وسنان کا دھنی ہوا کرتا تھا طاؤس ورُباب کا رسیا بنا کر چھوڑا ہے۔

﴿۸﴾ اور ہاں! میرا حلقۂ اثر اِس حد تک وسیع ہو چکا ہے کہ مسجدیں، خانقاہیں، دینی مراکز اور مؤقر جلسے بھی میرے زیر اثر آ چکے ہیں، میں نے نمازیوں کا خشوع غارت کر دیا، خلوت گزیں صوفیوں کی خلوتوں پر ڈاکے ڈالے، ذاکرین کے ذکر میں رخنے ڈال کر اُسے بے حقیقت بنایا، طلبہ سے توجہ وانہماک چھین کر اُنھیں علم کی لازوال دولت سے محروم ہونے پر مجبور کر دیا، پُر وقار دینی مجلسوں کی سنجیدگی ومتانت کو اپنے دل کش ترانوں سے منتشر کر دیا۔

(از: مولانا عمران پٹیل فلاحی، استاد جامعہ قاسمیہ عربیہ بھروچ)

اسمارٹ فون کا استعمال کس کے لئے جائز ہے؟

بہت سے محتاط علماء تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اسمارٹ فون کا استعمال صرف اس شخص کے لیے جائز ہے جس کے دل میں خدا کا خوف ہو اور وہ جلوت وخلوت ہر حال میں اللہ کی پکڑ سے ڈرتا رہتا ہو، اگر کسی کا دل اللہ کے ڈر سے خالی ہو اس

کے لیے جائز ہی نہیں کہ وہ اسمارٹ فون استعمال کرے

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

ایک سوال کے جواب میں دار العلوم دیوبند کا فتوی ہے

انٹرنیٹ کا صحیح استعمال بھی ہے اور غلط اور غیر محتاط استعمال بھی ہے، ضرورت کے وقت صحیح اور محتاط استعمال کی اجازت ہے؛ لیکن غلط اور غیر محتاط استعمال گناہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سے مفاسد اور نقصانات پر بھی مشتمل ہے؛ اس لئے اپنے بچے بچیوں اور گھر کے افراد کو انٹرنیٹ کے غلط اور غیر محتاط استعمال کی اجازت دینا ان کو گناہوں کے دلدل میں ڈھکیلنا اور اخلاقی بے راہ روی پر ڈالنا ہے جو کہ درست نہیں اپنے بچے اور بچیوں کو بغیر ضرورت کے اسمارٹ فون سے باز رکھنا چاہئے......

مرد گھر کا ذمہ دار ہے اسے چاہئے کہ گھر کے افراد کی اچھی تربیت کرے اور گناہوں سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کرے اسی طرح ائمہ مساجد اور علماء کرام کو بھی چاہئے کہ انٹرنیٹ وغیرہ کے غلط استعمال کے مفاسد و نقصانات اور ان کے ذریعے سے پیدا ہونے والی اخلاقی بے راہ روی کو بیان کریں تا کہ امت کے اندر اس گناہ کے تعلق سے بیداری پیدا ہو اور گناہ سے محفوظ ہو سکے۔

دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

اسلام کی خوبی فضولیات سے بچنا ہے

اگر چہ موبائل کا استعمال جائز ناجائز دونوں کاموں میں ہوتا ہے لیکن اکثر لوگ موبائل فون کے استعمال میں جائز و ناجائز کی کوئی پروا نہیں کرتے، یا یُوں کہہ لیجئے کہ جائز و ناجائز کی طرف اُن کی کوئی توجّہ نہیں ہوتی، حالانکہ ایک مسلمان کا ہر کام شریعت کے عین مُطابِق ہونا چاہئے، بالفرض ناجائز و گُناہ کے کاموں میں

اس کا استعمال نہ بھی کیا جائے، صرف فُضُول و لغو کاموں میں ہی استعمال کیا جائے، جب بھی اس سے بچنا ہی چاہئے، کیونکہ فُضُول اور لغو کام، وقت ضائع کرنے کے ساتھ ساتھ آدمی کے اسلام کی لَذَّت و حَلاوَت اور حُسن پر بھی اَثَر انداز ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضور ﷺ کا ارشادِ ہے:مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَا لَا یَعْنِیْهِ (سنن ترمذی /۲۳۱۷) یعنی فُضُول اور بے مقصد کاموں کو چھوڑ دینا، اسلام کے حُسن و خوبی میں سے ہے۔

انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کے لئے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ لغویات و فضولیات میں مشغول ہونے کے واسطے،وقت جو کہ انسان کا بہت قیمتی سرمایۂ زندگی ہے اس کو فضولیات و لغویات میں ضائع اور برباد کر دینا حد درجہ بیوقوفی ونا سمجھی ہے،اس کی وجہ سے اسے کل بروزِ حشر افسوس و شرمندگی اٹھانی پڑے گی،اور بارگاہِ خداوندی میں اپنے ضائع کئے ہوئے وقت کے تعلق سے بازپرس اور حساب و کتاب کا سامنا کرنا پڑے گا،جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ(المؤمنون /۱۱۵) کیا تم نے خیال کرر کھا ہے کہ ہمنے تمکو بیکار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے۔

مومن کی شان اور ایمان کا تقاضا ہے کہ فضول اور لغو کاموں سے دور رہا جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے قَدْ أَفْلَحَ ٱلْمُؤْمِنُونَ ○ ٱلَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَٰشِعُونَ ○ وَٱلَّذِينَ هُمْ عَنِ ٱللَّغْوِ مُعْرِضُونَ (۳المؤمنون)

تحقیق کہ وہ مؤمنین کامیاب ہوئے جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کر نے والے ہیں،اور وہ لوگ جو لغو چیزوں سے بچنے والے ہیں۔

موبائل کو ضرورت اور فائدے کے لیے استعمال کرنا تو ٹھیک و اچھا ہے لیکن تفریح کے لیئے استعمال کرنا سوائے خرابی و بربادی کے اور کچھ نہیں۔

موبائل کے فتنے میں سب مُبتلا ہیں

موبائل کے فتنے میں سب مبتلا ہیں
جو پہلے نہیں تھے وہ اب مُبتلا ہیں
مُبلغ، مُدّرِس، مُجاہد، مُقرّر
عَجَب شے کی لَت میں عَجَب مبتلا ہیں
مُصور، مُصنّف، زمیں دار، دہقاں
میراثی و عالی نَسَب مبتلا ہیں
کتابوں کے شوقین بھی زَد میں آئے
جو سمجھاؤ کہتے ہیں کب مبتلا ہیں
کئی بِیبِیاں ہم سفر ڈھونڈتی ہیں
کئی بِیبِیاں بے سبب مبتلا ہیں
میسنجر سے نکلے تو واٹس ایپ میں ڈوبے
یوں ہی خوامخواہ روز و شب مبتلا ہیں
مُسلسل موبائل اُٹھائے ہوئے ہیں
عَجَم مُبتلا ہیں عَرَب مُبتلا ہیں
گنواروں پہ تنقید کرتے ہو ہُدہُد
کہ افسوس اہلِ اَدَب مُبتلا ہیں

✍ہُدہُد الہ آبادی

موبائل کی عادت

ہاتھوں میں موبائل ہے عبادت سے دُور ہوں

سردارِ انبیاء کی اطاعت سے دُور ہوں
دعوت سے دُور، پیرِ طریقت سے دُور ہوں
اغیار کے قریب ہوں مِلت سے دُور ہوں
تسبیح ہے نہ قرآن ہے ہاتھوں میں آجکل
اذکار کے انوار و تلاوت سے دُور ہوں
جب سے میں حسینوں کا طلب گار ہُوا ہوں
آقائے نامدار کی مِدحت سے دُور ہوں
یہ میری بدنصیبی یا اثراتِ معصیت
خدامِ صحابہ کی جماعت سے دُور ہوں
تلوار کیا اُٹھاوں گا دشمن کے مقابل
مسواک جیسی بہتریں سُنت سے دُور ہوں
غافل سا ہوں میں کُونُو مَعَ الصّادِقِین سے
سچوں کی ہمنشینی و خدمت سے دُور ہوں
سیلفی بھی معصیت ہے رِیا ہے مگر میں کیوں
توبہ سے دُور اشکِ ندامت سے دُور ہوں
صوفی ہوں، نہ داعی ہوں، نہ غازی ہوں میں ہُدہُد
جُھوٹوں کا ہمسفر ہوں صداقت سے دُور ہوں

✍ ہُدہُد الہ آبادی

موبائل نے تلاوت کی حلاوت چھین لی ہم سے
موبائل نے دماغ و دل کی راحت چھین لی ہم سے
موبائل کی نحوست نے ہمیں برباد کر ڈالا

موبائل نے جماعت کی عبادت چھین لی ہم سے
موبائل نے ہمیں فتنوں کے دلدل میں ڈھکیلا ہے
موبائل نے بزرگوں کی رفاقت چھین لی ہم سے
موبائل نے ہماری خلوتوں کو بد نگاہی دی
موبائل نے مریضوں کی عیادت چھین لی ہم سے
موبائل نے ہمیں جنسِ مخالف کی ہوس دی ہے
موبائل جیسی شے نے فکرِ اُمت چھین لی ہم سے
موبائل نے ہمیں اپنوں سے غافل کر دیا ہُدہُد
موبائل نے کتابوں کی محبت چھین لی ہم سے

✍ ہُدہُد الہ آبادی

تصویر کَشی اور فوٹو گرافی کا فتنہ

دورِ حاضر میں تصویر کَشی اور فوٹو گرافی ایک عالمگیر فتنہ اور وبائی مرض کی شکل اختیار کر گیا ہے تصویر اور فوٹو زندگی کا جز بن گئے ہیں دنیا کی کوئی چیز اب اس سے خالی نہ رہی عوام و خواص سب اس بلاء و مرض میں مبتلاء ہو چکے ہیں، تصویر کی برائی اور قباحت لوگوں کے دلوں سے ایک دم رخصت ہو چکی ہے، تصویر کشی کا عمل ایک فیشن بن چکا ہے، بکثرت لوگ بلا حاجت و ضرورت اور بلا اضطرار و مجبوری کے محض تفریحِ طبع و شوقیہ اور زیب و زینت کے طور پر اپنی اور دوسروں کی تصاویر بے دریغ بناتے اور کھینچتے ہیں اس میں نہ کوئی برائی سمجھتے ہیں نہ گناہ،

معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام میں تصویر کشی خواہ انسان کی ہو یا کسی حیوان و جاندار کی حرام اور گناہِ کبیرہ ہے اور تصویر بنانے کا انداز چاہے مُجَسَّمے کی شکل میں

ہو یا کسی کاغذ پر یا کسی کپڑے پر یا کسی دیوار وغیرہ پر سایہ دار ہو غیر سایہ دار یہ سب ناجائز اور گناہِ ہے،

اور یہ تصویر چاہے ہاتھ و قلم کے ذریعے بنائی جائے، یا اس جدید ترقی یافتہ دور میں دیگر آلاتِ فوٹو مثلاً پریس، کیمرہ وغیرہ کے ذریعے، کیونکہ علماء کے نزدیک جب انسان یا کسی ذی روح و جاندار کا عکس اور اس کی شکل وصورت کسی بھی طریقے سے کسی چیز پر قائم اور پائیدار بنا لی گئی تو وہ تصویر کے حکم میں ہے، اب اس پر تصویر کا اور بنانے والے پر مُصَوِّر کا حکم لاگو ہو گا۔

تنبیہ: کیمرہ اور دیگر آلاتِ تصویر سے لی ہوئی تصویر کو آئینہ اور پانی میں نظر آنے والے عکس اور ظل و سایہ کے مانند عکس و سایہ قرار دیکر اس کو جائز سمجھنا صحیح نہیں جیسا کہ بعض حضرات کا موقف و نظریہ ہے، کیوں کہ دونوں میں بڑا فرق ہے،

ظل و سایہ اور عکس قائم و پائدار نہیں ہوتا بلکہ صاحبِ ظل و صاحبِ عکس کے تابع ہوتا ہے، جب تک وہ آئینہ اور پانی کے سامنے موجود ہے تو یہ ظل اور عکس بھی موجود ہے جب وہ غائب ہوا تو وہ ظل، سایہ اور عکس بھی غائب ہو گیا، لیکن کیمرہ و دیگر آلات سے لی ہوئی تصویر تو پائیدار اور محفوظ ہو جاتی ہے، اسے استقرار حاصل ہو جاتا ہے اسے جب چاہیں اور جتنی مرتبہ چاہیں دیکھ دکھا سکتے ہیں، تو یہ تصویر ہوئی نہ کہ عکس، لہذا اس پر تصویر کے احکام جاری ہوں گے (کماھو مستفاد من جواھر الفقہ / ج۳)

تصویر سازی پر وعید

احادیث نبویہ میں ذِی روح و جاندار کی تصویر بنانے پر بڑے سخت عذاب کی

وعید آئی ہے،

چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا إِنَّ أَشَدَّ النّاسِ عذاباً يومَ القيامةِ المُصَوِّرُونَ (اخرجه البخاری / ۵۹۵۰) کہ تصویر بنانے والوں کو قیامت کے دن سب سے سخت عذاب ہو گا۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا إِنَّ الَّذِينَ يَصْنَعُونَ هٰذِهِ الصُّوَرَ يُعَذَّبُونَ يومَ القِيامَةِ، يُقالُ لهمْ: أَحْيُوا ما خَلَقْتُمْ (اخرجه البخاری / ۵۹۵۱) کہ جو لوگ تصویر بناتے ہیں وہ قیامت کے دن عذاب دئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ ان تصویروں میں زندگی پیدا کرو۔

اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا من صوَّر صورةً في الدنيا، كُلِّفَ أن ينفخَ فيها الروحَ يومَ القيامةِ، وليس بنافخٍ (صحیح الجامع / ۱۷ ۶۳) کہ جس نے دنیا میں (کسی جاندار کی) تصویر بنائی قیامت کے دن اسے حکم ہو گا کہ اس میں روح پیدا کرے لیکن وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکے گا۔

اور انھیں سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا كلُّ مُصوِّرٍ في النّارِ، يَجْعَلُ له بكلِّ صورةٍ صوَّرَها نفساً فتُعذِّبُهُ في جهنَّمَ (اخرجه مسلم / ۲۱۱۰) کہ ہر تصویر بنانے والا جہنم میں جائے گا، ہر تصویر کے عوض اس میں جان پیدا کر کے اسے عذاب دیا جائے گا۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا قالَ اللهُ عزَّ وجلَّ: ومَن أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي، فَلْيَخْلُقُوا

ذَرَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوا حَبَّةً أَوْ شَعِيرَةً (صحيح البخاري / ۷۵۵۹) کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ وہ آدمی سب سے بڑا ظالم ہے جو میری طرح خالق بننے کی کوشش کرتا ہے وہ ایک ذرہ ایک دانہ یا ایک جو پیدا کر کے تو دکھائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے واپس تشریف لائے میں نے ایک طاق یا الماری پر تصویروں والا پردہ لٹکا رکھا تھا جب آپ نے اس کو دیکھا تو پھاڑ ڈالا اور آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا، آپ نے فرمایا یا عائِشَةُ أَشَدُّ النّاسِ عَذابًا عِنْدَ اللهِ يَومَ القِيامَةِ. الَّذِينَ يُضاهُونَ بخَلْقِ اللهِ. قالَتْ عائِشَةُ: فَقَطَعْناهُ فَجَعَلْنا منه وِسادَةً، أَوْ وِسادَتَيْنِ. (مسلم /۲۱۰۷) کہ اے عائشہ قیامت کے دن ان لوگوں کو سب سے سخت عذاب ہو گا جو اللہ تعالی کے ساتھ خالق ہونے میں برابری کی کوشش کرتے ہیں، حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ہم نے اس پردے کو کاٹ کر اس کے ایک یا دو تکیے بنا لیے۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا تَدْخُلُ المَلائِكَةُ بَيْتًا فيه كَلْبٌ ولا تَصاوِيرُ (بخاری / ۵۹۴۹) کہ اس گھر میں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

کس قسم کی تصویر جائز ہے

(۱) غیر ذی روح جس کو عرفِ عام میں بے جان کہتے ہیں اس کی تصویر اور ویڈیو بنانا ور کھنا جائز ہے جیسے کہ پیڑ، پودا مکان اور قدرتی مناظر وغیرہ۔

(۲) صرف چہرہ یا نصفِ اعلیٰ یعنی اوپر والے آدھے حصہ کی تصویر پاسپورٹ وغیرہ کی ضرورت کے واسطے جائز ہے۔

(۳) ذی روح وجاندار کی ایسی تصویر جس میں سر نہ ہو مثلاً سر کاٹ دیا گیا ہو یا اسے رنگ وروغن کے ذریعے لتھیڑ دیا گیا ہو، باقی دیگر اعضا اگرچہ ہوں، یا سر

کے علاوہ ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک، کان وغیرہ کی الگ الگ تصویریں۔

(۴) ذی روح کی انتہائی چھوٹی تصویر جو بہت غور سے دیکھنے کے بعد نظر آئے جیسے کہ بٹن انگوٹھی کے نگینہ یا روپیہ پیسہ پر اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔

(۵) ذی روح کی وہ تصویریں جو کسی چیز میں چھپی یا بند ہوں مثلاً کسی غلاف، تھیلی یا کسی ڈبہ وغیرہ میں۔

(۶) مُمْتَہَن و مُبْتَذَل تصاویر یعنی جو تصویریں کسی ایسی چیز یا ایسی جگہ میں بنی ہوں جو عادۃً پامال اور ذلیل و حقیر سمجھی جاتی ہوں مثلاً پامال فرش، یا بستر میں، یا بیٹھنے کے گدے، تکئے، کرسی یا جوتا چپل کے تلے میں، ان کا استعمال جائز ہے۔

خیال رہے کہ جن تصاویر کا بنانا اور رکھنا جائز نہیں ان کا قصداً وارادۃً دیکھنا بھی جائز نہیں البتہ تبعاً یا بلا ارادۃً نظر پڑ جائے تو مضائقہ نہیں۔(التصویر لاحکام التصویر: مفتی محمد شفیع صاحب)

ڈیجیٹل تصویر اور ویڈیو گرافی جائز یا ناجائز؟

اس ترقی یافتہ دور میں جس ویڈیو اور ڈیجیٹل تصویر یعنی الیکٹرانک تصویر کا عام چلن ورواج ہو چکا ہے جس میں تصاویر کسی کاغذ وغیرہ کسی چیز پر ایک جگہ ثبت و جامد، ساکن و ساکت اور ٹھہری رہنے کے بجائے ٹی وی و موبائل کی اسکرین اور اس کے شیشے پر چمکتی دمکتی، چلتی پھرتی، بولتی، تھرکتی اور حرکت کرتی نظر آتی ہیں، اس تصویر کے جائز وناجائز، حلال اور حرام ہونے کے تعلق سے علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے،

علمائے کرام کی ایک جماعت اس تصویر کو حلال اور جائز سمجھتی ہے جب کہ ان کے بالمقابل علماء ومفتیان کرام کی ایک جماعت اس تصویر کو بھی حرام اور ناجائز قرار دیتی ہے، اور اِن حضرات کا یہ اختلاف مبنی ہے اس کے تصویر ہونے یا

نہ ہونے پر۔

پس جو حضراتِ علمائے کرام اس ڈیجیٹل و الیکٹرانک نظام و کیمرے کے ذریعے کمپیوٹر، ٹی وی اور موبائل اسکرین اوراس کے شیشے پر ظاہر ہونے والے مناظر کو تصویر نہیں مانتے بلکہ اس کو پانی اور آئینہ میں نظر آنے والے عکس وسایہ کے مثل ومشابہ، سایہ وعکس قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک ڈیجیٹل اور الیکٹرانک تصاویر جائز ہیں کیونکہ وہ تصویر نہیں ہیں وہ تو صرف خطوط، نقوش، نقطے، یاغیر واضح برقی ذرات ہیں، ہاں البتہ اگران کوکسی کاغذپر پرنٹ کرلیاجائے یا اسے پائیدار طریقےسے کسی چیزپر نقش وثبت کر لیا جائےتو اب یہ تصویرِکے حکم میں داخل ہوجائیں گے۔

(ضروری تنبیہ:) لیکن یہ بات ضرور ذہن نشین رہنی چاہئے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی ڈیجیٹل کیمرے والی ہر تصویر مطلقاً جائز نہیں ہے بلکہ جن چیزوں کو خارج میں بغیر تصویر کے دیکھنا جائز ہے صرف انھیں کی تصاویر جائز ہیں اور جن چیز کو خارج میں بغیر تصویر کے دیکھنا جائز نہیں ان کی تصویر یا ان کا ویڈیو بنانا ودیکھنا بھی جائز نہیں،

لہذا ڈیجیٹل یا غیر ڈیجیٹل کیمرہ سے نامحرم خواتین کی تصاویر لینا یا کھینچنا یا فحش اور ناجائز مناظر کی ویڈیو بنانا یاموسیقی اور گانے کے ساتھ تصاویر اور مناظر کو محفوظ کرنااور دیکھنا جس میں آج لوگ بکثرت مبتلاہیں ان حضرات علمائے کرام کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے،

نیز بعض علمائے کرام نے ڈیجیٹل کیمرے والی تصاویر کوتصویر قرار دینے کے باوجود، شرعی ودینی ضرورت، یااس کے علاوہ کسی واقعی ومعتبر دینی یا دنیوی

مصلحت کی خاطر، ایسی چیزوں کی تصاویر اور ان کے مناظر کی ویڈیوز بنانے کی گنجائش دی ہے، جن میں تصویر ہونے کے علاوہ کوئی اور حرام وناجائز پہلو مثلا عریانیت موسیقی یا غیر مَحرَم کی تصویر وغیرہ نہ ہو،

لہذا جو لوگ دینی و دنیوی ضرورت و مصلحت کے بغیر ڈیجیٹل کیمرے سے تصویر کشی کرتے ہیں یا جائز و ناجائز کی پرواہ کیے بغیر بے دھڑک ہر طرح کے مناظر کی تصاویر اور اس کی ویڈیوز بناتے ہیں یا اسے ٹی وی، موبائل وغیرہ کی اسکرین پر دیکھتے ہیں انھیں سخت احتیاط کی ضرورت ہے اور اگر وہ اپنے اس غیر محتاط عمل کے جواز میں ان حضرات علمائے کرام کے قول و فعل کو بطور حجت اور دلیل پیش کریں تو صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان علماء کرام کے نزدیک مطلقاً، ہر حال میں ہر طرح کی ڈیجیٹل تصویر کی اجازت اور گنجائش نہیں ہے۔)

اور جو علماء و مفتیان کرام اس ڈیجیٹل والیکٹرانک نظام و کیمرے کے ذریعے کمپیوٹر، ٹی وی اور موبائل اسکرین پر ظاہر ہونے والے مناظر کو تصویر سمجھتے ہیں وہ اسے ناجائز کہتے ہیں،

ان حضرات کی تحقیق کے مطابق ڈیجیٹل نظام کے ذریعہ محفوظ کردہ عکس کو آئینہ کے عکس کی طرح ناپائیدار قرار دے کر تصویر میں داخل نہ ماننا درست نہیں ہے، کیوں کہ دونوں میں واضح فرق موجود ہے، آئینہ کا عکس مستقل نہیں ہوتا، وہ صاحبِ عکس کے تابع ہوتا ہے، آئینہ کے سامنے سے جیسے ہی ذی عکس ہٹتا ہے، عکس بھی فوراً ختم ہو جاتا ہے، ایک لمحہ کے لیے بھی عکس بغیر ذی عکس کے قائم اور باقی نہیں رہتا اور اگر ذی عکس دوبارہ آئینہ میں اپنا عکس دیکھنا چاہے تو اس کو دوبارہ آئینہ کے سامنے آنا پڑے گا، بغیر اس کے اس کو اپنا عکس نظر نہیں آئے گا، جبکہ اس کے بالکل متضاد ڈیجیٹل نظام کے ذریعہ برقی ذرات کی شکل میں جو

عکس محفوظ ہوا ہے، وہ مستقل ہوتا ہے، صاحبِ عکس کے تابع نہیں ہوتا، جب چاہیں اس کو بلا ذی عکس کے اسکرین پر دیکھ سکتے ہیں، تو یہ عکس کہاں رہا یہ تو تصویر ہو گیا۔

کیوں کہ کسی جاندار کے عکس کے بقاء وقیام اور اس کے تصویر ہونے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ وہ عکس محفوظ ہو جائے خواہ کسی سطح مثلاً کاغذ نگیٹو وغیرہ پر رنگ روغن مسالہ کے ذریعے جیسا کہ قدیم زمانے سے تصویر سازی کا یہ طریقہ چلا آرہا ہے، یا بلا کسی سطح کے مثلاً برقی ذرات، حروف و نقوش اور نقطوں کی شکل میں محفوظ ومقید ہو کر جیسا کہ آج اس ترقی یافتہ دور میں ڈیجیٹل کیمروں کے ذریعے ہو رہا ہے،

اور اس میں ایسا استقلال پیدا ہو جائے کہ جب چاہیں بلا عکس اسے دیکھ لیں، ذی عکس پر اس کا انحصار ختم ہو جائے اور یہ ساری باتیں ڈیجیٹل کیمرے والی تصاویر اور ویڈیوز میں پائی جاتی ہیں۔

اور مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصویر ہونے یا نہ ہونے کا مدار عرف پر ہونا چاہیے نہ کہ سائنسی وفنّی تدقیقات (بار کیوں) پر اور عرفِ عام میں اسے (یعنی ڈیجیٹل تصویر کو) تصویر ہی سمجھا جاتا ہے۔

(پس ان حضرات علمائے کرام کے نزدیک ڈیجیٹل کیمرے والی تصاویر اور ویڈیوز، ممنوع تصویر کے حکم میں ہیں جن سے بلاحاجت وضرورت احتیاط واجتناب ضروری ہے)

نوٹ: مذکورہ بالا مضمون مستفاد ہے، مظاہر العلوم سہارنپور، دارالعلوم کراچی، دارالافتاء جامعۃ الرشید وغیرہ کے ان فتاویٰ سے جو انٹرنیٹ پر موجود ہیں۔

ڈیجیٹل کیمرہ کے متعلق آنکھ کا دھوکہ

بعض اہلِ علم کی تحقیق یہ ہے کی ڈیجیٹل اور ویڈیو کیمرہ بھی متحرک تصویر نہیں بناتا بلکہ ساکت (ٹھری) تصاویر ہی بناتا ہے لیکن اس کی تصویر کشی کی رفتار بہت تیز ترین ہوتی ہے، کہ ایک ویڈیو کیمرہ ایک سیکنڈ میں تقریباً نو سو / ۹۰۰ سے زائد تصاویر کھینچتا ہے اور پھر جب اس ویڈیو کو چلایا جاتا ہے تو اسی تیزی کے ساتھ ان کی "سلائیڈ" شو کرتا ہے یعنی ان کھینچی ہوئی تصویروں کو پے در پے یکے بعد دیگرے سامنے لاتا ہے جسے اس فن سے ناآشنا لوگ مُتَحَرِّک تصویر سمجھ لیتے ہیں حالانکہ وہ متحرک نہیں ہوتی بلکہ ساکن تصاویر ہی کا ایک تسلسل ہوتا ہے جس کا انسانی آنکھ ادراک نہیں کر سکتی،

جیسے کہ آپ دیکھتے ہیں جب پنکھا اپنی پوری رفتار سے چل رہا ہو تو اس کی جانب دیکھنے والے کو پنکھے کے پَرُ (پتی) نظر نہیں آتے بلکہ اسے پنکھے کی موٹر کے گرد ایک ہالہ سا بنا دکھائی دیتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید اس کے پر نہیں ہیں بلکہ ایک شیشہ سا ہے جو اس کے گرد تنا ہوا ہے، جبکہ ذی شعور اور صاحب علم افراد یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد یقین رکھتے ہیں کہ یہ ہماری آنکھوں کا دھوکہ ہے، پنکھے کے پر یقیناً موجود ہیں اور وہی گھوم کر ہمیں ہوا دے رہے ہیں، لیکن جس شخص نے پنکھے کو ساکت اور ٹھرے رہنے کی حالت میں نہ دیکھا ہو گا شاید وہ اس بات پر یقین نہ کر سکے،

یہ تو ایک پنکھے کی مثال ہے جس کی رفتار ویڈیو کیمرے سے کم از کم پانچ گنا کم ہوتی ہے،

الغرض ویڈیو کیمرہ بھی متحرک تصویر نہیں بناتا ہے بلکہ وہ بھی ساکن وثابت تصاویر ہی کھینچتا ہے اور انھیں کی سلائیڈ "شو" کرتا ہے (یعنی انہیں کھینچی

ہوئی تصویری تختیوں کو بتسلسل یکے بعد دیگرے دکھاتا ہے۔)

(اور ساکت و ثابت تصاویر کے تصویر ہونے میں کوئی کلام ہے نہیں، پس ڈیجیٹل اور ویڈیو کیمرہ کی تصاویر، تصویر ہی ہیں نہ کہ عکس،)۔(مضمون ابو عبد الرحمٰن محمد رفیق)

ہر قسم کی تصویر سے بچنا ہی بہتر ہے

معلوم ہونا چاہیے کہ تصویر کھینچنے اور بنانے پر احادیث نبویہ میں جس قدر سخت عذاب اور سزا کی وعید آئی ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ ایک مومن اور مسلمان ڈیجیٹل اور غیر ڈیجیٹل کی تقسیم اور تفریق کیے بغیر جاندار کی ہر قسم کی تصویر سے اجتناب واحتراز کرے اوراس سے دور بھاگنے کی کوشش کرے خواہ وہ جاندار کی تصویر کاغذ یا کسی چیز پر ہاتھ سے بنائی جائے یا کیمرے کے ذریعے بنائی جائے یا ڈیجیٹل کیمرے کے ذریعے ویڈیو بنائی جائے،

نیز ڈیجیٹل اور ویڈیو تصویر کا معاملہ اگر مشتبہ مانا جائے تو بھی اس کا تقاضا یہی ہے کہ اس سے اجتناب واحتراز کیا جائے، کیوں کہ مؤمن کی شان یہ ہونی چاہئے کہ وہ مشکوک و مشتبہ چیز کے قریب نہ جائے، اس میں اس کے دین اور عزت دونوں کی حفاظت اور سلامتی ہے

حدیث پاک میں آتا ہے کہ مومن مشتبہ چیزوں سے بھی اپنے آپ کو بچاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے

الْحَلَالُ بيِّنٌ، والْحَرَامُ بيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا أُمُورٌ مُشْتَبِهَاتٌ وَالْمُؤْمِنُونَ وَقَّافُونَ عِندَ الشُّبُهاتِ (ارشاد الفحول ۲ / ۴۳۲) کہ حلال اور حرام واضح ہیں اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں اور جو اہلِ ایمان ہیں وہ مشتبہ چیزوں سے رک جانے والے ہیں۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے' الحلالُ بَیِّنٌ والحرامُ بَیِّنٌ وبینَهُما مُشْتَبِهاتٌ فَمَنْ اتَّقاها كانَ أَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشبُهاتِ أَوْشَكَ أَنْ يَقَعَ فِي الحرامِ وهو لا يَشْعُرُ (مجمع الزوائد ۴۔۷۴) کہ حلال اور حرام دونوں چیزیں واضح ہیں لیکن ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں بھی ہیں، پس جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچا رہا وہ اپنا دین اور اپنی عزت بچالے گیا، اور جو مشتبہ چیزوں میں پڑ گیا تو ممکن ہے کہ وہ حرام میں بھی جا پڑے اور اسے خبر بھی نہ ہو۔

اور مشکوک و مشتبہ چیز سے حدیث پاک میں بچنے کا حکم بھی آیا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے دعْ ما یُرِیبُكَ إلى ما لا یُرِیبُكَ (اخرجه الترمذی /۲۵۱۸) کہ شک شبہ والی چیز چھوڑ کر غیر شک وشبہ والی چیز اختیار کرو۔

اور یہ اصول بھی فقہاء کا مشہور ہے کہ جس چیز کی حِلَّت و حُرمَت، جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہو جائے تو اس کی حرمت اور عدمِ جواز کی جہت کو ترجیح ہونی چاہیے، اس اصول کا بھی تقاضا یہی ہے کہ ڈیجیٹل کیمرے والی تصاویر اور ویڈیوز سے احتیاط واحتراز کیا جائے۔

خلاصۂ کلام: ڈیجیٹل اور غیر ڈیجیٹل کی تقسیم و تفصیل کیے بغیر ذی روح کی ہر طرح کی تصویر اور ویڈیوز سے بچنے ہی میں عافیت اور دین و ایمان اور تقوی وطہارت کی حفاظت و سلامتی ہے،

ہاں مگر یہ کہ کوئی شرعی و دینی حاجت و ضرورت ہو، یا اضطرار واکراہ کی حالت و کیفیت ہو مثلاً ملکی و حکومتی قانون وضوابط کی وجہ سے آدمی مجبور و بے بس ہو، تو پھر ایسی حالت میں اس میں گنجائش ہے کوئی حرج کی بات نہیں، کیوں کہ اضطرار و مجبوری اور ضرورت کے احکام کچھ اور ہوا کرتے ہیں، جیسا کہ فقہاء کا اصول مشہور ہے

اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ (الاشباہ والنظائر للسیوطی / ۱۳۳) کہ ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں۔

ایک اہم گزارش

ذی روح کی تصویر کشی کی حرمت اگرچہ مَنْصُوص علیہ ہے یعنی حدیث سے ثابت ہے لیکن ڈیجیٹل کیمرے کے مناظر کا تصویر ہونا منصوص نہیں ہے، یہ ایک مُجْتَہَد فِیہ مسئلہ ہے جس میں علماء و مفتیان کرام کو اپنی تحقیق اور اپنے نقطۂ نظر کے مطابق اختلاف رائے رکھنے کی گنجائش ہے جیسا کہ بیشمار مُجْتَہَد فِیہ مسائل میں علماء ومفتیان عظام کی مختلف آراء پائی جاتی ہیں، اور جیسے دیگر تمام اجتہادی مسائل میں اختلاف رائے رکھنے کے باوجود ایک دوسری کی عزت وآبرو کا پاس ولحاظ رکھا جاتا ہے، اسی طرح اس مسئلہ میں بھی رکھنا ضروری ہے، کسی فریق کی رائے کو ہدفِ تنقید بنانا یا کسی پر طعن و تشنیع کرنا مناسب نہیں، خصوصا ان علمائے کرام پر جو اسے عکس سمجھتے ہوئے یا دینی و دنیوی ضرورت و مصلحت کے لئے جائز سمجھتے ہوئے ٹی وی چینلز وسوشل میڈیا کو دینی خدمات کے لئے استعمال کرتے ہیں اور اس میں وہ دین و امت کا فائدہ سمجھتے ہیں مثلاً دین وعقائد کی تبلیغ واشاعت، تعلیم و تعلم، درس و تدریس، وعظ و نصیحت، علمی بحث ومباحثہ، محاضرہ ومناظرہ اور مسئلے ومسائل وغیرہ کے لئے، جس میں صرف تصویر ہی ہوتی ہے اس کے علاوہ کوئی اور غیر شرعی اور غیر مناسب چیز بالکل نہیں ہوتی، امید ہے کہ یہ حضرات اپنی نیک نیتی اور اپنی ان دینی وملی خدمات کی وجہ سے اللہ کے یہاں اجر وثواب کے مستحق ہوں، اس لئے ان پر اعتراض و تنقید کرنا یا ان سے بد ظن وبد گمان ہونا بالکل مناسب نہیں،

ہاں البتہ جو لوگ اس کے ذریعے نہ کوئی دینی وملی خدمت انجام دیتے ہوں

اور نہ دے سکتے ہوں، وہ ضرور اپنے آپ کو اس سے دور رکھیں اور کسی بھی طریقے سے اس کے ذریعے خود کو اور اپنے قیمتی اوقات کو ضائع اور برباد نہ کریں، اور نہ ہی ان علمائے کرام کے قول و فعل کو ٹی وی چینلز و سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل کیمرہ کے غلط و غیر مناسب استعمال کے جواز میں حجت و دلیل اور ڈھال کے طور پر پیش کریں،

کیونکہ دونوں میں بڑا فرق ہے اور اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (بخاری/۱)

اور اعمال پر احکام ان کے مقاصد کے اعتبار سے جاری و ساری ہوتے ہیں وَالْأُمُوْرُ بِمَقَاصِدِهَا (الاشباہ والنظائر للسیوطی/۳۰)

اور اللہ رب العزت دیکھ رہے ہیں کہ ان چیزوں کو کون کس کام میں اور کس مقصد کے لئے استعمال کر رہا ہے أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ ٱللَّهَ يَرَىٰ (العلق) کیا انہیں پتہ نہیں کہ اللہ دیکھ رہے ہیں۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (التوبہ) کیا انہیں پتہ نہیں کہ اللہ ان کی تمام پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو جانتے ہیں اور یہ کہ ان کو غیب کی ساری باتوں کا پورا پورا علم ہے؟

بدعت کا فتنہ

بدعت دین و ایمان کے لئے انتہائی نقصان دہ چیز ہے اور یہ دورِ حاضر کا بہت بڑا فتنہ ہے چنانچہ آج بکثرت ایسی بہت سی چیزیں سنت اور شریعت کے نام پر پھیلائی جارہی ہیں جن کا سنت اور شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود لوگ اپنی کم علمی اور جہالت کے سبب ان کو عبادت سمجھ کر اختیار کر بیٹھتے ہیں جس کی وجہ سے سوائے گمراہی اور گناہ کے ان کے ہاتھوں کچھ حاصل نہیں

ہوتا،

معلوم ہونا چاہئے کہ بدعت سراسر ظلمت و گمراہی ہے اور خدا ورسول اور جنت سے دوری پیدا کرنے کا ذریعہ ہے، جہنم میں جانے کا باعث ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے وإِيَّاكُم ومُحْدَثاتِ الأُمُورِ فإنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ (مجموع الفتاوى ابن باز) و زاد في حديثٍ آخرَ :وَكُلَّ ضَلالَةٍ فِي النَّارِ. کہ دین میں ایجاد ہونے والی ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں جائے گی۔

اورابوداؤد شریف کی روایت میں ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ . (سنن ابی داؤد /۴۶۰۶) کہ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

مذکورہ یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جو شریعتِ اسلامیہ کے لئے بنیادی ارکان اور بنیادی اُصول و ضَوابط کی حیثیت رکھتی چنانچہ امام یحییٰ بن شَرف نَوَوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”هٰذَا الْحَدِيثُ قَاعِدَةٌ عَظِيمَةٌ مِنْ قَوَاعِدِ الْاِسْلَامِ“ یعنی یہ حدیثِ پاک اسلام کے اُصولوں میں سے ایک عظیم اُصول ہے۔ (شرح النووی علی مسلم، جز:۱۲، ج۶، ص۱۶)

بدعات کی نحوست سے سنت نیست و نابود ہو جاتی ہے اور آدمی سنت کے انوار و برکات سے محروم کردیا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے مَا أَحْدَثَ قَومٌ بِدْعَةً إِلَّا رُفِعَ مثلُهَا مِنَ السُنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيرٌ مِنْ إِحْدَاثِ بِدْعَةٍ (مجمع الزوائد ۱۹۳/۱) کہ جو قوم بھی کوئی بدعت پیدا کرتی ہے یعنی دین میں نئی بات داخل کرتی ہے تو اسی کے بقدر سنت اٹھالی جاتی ہے پس کسی سنت کا مضبوطی

کے ساتھ پکڑے رہنا کسی بدعت ایجاد کرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔

بدعت اللہ و رسول، فرشتے اور تمام انسانوں کی لعنت کا سبب ہے، ابن ماجہ شریف میں ہے لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ لِصَاحِبِ بدعۃٍ صَومًا، ولا صَلاۃً، ولا صَدقۃً، ولا حَجًّا، ولا عُمْرَۃً، ولا جِہَادًا، ولا صَرْفًا، ولا عَدْلًا، یَخْرُجُ مِنَ الإِسْلامِ کَمَا تَخْرُجُ الشَّعْرَۃُ مِنَ العَجِینِ (ابن ماجہ: ۴) کہ اللہ تعالیٰ بدعتی کا روزہ، نماز، حج، عمرہ، صدقہ خیرات، جہاد قبول نہیں فرماتے اور نہ ہی اس کی کوئی فرض اور نفلی عبادت، اور وہ اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔

بدعتی کی تعظیم و توقیر کرنے والے پر لعنت و پھٹکار ہوتی ہے، بدعتی کی تعظیم و توقیر کرنا اسلام کی بنیاد ڈھانے کے برابر ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعۃٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلیٰ ھَدْمِ الإِسْلَامِ (المعجم الاوسط ۷/ ۳۴) کہ جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی تو تحقیق کہ اس نے اسلام کو ڈھادینے میں مدد کی۔

بدعتیوں کو میدانِ حشر میں حضرت نبی پاک ﷺ کے دست مبارک سے جام کوثر پینا نصیب نہ ہوگا جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں حوض کوثر پر تم سے پہلے موجود ہوں گا جو شخص میرے پاس آئے گا وہ اس کا پانی پیئے گا، کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے مگر میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی فَأَقُولُ إِنَّھُمْ مِنِّي، فَیُقَالُ: إِنَّكَ لا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، فأَقُولُ: سُحْقًا سُحْقًا لِمَن غَيَّرَ بَعْدِي. (صحیح البخاری ۶۵۸۳) میں کہوں گا یہ تو میرے آدمی ہیں جواب ملے گا آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا ایجاد کیا۔ یعنی بدعات و خرافات یہ سن کر میں کہوں

گا سُحقاً سُحقاً پھٹکار پھٹکار ان لوگوں پر جنہوں نے میرے بعد میرا طریقہ بدل ڈالا۔

اور بدعت کے مقابل سنت سراسر نور و ہدایت ہے، خداو رسول سے قریب کرنے کا سبب ہے، جنت تک پہنچنے کا ذریعہ ہے، امت کے فساد کے وقت سنت پر عمل کرنے والے کے لئے سو شہیدوں کے برابر ثواب ہے جیسا کہ رسول پاک صلی اللہ وسلم کا ارشاد ہے مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِندَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ (الترغیب والترہیب۱/۶۱) کہ جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑا تو اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

سنت کو زندہ کرنے والا اور سنت سے محبت کرنے والا در حقیقت آنحضور ﷺ سے محبت کرنے والا ہے اور آپ سے محبت کرنے والا جنت میں آپ کے ساتھ ہوگا جیسا کہ آپ کا ارشاد عالی ہے وَمَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي؛ فَقَدْ أَحَبَّنِي؛ وَمَنْ أَحَبَّنِي؛ كَانَ مَعِيَ فِي الجَنَّةِ (تخریج مشکوۃ المصابیح ۱۷۳) کہ جس نے میری سنت سے محبت کی تو گویا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

سنت پر عمل کرنے اوراس پر مضبوطی سے جمنے کی قرآن و حدیث میں تاکید آئی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا [الحشر ۶-۷] کہ رسول جن باتوں کا تمھیں حکم دیں اسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

اور حدیثِ پاک میں رسول پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری سنت کو اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت کو مضبوطی کے ساتھ تھامو عَلَيْكُم بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ المَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي، عَضُّوا

عَلَيهَا بِالنَّواجِذِ (جامع بیان العلم ۲/ ۰۹۲۴) کہ میری سنت کو اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنتوں کو لازم پکڑو۔

لہذا ہمیں شریعت و سنت کا صحیح علم حاصل کرنا چاہیے اور علماء اور اہلِ علم سے اپنی وابستگی رکھنی چاہیے تاکہ ہم سنت اور بدعت میں امتیاز اور فرق کر سکیں، اور اگر کسی چیز کے سنت یا بدعت ہونے میں اشتباہ واقع ہو تو اہل علم کی طرف رجوع کریں، تحقیق و جستجو کیے بغیر اس پر عمل کرنے سے گریز کریں، کیوں کہ اہل ایمان کی یہ شان نہیں کہ اگر انھیں دین کے نام پر کسی چیز کی طرف دعوت دی جائے تو تحقیق کیے بغیر اس پر بہرے اور اندھے ہو کر گر پڑیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَٱلَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِـَٔايَـٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا (۷۳ الفرقان) کہ انہیں جب اللہ کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو اس پر بہرے اور اندھے ہو کر گر نہیں پڑتے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا قول

كُلُّ عِبَادَةٍ لَمْ يَتَعَبَّدْهَا اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰه صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فَلاَ تَعَبَّدُوهَا فَاِنَّ الْاَوَّلَ لَمْ يَدَعْ لِلْآخِرِ مَقَالاً فَاتَّقُوا اللّٰهَ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْن وَخُذُوْا طَرِيْقَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ. (الاعتصام علامہ شاطبی، ص: ۳۱۰، ج: ۲)

کہ عبادت کا جو کام اصحاب رسول نے نہیں کیا، وہ کام تم بھی نہ کرو کیونکہ پہلے لوگوں نے پچھلوں کے لئے کوئی کسر اور کمی نہیں چھوڑی، جس کو یہ پچھلے لوگ پورا کریں۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اے مسلمانو! اور پہلے لوگوں کے طریقے اختیار کرو۔

بدعتی دین کو ناقص اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خائن تصور کرتا ہے

آج اگر کوئی شخص ایسا کام کرتا ہے جو کام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک دَور میں نہیں تھا، اور پھر وہ شخص اس کام کو نیکی اور دین اور ثواب سمجھتا ہے وہ عملی طور پر اس بات کا دعویدار ہے کہ (معاذ اللہ) اللہ کا بھیجا ہوا دین ناقص ہے جس میں نیکی اور ثواب کا یہ کام بیان نہیں ہوا۔ جو آج میں نے سمجھا ہے۔

اسکے علاوہ وہ شخص اس بات کا بھی مدعی ہے کہ نیکی کی جس بات کا اور ثواب کے جس کام کا آج مجھے علم ہوا ہے۔ (معاذ اللہ) آنحضرت اور اصحاب رسول کی قدوسی جماعت کو بھی نیکی کے اِس کام کا علم نہیں تھا۔ یا ان کو علم تو تھا، مگر امت کو بتانے میں بُخل کر گئے۔ اور اللہ کے پیغام پہنچانے میں کوتاہی بھی کی اور خیانت بھی اور اس طرح کا گمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں رکھنا واضح کفر ہے۔ چنانچہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :مَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً يَرَاهَا حَسَنَةً فَقَدْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَانَ الرِّسَالَةَ لِاَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" فَمَالَكُمْ يَوْمَئِذٍ دِيْنًا لَايَكُوْنُ الْيَوْمَ دِيْنًا۔ (الاعتصام علامہ شاطبی، ص:۴۸، ج:۱)

کہ جو شخص بدعت کا کام کرتا ہے، اور اسے نیکی سمجھتا ہے وہ گمان کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ رسالت میں خیانت کی ہے پس جو کام اس زمانے میں دین نہیں تھا، وہ کام آج بھی دین نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا ہے۔ ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَـٰمَ دِينا (المائدہ)۳/ کہ آج ہم نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تمہارے اوپر تام کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین ہونے کے اعتبار سے پسند کر لیا۔

لہٰذا عبادت و نیکی اور دین کا ہر کام کرتے ہوئے دیکھنا اور پرکھنا ہو گا کہ

آنحضرت ﷺ اور اصحابِ پیغمبر کا اس بارے میں کیا عمل تھا۔ اگر اس کا ثبوت آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے مل جائے تو وہ کام سنت ہو گا، ثواب ہو گا، نیکی ہو گا، دین ہو گا، خدا اور اس کے رسول کی رضا وخوشنودی کا مُوجِب وسبب ہو گا۔ اگر اس کام کا وجود و ثبوت اور نام ونشان آنحضرت ﷺ کی سیرت و سنت میں بھی نہ ہو، اصحاب رسول کے اعمال سے بھی نہ ہو، تو پھر وہ کام بظاہر کتنا ہی خوشنما کیوں نہ ہو۔ بظاہر نیکی معلوم ہو وہ سنت اور دین نہیں ہو گا بلکہ بدعت، ضلالت اور گمراہی ہو گا، وہ کام غضبِ خداوندی کا موجب ہو گا، رسول انور ﷺ کی ناراضی کا سبب ہو گا۔

بدعتی کو توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی

ہر گنہگار کو توبہ کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے مگر بدعتی کو توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ اسلئے کہ ہر گنہگار گناہ کرتا ہے گناہ سمجھ کر، زانی زنا کرتا ہے تو زنا کو گناہ سمجھتا ہے، چور چوری کرتا ہے گناہ سمجھ کر، قاتل قتل کرتا ہے تو قتل کو گناہ سمجھتا ہے، ڈاکو ڈاکہ مارتا ہے گناہ سمجھ کر، جھوٹا شخص جھوٹ بولتا ہے، کوئی غیبت کرتا ہے، کوئی چغل خوری کرتا ہے، تو اسے گناہ سمجھتا ہے۔ غرضیکہ ہر گناہ جو انسان کرتا ہے وہ اسے گناہ سمجھتا ہے، اس لئے زندگی کے کسی موڑ پر اُسے توبہ کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے، مگر بدعتی شخص بدعت کا عظیم اور گھناؤنا گناہ کرتا ہے، مگر اسے دین اور نیکی سمجھتا ہے تو اب وہ نیکی سے توبہ کس طرح کرے، توبہ تو گناہوں سے ہوتی ہے۔

امامُ الانبیاء سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اسی حقیقت کو بیان فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ حَجَبَ التَّوْبَۃَ عَنْ کُلِّ صَاحِبِ بِدْعَۃٍ (طبرانی/۴۲۰۲) کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔

اور بعض سلف کا قول ہے کہ بدعت ابلیس کو زیادہ محبوب ہے کیونکہ گناہ سے توبہ کی جاسکتی ہے جب کہ بدعت سے توبہ نہیں کی جاسکتی۔

دین وہ ہے جس پر آنحضرت ﷺ کی مہر ہو۔ ہر نیکی کا کام نیکی نہیں ہو گا۔ اور وہ کام بھی دین اور نیکی نہیں ہو گا جسے ہم نے از خود نیکی اور ثواب سمجھ لیا ہو، بلکہ نیکی وہ ہے جس پر آنحضرت ﷺ کی مہر لگی ہو، جو اصحابِ رسول سے ثابت ہو۔

انسان کا کام و عمل بظاہر کتنا ہی خوشنما و خوبصورت کیوں نہ ہو لیکن وہ کام و عمل اس وقت تک عبادت اور نیکی شمار نہیں ہو گا جب تک آنحضرت ﷺ اور اصحابِ رسول سے ثابت نہ ہو اور قرآن وحدیث سے اس کی توثیق و تائید نہ ہو۔

تین صحابہ کا ایک نصیحت آموز واقعہ

تین صحابہ کا واقعہ بڑا مشہور ہے جو ازواجِ مطہرات کے یہاں آئے تھے، اور پوچھا تھا

کہ آنحضرت ﷺ رات کس طرح بسر کرتے تھے؟ کس طرح اور کتنی دیر عبادت کرتے تھے؟ روزے کس طرح رکھتے تھے؟ جب ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے انھیں بتایا کہ آنحضرت ﷺ رات کے وقت سوتے بھی تھے، اور عبادت بھی کیا کرتے تھے، روزے بھی رکھتے تھے، مگر کئی کئی دن روزے ترک بھی کر دیتے تھے۔

ان پوچھنے والے صحابہ نے آپس میں طے کیا کہ آنحضرت ﷺ اور ہماری آپس میں کیا نسبت ہے، وہ تو امام الانبیاء ہیں، محبوبِ خدا ہیں، لہٰذا ہمیں عبادت و ریاضت زیادہ کرنی چاہیئے، ایک نے کہا! میں قسم اٹھاتا ہوں کہ ساری زندگی رات کو سویا نہیں کروں گا، بلکہ پوری رات عبادت میں گزار دوں گا۔ دوسرے نے کہا میں ساری زندگی شادی نہیں کروں گا تاکہ بال بچوں کا جھنجھٹ نہ ہو، اور میں

یکسوئی سے اللہ کی عبادت کرتا رہوں۔ تیسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھوں گا، درمیان میں کبھی افطار نہیں کروں گا۔

حضراتِ گرامی! دیکھئے بظاہر ان تینوں حضرات کا ارادہ بھی نیک ہے، اور قسم بھی نیکی کے کام کے لئے اٹھا رہے ہیں۔ مگر جانتے ہیں آنحضور ﷺ کو جب ان حضرات کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ ناراض ہوئے اور فرمایا

کیا تم مجھ سے بڑھ کر متقی اور پرہیزگار بنتے ہو؟ کیا تم مجھ سے زیادہ خوفِ خدا رکھتے ہو؟ مجھے دیکھو میں رات کو سوتا بھی ہوں، اور جاگ کر عبادت بھی کرتا ہوں، میں روزے بھی رکھتا ہوں اور درمیان میں افطار بھی کرتا ہوں، میں نے شادیاں بھی کی ہیں۔ اس لئے تم اپنی اپنی قسمیں توڑ کر ان کا کَفّارہ ادا کرو۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ نیکی کا ہر کام جو انسان خود تجویز کرتا ہے وہ نیکی نہیں بنتا، بلکہ وہی کام نیکی اور ثواب ہوگا جس پر نبی اکرم ﷺ کی مہرِ تصدیق ثبت ہوگی۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی نصیحت اور پیشین گوئی

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک دن حاضرینِ مجلس سے فرمایا کہ تم لوگوں کے پیچھے آنے والے دنوں میں بکثرت فتنے اٹھیں گے، جس میں مال و دولت کی بہت کثرت اور فراوانی ہوگی اور ان دِنوں میں قرآن مفتوح و کھلا ہوگا یعنی اس کے پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ خوب عام ہوگا یہاں تک کہ مومن اور منافق مرد عورت بچے اور بوڑھے غلام اور آزاد سب اس کو سیکھیں گے، (اب ان سیکھنے والوں میں بعض جاہل اور گمراہ ایسے بھی ہوں گے جو قوم کے پیشوا اور مخدوم بننا چاہیں گے) تو اس قسم کے لوگ کہیں گے کہ عوام کو کیا ہوگیا کہ میری اتباع اور پیروی نہیں کرتے حالانکہ کہ میں قاریٔ قرآن ہوں، پھر وہ اپنے دل

میں سوچے گا مَاهُمْ بِمُتَّبِعِي حَتّٰى أَبْتَدِعَ لَهُمْ غَيْرَه کہ یہ لوگ میرا اتباع کرنے والے نہیں ہیں یعنی قرآن میں کیوں کہ قرآن تو وہ لوگ بھی خوب جانتے ہیں اور پڑھے ہوئے ہیں، جب تک کہ میں ان کے لئے کوئی نئی چیز ایجاد نہ کروں، کیونکہ نئی چیز کی طرف لوگ مائل ہوتے ہیں،یعنی وہ اپنے دل میں یہ سوچے گا کہ قرآن دانی میں تو میں اور یہ برابر ہیں، اس میں تو مساوات وبرابری کا درجہ حاصل ہو گیا اور اس کو تو مطلوب ہے اپنی لیڈری و سرداری، لہذا میں لوگوں کو اپنا تابع و گرویدہ بنانے کے لیے کوئی نیا راستہ نکالوں تاکہ لیڈری و سرداری حاصل ہو، تو وہ اپنے اس نظریہ کے تحت اپنی دکان چلانے وچمکانے کے لئے دین میں کوئی بدعت اور نیا طریقہ جاری کرے گا، اس کے بارے میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آگے فرماتے ہیں فَإِيَّاكُمْ وَمَا ابْتَدَعَ. فَإِنَّ مَا ابْتَدَعَ ضَلَالَةٌ کہ میں تم کو اس شخص کی بدعت سے ڈراتا ہوں، یعنی اس کے تابع نہ ہونا، اس لئے کہ وہ بدعت جو وہ نکالے گا وہ سراسر ضلالت اور گمراہی ہو گی۔(سننِ ابی داود / ۴۶۱۱)

بدعت کی تعریف

بدعت اُن چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو، یعنی قرآنِ مجید اور حدیث شریف میں اُس کا ثبوت نہ ملے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں اس کی ضرورت یا امکان کے باجود اسے نہ کیا جائے، اور بعد کے زمانے میں اُسے دین کا کام سمجھ کر کیا یا چھوڑا جائے، اور ترک کرنے والے کو ملامت کی جائے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ بدعت دو طرح کی ہیں،

(۱) ایک بدعتِ اعتقادی،

(۲) اور دوسری بدعتِ عملی،

اعتقادی بدعت یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ ایسے عقائد و نظریات اختیار کرے جو آنحضرت ﷺ اور سلفِ صالحین کے عقائد کے خلاف ہوں جیسے حضور اکرم ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ ﷺ عالمُ الغیب، حاضر وناظر اور مُختارِ کُلُ ہیں یعنی ہر چیز آپ کے اختیار میں ہے، اسی طرح شیعہ خوارج معتزلہ قدریہ اور جبریہ وغیرہ گمراہ فرقوں کے عقائد باطلہ یہ سب اعتقادی بدعات ہیں اور یہ سب فرقے شرعی اصطلاح میں اہل بدعت ہیں، اصولِ حدیث کی کتابوں میں ان کے لیے یہی اصطلاح استعمال کی گئی ہے،

اور عملی بدعت یہ ہے کہ عقیدہ تو درست ہو اور ایسے اعمال اختیار کرے جو آں حضرت ﷺ اور سلف صالحین سے منقول نہیں ہیں جیسے مزاروں (قبروں) کو پختہ بنانا ان پر گنبد تعمیر کرنا اور قبروں پر چراغ روشن کرنا وغیرہ"۔ (محاضرۂ علمیہ ص ۱۳۱، جز نمبر ۲)

بدعت کے اقسام

بنیادی طور پر بدعت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) بدعتِ حسنہ

(۲) بدعتِ سَیِّئَہ

بدعتِ حسنہ

دین کے لیے ایسا نیا کام جو قرآن و حدیث کے مخالف نہ ہو اور مسلمان اسے اچھا جانتے ہوں،

بالفاظِ دیگر جو اَدِلَّۂ شرعیہ یعنی قرآن حدیث اجماع اور قیاس کے مخالف نہ ہو اور اسے دین کی حفاظت اور تقویت کے لیے سرانجام دیا جائے، یہ بدعت حسنہ کہلاتی ہے، جو کہ مردود و مذموم نہیں ہے مثلاً: اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے

لئے قلعے بنانا تعلیم و تعلم کے واسطے مدرسے تعمیر کرنا، اس کو لغوی اعتبار سے عربی میں بدعت حسنہ کہتے ہیں، یعنی نیا اچھا کام۔

اسی طرح قرآن مجید پر اعراب یعنی زبر زیر پیش لگانا اور فَصل، وَصل وقف اور رکوع وغیرہ کی علامات لکھنا اور حدیث و فقہ کی جمع و تدوین یعنی ان کو کتابی شکل دینا اور حسب تقاضائے ضرورت مختلف زبانوں میں دینی موضوعات پر کتابوں کی تصنیف و تالیف اور اس کی اشاعت وغیرہ یہ سب بدعت حسنہ کے قبیل سے ہیں۔

(۲) بدعتِ سَیِّئَہ

دین میں ایسا نیا کام کہ جو قرآن و حدیث سے ٹکراتا ہو یعنی اَدِلَّۂِ شرعیہ قرآن و حدیث اجماعِ امت اور قیاس شرعی کے مخالف ہو، مثلاً: اُردو میں خُطبہ دینا یا اُردو میں اذان دینا وغیرہ۔

جیسا کہ بدعت کی تقسیم کرتے ہوئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قال الشافعیُ اَلْبِدْعَةُ بِدْعَتَانِ مَحْمُودَةٌ وَمَذْمُومَةٌ فَمَا وَافَقَ السنَّةَ فَهُوَ مَحْمودَةٌ وَمَا خَالَفَهَا فَهُوَ مَذْمُومَةٌ" ترجمہ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: بدعت دو اقسام پر مشتمل ہے: (۱) بدعتِ محمودہ یعنی حَسَنہ (۲) بدعتِ مَذمُومہ یعنی سَیِّئہ۔ جو سنّت کے موافق ہو، وہ بدعتِ محمودہ ہے اور جو سنّت کے خلاف ہو، وہ بدعتِ مَذمومہ ہے۔ (فتح الباری، ج ۱۴، ص ۲۱۶، تحت الحدیث: ۷۲۷۷)

بدعت کی یہ دونوں قسمیں رسولِ اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے اس فرمان سے ماخوذ ہیں: "مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ كُتِبَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يَنْقُصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي

الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يَنْقُصُ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ" ترجمہ: کہ جس نے اسلام میں کوئی اچھا کام جاری کیا اور اُس کے بعد اُس پر عمل کیا گیا تو اسے اس پر عمل کرنے والوں کی طرح اَجر ملے گا اور عمل کرنے والوں کے اَجر و ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہو گی اور جس نے اسلام میں کوئی بُرا طریقہ نکالا اور اُس کے بعد اُس پر عمل کیا گیا تو اسے اس پر عمل کرنے والوں کے مانند گناہ ملے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ (مسلم، ص ۳۹۴، حدیث: ۲۳۵۱)

واضح رہے کہ بدعت کی یہ تقسیم صرف لغت کے اعتبار سے ہے، ورنہ اصطلاحی اعتبار سے تو بدعت صرف ایک ہی ہے اور وہ سیئہ ہے، جو کفر و شرک کے بعد بڑے گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ ہے۔

بدعتِ حسنہ کی چند مثالیں

بدعتِ حسنہ یعنی ایسا اچھا نیا کام جو شریعت کے خلاف اور اس کے معارض نہیں ہے اس کی بہت ساری مثالیں ہیں، جن میں سے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں

(۱) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کو ایک جگہ جمع کروایا اور اس کی تکمیل حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی۔

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت شروع کروائی۔

(۳) حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں جمعہ کی اذانِ ثانی شروع ہوئی۔

(۴) قرآن پاک میں نقطے اور اِعراب حجاج بن یوسف کے دور میں لگائے گئے۔

(۵) مسجد میں امام کے کھڑے ہونے کے لئے محراب خلیفہ ولید بن مروان کے دور میں سیّدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے ایجاد کیا۔ ان کے علاوہ بھی بہت

سارے ایسے کام ہیں، جو نبیٔ پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ظاہری حیاتِ طیبہ میں یا صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم کے دورِ مبارک میں نہیں تھے، بعد میں ایجاد ہوئے، تو یہ سارے کے سارے کام بدعات حسنہ میں داخل ہیں۔

کیا ہر نئی چیز بدعت ہے؟

ہر نئی چیز بدعت نہیں ہے، یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ احادیث میں جس بدعت کی مذمت آئی ہے اس سے وہ بدعت مراد ہے جسے شرعی اعتبار سے بدعت کہا جائے اور شرعی اعتبار سے بدعت وہ نیا کام ہے جو قرآن وحدیث سے ثابت نہ ہو اسے دین کا جز اور عبادت اور کارِ ثواب سمجھ کر کیا جائے، نہ کرنے والوں پر نکیر کی جائے تو ایسا کام ضرور مَرْدُود غیر مقبول (یعنی قبول نہ ہونے والا) اور سراسر باطل ہے۔ البتہ جو کام شریعت کے دلائل سے ثابت ہو یا دینِ اسلام کے اُصولوں کے خلاف نہ ہو بلکہ دین کے استحکام و مضبوطی اور دینی مقاصد کی تکمیل اور تحصیل کے لیے ہو وہ بدعتِ ممنوعہ نہیں اور نہ مَرْدُود اور غیر مقبول ہے اور نہ اس حدیث کے تحت داخل ہے جس میں کہا گیا ہے مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ . (سنن ابی داود /۴۶۰۶) کہ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

چنانچہ علّامہ عبدُ الرَّءُوف مُناوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ اسی حدیثِ پاک کے تحت فرماتے ہیں: ”اَمَّا مَا عَضَدَهٗ عَاضِدٌ مِنْه بِاَنْ شَهِدَ لَهٗ مِنْ اَدِلَّةِالشَّرْعِ اَوْ قَوَاعِدُهٗ فَلَيْسَ بِرَدٍّ بَلْ مَقْبُولٌ كَبِنَاءٍ نَحْوَ رَبطٍ ومَدَارِسٍ وَتَصْنِيفِ عِلْمٍ وغَيرِهَا“ ترجمہ: جو چیز دین کے لئے مددگار ہو اور ہو بھی کسی دینی قانون وضابطے کے تحت، وہ مَرْدُود نہیں ہے، بلکہ وہ مقبول ہے، جیسا کہ سرحدوں کی حفاظت کے لئے قلعے بنانا، مدارس قائم کرنا اور علم کی تصنیف کا کام کرنا وغیرہ

وغیرہ۔(فیض القدیر، ج۶، ص۷۴، تحت الحدیث: ۸۳۳۳)

خلاصۂ کلام ہر نئی چیز بدعت نہیں ہے بلکہ جو چیز قرآن وحدیث سے ثابت نہ ہو اسے دین کا جز اور عبادت اور کارِ ثواب سمجھنا، نہ کرنے والوں پر نکیر کرنا یہ بدعت ہے۔

بدعت کی چند صورتیں

(۱) جس فعل شرعی کا سبب اور محرک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود ہو اور کوئی مانع بھی نہ ہو اس کے باوجود نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو نہ صحابۂ کرام کو اس کے کرنے کا حکم دیا ہو۔ اور نہ ترغیب دی ہو، دین سمجھ کر ایسا کام کرنا بدعت ہے، جیسے مُرَوَّجَہ میلاد کا سبب (حضور کے زمانہ میں) موجود تھا۔ اور صحابۂ کرام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گہرا عشق اور عقیدت ومحبت تھی اس کے باوجود کسی نے آپ کا یوم ولادت نہ منایا اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا۔

(۲) شریعت نے جو چیز مطلق رکھی ہے یعنی اس کے کرنے کیلیے کوئی قید نہیں لگائی ہے اس میں اپنی طرف سے قیودات لگانا بدعت ہے، جیسے کہ زیارتِ قبور یا ایصالِ ثواب کے لیے شریعت کی طرف سے دِن وقت اور کھانے وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے، آدمی جب چاہے زیارتِ قبول کرے اور جب چاہے اور جو چاہے ایصال ثواب کرے، اب اپنی طرف سے زیارتِ قبور یا ایصال ثواب کے لیے دن وقت یا کھانے پینے کی چیز کا متعین کرنا بدعت ہے، مثلاً سویم تیجہ، چالیسواں، برسی وغیرہ۔

(۳) جو کام بذاتِ خود مستحب ومندوب ہے، مگر اس کا ایسا التزام اور اس کی ایسی پابندی کرنا کہ رفتہ رفتہ اس کو لازم وضروری سمجھا جانے لگے اور اس کے تارک اور نہ کرنے والے کی ملامت کی جانے لگے تو وہ کام مستحب کے بجائے

بدعت بن جاتا ہے۔ مثلاً نمازِ جمعہ کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی اور دوسری رکعت میں ہل اتاک حدیث الغاشیۃ پڑھنا مسنون ہے، مگر اس کا ایسا التزام کرنا کہ لوگ اس کو ضروری سمجھنے لگیں، بدعت ہے۔

(۴) جو کام فِی نَفْسِہٖ جائز ہے اگر اس کو کرنے میں کُفّار و فُجّار اور گمراہ لوگوں کی مشابہت لازم ہو تو اس کا کرنا ناجائز ہے، اس قاعدہ سے معلوم کہ تمام وہ اعمال جو اہلِ بدعت کا شِعار و علامت بن جائیں، اس کا ترک لازم و ضروری ہے۔

سنت اور بدعت میں کیا فرق ہے؟

نبی اکرم ﷺ سے جو اعمال فعلاً و قولاً ثابت ہیں ان کو سنت کہا جاتا ہے، اب اگر یہ اعمال عبادات کے قبیل سے ہوں تو انھیں سننِ ہدیٰ کہا جائے گا جن پر عمل ضروری ہے اور انھیں بلا عذر چھوڑنا درست نہیں ہے، اور اگر ان اعمال کا تعلق تبعی عادات سے اور ظاہری لباس وغیرہ سے ہو تو انھیں سننِ زوائد یا سننِ عادیہ کہا جاتا ہے جن پر عمل کرنا بہتر ہے لیکن ترک میں بھی گناہ نہیں۔

اس کے برخلاف بدعت کا اطلاق ان امور پر ہوتا ہے جن کا نبی کریم ﷺ اور صحابہ سے کوئی ثبوت نہ ہو اور جنہیں کار ثواب سمجھ کر انجام دیا جائے، لہذا اگر کوئی ایسا عمل ہو جس کا ثبوت قرونِ اولیٰ سے نہ ہو لیکن آج اسے عبادت سمجھ کر نہیں بلکہ ضرورت سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے، تو اس کو بدعت نہیں کہا جائے گا مثلا ہوائی جہاز پر یا ریل گاڑی پر یا موٹر وغیرہ پر سفر کرنا، یا بعض ایسے کھانے نوش کرنا جن کا تَصَوُّر دورِ اول میں نہیں تھا یہ بدعت میں شامل نہیں ہے، کیونکہ یہ کام دین سمجھ کر انجام نہیں دیے جاتے۔

سوال وجواب

سوال: جس کام کے سنت یا بدعت ہونے میں تردد ہو اس کے متعلق کیا حکم

ہے؟

جواب: جس کام کے متعلق سنت یا بدعت ہونے میں تردد ہو تو ایسے فعل کو چھوڑ دینا چاہیے کیوں کہ اصولِ فقہ کا قاعدہ ہے وَمَا تَرَدَّدَ بَيْنَ الْبِدْعَةِ وَالسُّنَّةِ يُتْرَكُ لِاَنَّ تَرْكَ الْبِدْعَةِ لَازِمٌ (فتح القدیر ص۴۵۵ ج۱) یعنی جس کام کے بدعت اور سنت ہونے میں تردد ہو تو اسے چھوڑ دیا جائے اس لیے کی بدعت کا چھوڑنا لازم اور ضروری ہے، اور فتاوی شامی میں ہے اِذَا تَرَدَّدَ الْحُكْمُ بَيْنَ بِدْعَةٍ وَسُنَةٍ كَانَ تَرْكُ السُنَةِ راجِحاً علىٰ فِعْلِ الْبِدعَةِ کہ جس چیز کے متعلق تردد ہو کہ یہ سنت ہے یا بدعت تو اسے چھوڑ دیا جائے (شامی ص۶۰۰ ج۱)

سوال: بدعتی کی امامت اور اس کے ساتھ سلوک کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر بدعت شرک کی حد تک پہنچی ہوئی ہے، مثلا بدعتی غیر اللہ کے لیے ایسی صفات ثابت کرے جو اللہ کے لئے خاص ہیں تو ایسے بدعتی امام کے پیچھے نماز نہ ہوگی۔

اور اگر معمولی بدعت کا مرتکب ہے جو گناہ صغیرہ کے درجے میں ہے تو نماز جائز ہے مگر خلافِ اولیٰ ہے، اور اگر بدعت گناہ کبیرہ کے درجے میں ہے (مثلا آیات واحادیث میں بے جا تاویلات کرنا اور اجماعِ امت کے خلاف رائے اپنانا) تو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، لہذا اگر مجمع میں اس سے بہتر کوئی اور شخص لائقِ امامت موجود ہو تو ایسے بدعتی کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔

اور رہی سُلوک و برتاؤ کی بات تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر بدعتی کے ساتھ میل جول اور اچھا سلوک کرنے میں اس کی اصلاح کی توقع ہو تو میل جول رکھنا بہتر ہے اور اگر اس سے خود بدعات میں مبتلا ہونے یا بدعات کی تائید کا اندیشہ ہو تو میل جول نہ رکھنا چاہیے۔ (کتاب النوازل ص۴۵۷/ ج۱)

اِلحاد کا فتنہ

الحاد کے معنی ہیں راہِ راست سے ہٹ جانا، بے دینی اور مذہب بے زاری اختیار کرنا، حق سے منحرف ہو کر اس میں بے بنیاد باتیں داخل کرنا اور دینی احکام کے بارے میں غلط سلط قسم کی تاویلیں کرنا، دین کے نام پر دین میں تحریف کرنا بالفاظِ دیگر اسلام کا نام لے کر اسلام کو ڈَسنا، اسے تحریفی نشتر لگانا، اس پر جرح و تنقید کی مشق کرنا اور محض مفروضات سے اُس کے قطعی مسائل کو پامال کرنا الحاد ہے اور ایسا کرنے والے کو ملحد کہتے ہیں اور ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد باری تعالی ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (۴۰) (فصلت) جو لوگ ہماری آیتوں کے بارے میں ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہیں وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے بھلا بتاؤ کہ جس شخص کو آگ میں ڈال دیا جائے وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن بے خوف و خطر آئے گا اچھا جو چاہو کر و یقین جانو وہ ہر چیز کو خوب دیکھ رہا ہے۔

دورِ حاضر میں بہت سے ایسے روشن خیال اور مغربی و عیسائی ذہنیت رکھنے والے اشخاص وافراد موجود ہیں جو اِظہارِ حقیقت اور تحقیقِ اسلام کے نام پر تحریفِ دین اور اِلحاد فی الدین کا کام کرتے ہیں

اور اسی تحریف و الحاد کو امت میں فروغ دے رہے ہیں اور آئے دن احکامِ دین و شریعت میں سے کسی نہ کسی حکم کی من مانی توضیحات و تشریحات کے ذریعے گمراہی پھیلا رہے ہیں جن سے بچنا اور ہوشیار رہنا انتہائی ضروری ہے۔

افسوس کی آج یہ فتنہ بہت تیزی کے ساتھ امت میں پھیل رہا ہے اور زہرِ ہلاہل کی طرح سرایت کر رہا ہے، زیادہ تر اس فتنے کا شکار وہ بچے ہو رہے ہیں جو

دین کی ضروری اور بنیادی باتیں کسی دینی مکتب یا مدرسہ سے حاصل کئے بغیر کسی کالج یا اسکول کا رخ کرلیتے ہیں جہاں غیر مسلم وبد دین ٹیچر واساتذہ کے ذریعے ان کا ذہن خراب کردیا جاتا ہے پھر یہی طلبہ آگے چل کر اپنے دین و مذہب سے بیزار ہو جاتے ہیں اور اپنے مذہب اور اہل مذہب پر تنقید اور اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے ہیں۔

یا وہ لوگ ہیں جو علماء اور اہل علم سے دور رہتے ہیں، اوران سے مستغنی وبے نیاز ہو کر انٹرنیٹ، ٹی وی چینل وغیرہ کے ذریعے دیندار بننا چاہتے ہیں، اور دین وشریعت اور اسلام کی باتیں جاننے اور سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں جن کے ذریعے اسلام کی صحیح معلومات ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان مذکورہ ذرائع سے صحیح معلومات حاصل نہ ہونے کے سبب یا تو وہ دین سے بیزار ہو جاتے ہیں یا تو پھر ناقص اور ادھوری معلومات کی وجہ سے دین و شریعت کی من مانی تشریحات توضیحات کرکے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ آج اسکولوں اور کالجوں میں اسلام کے خلاف مغربی افکار و نظریات انگریزی کلچر، کافرانہ ومشرکانہ اوریہودی تہذیب وتمدن کو فروغ دینے پر زور دیا جاتا ہے، سیکولرزم لادینیت، لامذہبیت الحاد اور دین سے دوری کی ممکنہ تمام صورتیں اپنائی جاتی ہیں جیسا کہ یہ بات ہر سمجھ دار پر روزِ روشن کی طرح واضح ہے،

اس لیے مسلمانوں پر از حد ضروری ہے کہ اسکول وکالج کی تعلیم سے پہلے اپنے بچوں کے دینی عقائد اور نظریات کی فکر کریں، انھیں اسلام کی ضروری اور بنیادی باتوں سے روشناس کرائیں، اسلامی تہذیب اسلامی تشخصات کی اہمیت اور

اس کی عظمت، محبت دل میں پیدا کریں تاکہ ہمارے بچے اسکولوں و کالجوں میں جاکر ملحد، بددین دہریہ اور کمیونسٹ نہ بن جائیں اور غیروں کے غلط افکار و نظریات اور ان کی ناپاک تہذیب و کلچر سے متاثر نہ ہوں بلکہ دوسروں پر اپنے سچے دین اسلام کا نورانی اثر اور اس کی چھاپ ڈال سکیں اور اس کے بلند و بالا افکار و نظریات اور اس کی صاف ستھری تہذیب کا اثر ڈال سکیں۔

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں گھومو
جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پے جھولو
بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

اسی طرح ضروری ہے کہ والدین اپنے بچوں کا تعلق علماء اور بزرگوں سے قائم کریں اور انھیں دینی اور تبلیغی کاموں سے وابستہ رکھیں، دین اور شریعت کی معلومات انٹرنیٹ وغیرہ سے حاصل کرنے کے بجائے مدارس، دارُ الافتاء اور اہلِ علم واہلِ فتاوی سے حاصل کرنے کی ترغیب دیں، اہلِ حق علماء کی دینی واسلامی کتابوں کی طرف راغب کریں، کیوں کہ دشمنانِ اسلام نے ہمارے ایمان وعقائد کو خراب کرنے کے لئے اپنے بڑے بڑے ایجنٹ وچیلے، اسلامی اسکالروں کے نام سے چینلوں پر بیٹھا رکھے ہیں جن کا مقصد صرف اور صرف غلط سلط معلومات فراہم کرنا اور مسلمان قوم کو خدا، نبی اور قرآن سے کاٹنا اور دُور کرنا ہے، اللہ والوں، نبی کے وارثوں اور قرآن کے حاملین سے قوم کو بدظن کرنا ہے۔

تنبیہ: معلوم ہونا چاہیے کہ عصری وانگریزی تعلیم حاصل کرنا اور اسی طرح انجینئرنگ اور ڈاکٹری وغیرہ کی ڈگری حاصل کرنا فی نفسہٖ یعنی اپنی ذات کے اعتبار سے ناجائز اور برا نھیں ہے اور نہ ہی اس سے روکنا مقصود ہے،

بلکہ جن ذرائع اور وسائط سے انگریزی تعلیم اور یہ ڈگریاں حاصل ہوتی ہیں اور جیسے برے وخراب ماحول میں اس کا پڑھنا اور پڑھانا پایا جاتا ہے وہ برا ہے اور شرعی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں ہے، مثلاً پڑھانے والے ٹیچر واساتذہ یہود، نصاریٰ کافر ومشرک ہوتے ہیں جو اپنے باطل وغلط عقائد و افکار بچوں کے دل و دماغ پر مسلط کرنا چاہتے ہیں، اوراسی طرح غیر شرعی وبرا ماحول ہوتا ہے مثلاً مخلوط تعلیم ہوتی ہے کہ لڑکے ولڑکیاں ایک جگہ ایک ساتھ مل کر پڑھتے لکھتے ہیں جس سے حیا اور غیرت کا جنازہ نکل جاتا ہے، لڑکے اور لڑکیاں بے راہ روی اور غلط کاری کا شکار ہو جاتی ہیں اور دیگر بے شمار مفاسد ہیں جو کسی باحیا و باغیرت شخص سے پوشیدہ نہیں، ان عوارض ومفاسد کی وجہ سے روکا جاتا ہے۔

عملی طور پر ابتدا ہی سے بچوں کے گلے میں ٹائی لٹکا کر ان کو عیسائی تہذیب سے مانوس اور اسلامی تہذیب سے بیگانہ کی جانے کی کوشش کی جاتی ہے، بود وباش، رہن سہن، شکل وصورت، لباس وغیرہ سب کچھ عیسائیوں اور ہندوؤں کے طرز پر اختیار کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے، جیسا کہ ان سب باتوں کا ہمیں کالج اور اسکولوں کی تعلیم میں اچھی طرح مشاہدہ ہے، ان سب عوارض ومفاسد کی وجہ سے اسکول وکالج اور انگریزی تعلیم سے روکا جاتا ہے نہ کہ کسی اور وجہ سے۔

اَسیرِ مالٹا کا ارشاد

اسیر مالٹا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اگر انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگ جائیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور مذہب والوں کا مذاق اڑائیں یا حکومت وقت کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کے لیے جاہل رہنا ہی اچھا ہے۔

حکیم الامت کا ارشاد

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آج کل تعلیمِ جدید کے متعلق علماء پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ تعلیمِ جدید سے روکتے ہیں اور اس کو ناجائز بتلاتے ہیں حالانکہ میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر تعلیمِ جدید کے یہ آثار نہ ہوتے جو علی العموم اس وقت اس پر مرتب ہو رہے ہیں تو علماء اس سے ہرگز منع نہ کرتے لیکن اب دیکھ لیجیے کہ کیا حالت ہو رہی ہے، جس قدر جدید تعلیم یافتہ ہیں باستثناءِ شاذ ونادر ان کو نہ نماز سے غرض ہے نہ روزے سے نہ شریعت کے کسی اور حکم سے بلکہ ہر بات میں شریعت کے خلاف ہی چلتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اس سے اسلام کی ترقی ہوتی ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ج/۳ص/۱۶۴)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اور اکبر الہ آبادیؒ کہتے ہیں:

ہم تو سمجھے تھے کہ لائے گی فراخی تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
گرا کے چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

فلسفی کہتا ہے کیا پرواہ گر مذہب گیا
میں یہ کہتا ہوں بھائی یہ گیا تو سب گیا

ایک مشورہ

کیا ہی اچھا ہوتا کہ بہی خواہانِ اسلام اور قوم وملت کا درد رکھنے والے رہبر و رہنمائے قوم اوراسلام و مسلمانوں کی تعلیم وترقی کی فکر رکھنے والے فرزندانِ توحید، دینی مکاتب و مدارس کے قیام کی طرح ملک کے طول و عرض میں جگہ جگہ اسلامی کالج اور اسکول اور بڑی بڑی یونیورسٹیاں بھی قائم کرتے جو علماء اور دیندار مسلمانوں کی ماتحتی اور ان کی سرپرستی میں پروان چڑھتیں، جن میں ہماری قوم کے نونہال بچے داخل ہوتے، اور اپنے اسلامی عقائد و نظریات کے ساتھ، اپنے مذہبی شعائرو تشخصات کے ساتھ، اپنے اسلامی و دینی کلچر اور تہذیب و تمدن کے ساتھ ،اسلام و مسلمانوں کی خدمت کے سچے جذبے کے ساتھ علوم و فنون اور عصری تعلیم حاصل کرتے، اور مثلاً ماہر ڈاکٹر، انجینئر، سائنسداں وغیرہ جیسے بڑے بڑے عہدوں کی ڈگریاں لے کر نکلتے اور اپنے دین و مذہب، قوم وملت اور بندگانِ خدا کی خدمت کرتے، اسلام و مسلمانوں کی فلاح وبہبود کا ذریعہ بنتے اور ہر چہار دانگِ عالم ان کا نام روشن کرتے۔

تعلیمی راہ سے غیروں کا ارتدادی مشن

معلوم ہونا چاہیے کہ تعلیم ایک ایسا میدان ہے کہ جس کے ذریعہ بچوں اور بچیوں کے دل و دماغ کو جس چیز کی طرف چاہیں موڑا جا سکتا ہے، اور معصوم بچوں اور بچیوں کے دل کی سادہ تختی پر جو چیز بچپن میں نقش کر دی جائے پوری عمر اس کا اثر باقی رہتا ہے اس لئے اسلام دشمن اور باطل پرست طاقتیں پوری قوت و پوری تیاری کے ساتھ تعلیمی لائن سے امت مسلمہ کو دین سے بیزار کرنے اور الحاد وارتداد کا زہر پلانے کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہیں اور وہ اپنے اس ناپاک منصوبہ و مقصد میں کامیاب بھی نظر آتی ہیں کہ آج جگہ جگہ چھوٹے بڑے ان

کے کالج و اسکول اور کانونٹ ادارے قائم ہیں جو انھیں کی مرضی کے مطابق چلتے ہیں جن میں اسلام اور مسلمان بچوں کی کوئی رو رعایت نہیں رکھی جاتی اور مسلمان اپنے بچوں و بچیوں کو اچھی تعلیم اور اعلی ڈگری حاصل کرنے کے واسطے ان میں داخل کر دیتے ہیں اور پھر وہاں سے بہت سے بچے بچیاں دین بیزاری، الحاد، ارتداد اور کفر لے کر لوٹتے ہیں۔

علی میاں ندویؒ کا ایک تبصرہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اسکولوں اور کالجوں کے ماحول پر تبصرہ کرتے ہوئے ۱۹۸۳ء میں فرمایا تھا جو آج حقیقت بن کر سامنے آرہا ہے

"آج سے ساٹھ برس پہلے اکبر مرحوم نے کہا تھا: شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے "دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے" (غیروں کی) ایک طویل منصوبہ بندی ہے، ذرا دیر لگے گی، تیس برس چالیس برس میں خود ایک نسل تیار ہو جائے گی جس کے نزدیک کفر و ایمان کا فرق توحید و شرک کا فرق، عقائد و مذاہب کا فرق سب بے معنی باتیں ہو جائیں گی، کچھ کرنا نہیں پڑے گا۔

دین سے دوری اور فیشن پر فریفتگی کا فتنہ

معلوم ہونا چاہئے کہ مذہبِ اسلام ایک ایسا کامل مکمل اور صاف ستھرا مذہب ہے، جس میں زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق یعنی پیدائش سے لیکر موت تک کے لیے کامل و مکمل رہبری اور رہنمائی موجود ہے، جس میں اللہ رب العالمین کی طرف سے زندگی گزارنے کے ایسے سنہرے اور پاکیزہ اصول وآداب اور طریقے مقرر ہیں جو فطرتِ انسانی کے بالکل موافق و مطابق ہیں، جن

میں کہیں اور سے کچھ پیوند کاری یا نقطہ رکھنے کی گنجائش نہیں اور نہ ان کی خلاف ورزی جائز ہے اور انہیں پر عمل کر کے ایک انسان اپنے مولا کی رضا و خوشنودی حاصل کر سکتا اور دونوں جہاں کی کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ/۳) کہ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لئے) پسند کر لیا،

وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (آل عمران ۸۵) کہ جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا، تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہو گا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اور اللہ ربّ العزت نے اپنے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کی پاکیزہ سنت و سیرت اور زندگی کو ہمارے لئے بہترین مشعلِ راہ اور نمونۂ عمل بنایا ہے اور آپ کے اقوال و افعال اور اعمال کی اتباع و پیروی کو واجب اور لازم قرار دیا ہے اور آپ کی اتباع و پیروی پر اپنے قرب و محبت اور مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ حکم ربانی ہے وَمَآ اٰتٰـکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰـکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (الحشر/۷) کہ رسول تمہیں جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَکَرَ اللّٰهَ کَثِیْرًا (الاحزاب/۲۱) حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ کی ذات میں

تمہارے لیے ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ سے اور آخرت سے امید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔

قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَ يَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ‌ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ (آل عمران/۳۱) کہ (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

لیکن افسوس صد افسوس کہ ایسا دین ومذہب اور ایسا رسول وپیغمبر رکھنے کے باوجود آج امتِ مسلمہ کے بہت سارے افراد دین سے دور اور بے راہ روی کے شکار ہیں، سنتِ نبوی وشریعت اسلامیہ سے بیگانہ ہیں، اسلامی تہذیب وکلچر اور اسلامی روایات وتشخُّصات کو پسِ پشت ڈالکر فیشن کے دلدادہ اور غیروں کے طور طریقوں پر فریفتہ ہوتے جارہے ہیں، آنحضور ﷺ کی مبارک سیرت وصورت کو نمونہ بنانے اور اسے پسند کرنے کے بجائے ہنود ویہود اور نصاریٰ کی تہذیب وکلچر اپنانے کو باعثِ عزت وفخر سمجھتے ہیں، خصوصاً کھیل کود میں زندگی بسر کرنے والے کھلاڑیوں اور ناچ گانوں میں مست رہنے والے ہیرو وہروئن کی چال ڈھال، سیرت وصورت اپنانے کو مرغوب ومحبوب رکھا جاتا ہے، ان کے لباس اور ان کی اداؤں پر مر مٹنے کو پسند کیا جاتا ہے "العیاذ باللہ"

اور زیب وزینت، بناؤ سنگار اور فیشن کے نام پر جو چیز بھی ایجاد اور رائج ہوتی ہے، لوگ جائز وناجائز کی پرواہ کیے بغیر اسے اختیار کر لیتے ہیں، جبکہ ایک مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ کسی چیز پر عمل کرنے اور اسے اختیار کرنے سے پہلے دیکھے اور غور کرے کہ وہ جائز ہے یا ناجائز، خدا اور سول کا اس کے متعلق کیا

حکم ہے، آج معاشرے میں بے شمار ایسی چیزیں فیشن کے نام پر داخل ہو چکیں ہیں جو خدا اور رسول کے حکم کے خلاف ہیں یا منشاءِ شریعت کے منافی ہیں لیکن پھر بھی لوگ جانے یا انجانے میں یا خواہشات نفس کی پیروی میں محض زیب وزینت اور فیشن کے طور پر اسے کرتے دھرتے اور اپنائے بیٹھے ہیں "اعاذنا اللہ منہا"

یہاں ان میں سے چند ایسے فیشنوں کا تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جن میں ابتلائے عام پایا جاتا ہے، ممکن ہے کہ مبتلا لوگوں کو توبہ کی توفیق نصیب ہو اور دوسروں کو اس سے بچنے اور دور رہنے کی۔

چند ایسے فیشن جن میں ابتلائے عام ہے

ڈاڑھی منڈانے و کٹانے کا فیشن

ڈاڑھی منڈانا اور اسے ایک مشت (مُٹھی) ہونے سے پہلے کتروانا یا غیر شرعی طریقے پر فیشنی ڈاڑھی رکھنا ایک فیشن بن چکا ہے جس میں ابتلائے عام ہوتا جا رہا ہے،

معلوم ہونا چاہیے کہ شرعی ڈاڑھی مومن مرد کے چہرے کی زینت ہے، اسلام کا شعار اور اس کی علامت ہے، ائمۂ مجتہدین کے نزدیک واجب وضروری ہے، انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے، حضور اقدس ﷺ نے ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھ کتروانے کا حکم دیا ہے چنانچہ بخاری شریف میں ہے اِنْهَكُوا الشَّوارِبَ، وأَعْفُوا اللِّحى (بخاری/۵۸۹۳) کہ مونچھیں کترواؤ اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ۔

ڈاڑھی منڈانا کتروانا یا غیر شرعی طریقے پر فیشنی ڈاڑھی رکھنا شیوۂ مشرکین اور کفار وفُجّار ہے جن کی مشابہت اختیار کرنے سے حدیث پاک میں ممانعت آئی ہے خَالِفُوا المُشْرِكِينَ: وفِّرُوا اللِّحى، وأَحْفُوا الشَّوارِبَ (اخرجه

البخاری ۵۸۹۲) کہ مونچھیں کترواکر اور ڈاڑھیاں بڑھاکر مشرکین کی مخالفت کرو۔

اور یہ بھی ارشاد فرمایامَن تَشبَّہَ بقَومٍ فھو منھم (سنن ابی داود /۴۰۳۱) کہ جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اس کا شمار اسی میں سے ہو گا۔

ڈاڑھی مرد عورت میں فرق و امتیاز پیدا کرنے والی ایک چیز ہے،ڈاڑھی منڈانے سے چہرہ عورتوں جیسا ہو جاتا ہے اور عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر رسولِ خدا ﷺ کی لعنت و پھٹکار ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے

لَعَنَ رَسولُ اللهِ ﷺ المُتَشَبِّھِینَ مِنَ الرِّجالِ بالنِّساءِ والمُتَشَبِّھاتِ مِنَ النِّساءِ بالرِّجالِ (بخاری /۵۸۸۵) کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔

ڈاڑھی منڈانا اللہ ربّ العزت کی تخلیق وبناوٹ کو بدلنا ہے،اوراللہ کی تخلیق و بناوٹ میں تبدیلی کرنا ازروئے قرآن شیطانی عمل ہے اور حرام ہے اور رسول ﷺ کی حدیث کے مطابق اللہ رب العزت کی لعنت کا سبب ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَ لَاُضِلَّنَّھُمۡ وَ لَاُمَنِّیَنَّھُمۡ وَ لَاٰمُرَنَّھُمۡ فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الۡاَنۡعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّھُمۡ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلۡقَ اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یَّتَّخِذِ الشَّیۡطٰنَ وَلِیًّا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَقَدۡ خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِیۡنًا (النساء/۱۱۹)اور میں انہیں راہِ راست سے بھٹکا کر رہوں گا اور انھیں خوب آرزوئیں دلاؤں گا اور انھیں حکم دوں گا تو وہ چوپایوں کے کان چیر ڈالیں گے اور انھیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی پیدا کریں گے اور جو شخص اللہ کے بجائے شیطان کو دوست بنائے اس نے کھلے کھلے خسارے کا سودا کیا۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے لَعَنَ اللّٰهُ الواشِماتِ والمُستَوشِماتِ والمُتَنَمِّصاتِ والمُتَفَلِّجاتِ لِلحُسنِ المُغَيِّراتِ خَلقَ اللّٰهِ (بخاری/۵۹۴۳) کہ اللہ نے لعنت کی ہے گودنے والی اور گدوانے والی اور چہرے کے بال صاف کرنے والی اور حسن کے لئے دانتوں کو کشادہ کرنے والی عورتوں پر جو اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلنے والی ہیں۔

اس حدیث میں عورتوں پر جو خدا تعالی کی لعنت پڑ رہی ہے اس کی وجہ یہاں یہی بیان کی گئی ہے کہ یہ سب عورتیں اپنے ان اعمال سے اللہ کی تخلیق و بناوٹ کو بدلنے والیاں ہیں اور ڈاڑھی منڈانے میں بھی یہی تغییر و تبدیلی پائی جاتی ہے لہذا ڈاڑھی منڈانا بھی موجبِ لعنت ہوا،

تنبیہ: تغییر خلق اللہ: یعنی جس چیز کو اللہ تعالی نے جس طرح پیدا کیا ہو اور وہ چیز عادت کے مطابق بھی ہو تو اس میں اپنی طرف سے تغییر اور تبدیلی پیدا کرنا ممنوع اور خدا کی لعنت کا سبب ہے، لیکن اگر خلافِ عادت کسی میں کوئی چیز پیدا ہو گئی جیسے کہ ہاتھ یا پیر میں زائد انگلی یا عورت کے چہرے پر ڈاڑھی تو اس کو زائل اور دور کرنا تغییر خلق اللہ میں داخل نہیں ہے اور نہ سببِ لعنت ہے، اور اسی طرح وہ چیزیں بھی تغییر خلق اللہ میں داخل نہیں ہیں جن کے کاٹنے، زائل و صاف کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہو جیسے کہ ختنہ کرانا، مونچھ کتروانا، بغل و زیرِ ناف وغیرہ کے بال صاف کرنا۔

غیر شرعی بال رکھنے و کٹانے کا فیشن

آج یہ فیشن بھی بکثرت عام ہوتا جارہا ہے کہ لوگ شرعی بال اور سنت کے مطابق زُلفیں اور پٹے رکھنے کے بجائے غیروں کی نقل و تقلید میں انگریزی کٹ، ہپی کٹ اور خلاف شرع نہ معلوم کیسے کیسے ڈیزائن دار بال رکھتے ہیں اور عجیب

طرح سے چھوٹے بڑے کٹواتے اور بنواتے ہیں اور اسے کچھ عیب اور برا نہیں سمجھتے، جب کہ حدیث پاک میں غیروں کی صورت وشباہت اختیار کرنے پر وعید آئی ہے اور سر کے بالوں کو دو طرح یعنی چھوٹے بڑے رکھنے یا کچھ منڈانے اور کچھ چھوڑنے سے منع کیا گیا ہے چنانچہ حدیث پاک میں ہے عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں أنّ رَسولَ اللهِ ﷺ نَهى عَنِ القَزَعِ(بخاری/۹۲۲۱) وفی مسند احمد نَهى عن القَزَعِ في الرَّأسِ کہ بیشک اللہ کے رسول ﷺ نے سر میں قزع سے منع کیا ہے۔

اور قَزَع کہتے ہیں سر کے کچھ حصے کے بال مونڈ دینے اور کچھ کو چھوڑ دینے کو کہ جس سے سر ایک طرح کا نظر نہ آئے، جیسا کہ اس کی تفسیر مسند احمد اور ابو داؤد شریف میں اس حدیث کے ساتھ مذکور ہے

وَالقَزَعُ: الرُّقْعَةُ فى الرأسِ۔ وأن يُحلَقَ رأسُ الصَّبِيّ فيُترَكَ بعضُ شعرِهِ(حدیث/ ۴۱۹۳ سنن ابی داؤد).

یعنی سر کے بال کو اس طرح منڈوانا یا کٹوانا کہ جس سے سر کا کچھ حصہ اس طرح چمکتا ہوا نظر آئے جیسے آسمان میں بادل کے متفرق ٹکڑے چمکتے نظر آتے ہیں، کیوں کہ قزع لغت میں بادل کے ان متفرق ٹکڑے کو کہا جاتا ہے جو دور سے چمکتے ہوئے نظر آئیں،

اور اس طرح بال منڈانے و کٹانے سے چوں کہ سر ایسے ہی نظر آتا ہے اس لئے حدیث پاک میں اس کو قزع کہا گیا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ بال باعثِ زینت ہے، اگر سر پر بال ہو تو شریعت اسے بنانے سنوارنے اور گاہے بگاہے اس میں تیل کنگھی کرکے گرد وغبار وغیرہ سے محفوظ رکھنے کا حکم دیتی ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے مَن كانَ لَهُ شَعْرٌ

فَلْيُكْرِمْهُ (سنن ابی داود/ ۴۱۶۳) کہ جس کے (سر) پر بال ہوں تو اسے چاہیے کہ وہ اس کا اکرام کرے۔

اور آں حضور ﷺ کے سر مبارک پر خوبصورت زلفیں تھیں، جیسا کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ما رَأَيْتُ مِن ذِي لِمَّةٍ أَحْسَنَ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مِن رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَهُ شَعْرٌ يَضْرِبُ مَنكِبَيْهِ (سنن ابی داود:۴۱۸۳) کہ میں نے کسی پٹے وزلف والے کو جو سرخ جوڑے میں ہو آپ ﷺ سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا کہ آپ کے بال دونوں کندھوں کو چھو رہے تھے۔

آپ کی اکثر زندگی بال کی حالت میں گزری ہے صرف حج اور عمرہ کے موقع پر بال منڈانا منقول ہے،

بال رکھنے کے تین طریقے

مختلف اوقات میں آپ ﷺ سے تین طرح سے بال رکھنے کی روایات حدیث کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں (۱) وَفرہ، (۲) جُمَّہ، (۳) لِمَّہ،

وَفْرَہ: سب سے کم درجہ یعنی کانوں کی لو تک۔

لِمَّہ: اس سے زائد یعنی کانوں سے نیچے اور کندھوں سے اوپر تک.

جُمَّہ: اس سے بھی زائد یعنی مونڈھے کے قریب تک۔

اب جس کو بال رکھنا ہے تو چاہیے کہ ان نبوی تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقے پر رکھے یا پھر تمام سر کے بالوں کو چھوٹا اور برابر رکھے اور مانگ سر کے بیچ سے نکالے ویسے ہی سیدھا نہ چھوڑ دے کیونکہ یہی سنت نبوی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے كنتُ إذا أردتُ أن أفرُقَ رأسَ رسولِ اللهِ ﷺ، صدَعتُ الفرقَ من يافوخِهِ وأرسلُ ناصيتَهُ بينَ عَينيهِ (سنن ابی داود/ ۴۱۸۹) کہ جب میں آپ کے سر کے بالوں میں مانگ نکالتی تھی تو آپ

کے سر کے بیچ سے مانگ چیرتی تھی اوراگلے حصے کے بال دو حصوں میں کر دیتی تھی دائیں جانب اور بائیں جانب۔

یہود اپنے بالوں میں نہ تومہندی لگاتے تھے اور نہ سر کے بیچ سے مانگ نکالتے تھے تو آپ ﷺ نے ان کی مخالفت میں اپنی امت کو حکم دیا اختَضِبوا وافرِقوا وخالِفوا الیهودَ (میزان الاعتدال) کہ بالوں میں مہندی لگاؤ اور سر کے بیچ سے مانگ نکالو اور یہود کی مخالفت کرو۔

پتلون ٹخنوں سے نیچے رکھنے کا فیشن

موجودہ زمانے میں یہ فیشن بھی وبائے عام کی طرح پھیل چکا ہے خصوصاً نوجوانوں میں کہ وہ اپنی پتلون اور جینس پینٹ کو ٹخنوں سے نیچے لٹکا کر اور اسے زمین پر گھسیٹ وگھرّا کر چلتے ہیں جو کہ نظافت وطہارت کے بھی خلاف ہے اور خدا اور رسول کے صریح حکم کے بھی خلاف ہے، لیکن اس کے باوجود لوگوں میں اس میں بڑی لاپرواہی وغفلت پائی جاتی ہے۔

معلوم ہونا چاہیے مرد کا پینٹ، پتلون، لنگی، پائجامہ یا کوئی بھی اوپر سے نیچے آنے والا کپڑا مثلاً کرتا وجُبَّہ وغیرہ ٹخنوں سے نیچے تک لٹکا کر پہننا جائز نہیں ہے خواہ نماز ہو یا نماز کے باہر اس پر حدیثِ پاک میں بڑی سخت وعید آئی ہے چنانچہ حضرہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لا یَنْظُرُ اللهُ یومَ القِیامَةِ إلی مَن جَرَّ إزارَهُ بَطَرًا (بخاری شریف/۵۷۸۸) کہ اللہ رب العزت قیامت کے دن ایسے شخص کی طرف (نظرِ کرم) سے نہیں دیکھیں گے جو تکبُّر سے اپنی لنگی زمین پر گھسیٹ کر چلے۔ اور ابوداؤد شریف میں ہےالإسبالُ في الإزارِ والقمیصِ والعمامةِ من جرَّ منها شیئًا خُیلاءَ لم

ينظرِ اللهُ إليه يومَ القيامةِ (سنن ابی داؤد / ۴۰۹۴) کہ اسبال یعنی کپڑا لٹکانا (جس پر وعید آئی ہے) وہ لنگی قمیص عمامہ میں ہے، جو کوئی ان میں سے کسی کو ازراہِ تکبر گھسیٹ کر چلے گا قیامت کے دن اللہ تعالی اس کی طرف (رحمت کی نظر سے) نہیں دیکھیں گے۔

اورابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا إزرَةُ المُسلِمِ إلى نِصْفِ السّاقِ فما كان إلى الكَعْبِ فلا بَأْسَ و ما تَحتَ الكَعْبِ ففي النّارِ (مسند احمد / ۱۱۴۸۷) کہ مسلمان کی لنگی اور تہبند نصف پنڈلی تک رہنی چاہیے اور اگر ٹخنوں تک رہے تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن جو حصہ پنڈلی سے نیچے ہو وہ دوزخ میں ہے۔ یعنی ایسا کرنے والا دوزخی ہے۔

اور ابو داؤد شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص اپنی لنگی ٹخنے سے نیچے لٹکا کر نماز پڑھ رہا تھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے (تغلیظاً و تشدیداً) فرمایا جا وضو کر وہ گیا وضو کیا اور آیا پھر آپ نے فرمایا جا وضو کر ایک آدمی نے آپ سے سوال کیا یا رسول اللہ آپ نے اسے وضو کرنے کا کیوں حکم دیا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا إنّهُ كانَ يصلّي وهوَ مسبِلٌ إزارَهُ وإنّ اللهَ لا يقبلُ صلاةَ رجلٍ مسبلٍ إزارَهُ کہ وہ لنگی ٹخنے سے نیچے لٹکا کر نماز پڑھ رہا تھا اور اللہ رب العزت لنگی ٹخنے سے نیچے لٹکانے والے کی نماز قبول نہیں فرماتے۔ (سنن أبی داود / ۴۰۸۶)۔

پھٹی پینٹ پہنکر چلنے کا فیشن

کریلا نیم چڑھا، پتلون اور جینس پینٹ جسم پر چست، فٹ ہونے کی وجہ سے ویسے ہی کماحقہ ستر پوشی کا فائدہ نہیں دے رہے تھے، جسم پر کس جانے کے

سبب اعضاء کی ساخت و بناٹ نمایاں ہوتی تھی لیکن دورِ حاضر میں سونے پہ سہاگہ فیشن کی ایسی کرم فرمائی کہ اب تو جینس پینٹ میں گھٹنے، اور گھٹنے سے اوپر ران وغیرہ سے کپڑے ہی پھاڑ دیے جاتے ہیں اور ایسی ایسی پتلون ایجاد ہو چکی ہیں جن میں گھٹنے اور ران پر کپڑے ہی نہیں ہوتے جس کی وجہ سے اندر کا جسم، حَجم، رنگ و ستر صاف نظر آتا ہے لیکن 'العیاذ باللہ' ایسی پتلونوں کے پہننے کا دن بدن رُجحان و شوق بڑھتا ہی جا رہا ہے اور بہت سے مسلم بچے و بچیاں ایسی ہی ننگی اور حیا سوز پتلونوں اور پینٹوں میں گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں، یہ دین سے دوری اور فیشن پرستی اور ناچنے گانے والے ہیرو ہروئن پر فریفتگی کا اثر ہے جس نے نوجوان نسلوں کو ایسا دیوانہ اور پاگل بنا دیا ہے کہ وہ اپنے اندر کی شرم و حیاء کھو چکے ہیں، اور ان کی غیرت و انسانیت بالکل مر چکی ہے، اب وہ ننگے چلنے اور ستر کھولنے کو کوئی عیب نہیں سمجھتے، اللہ رب العزت ایسے لوگوں کو ہدایت اور دین کی سمجھ عطا فرمائے آمین!

ستر پوشی انسان کا خصوصی امتیاز ہے

معلوم ہونا چاہیے کہ ستر پوشی انسان کی فطری و طبعی ضرورت ہے، لباس کا اصلی مقصد ستر پوشی ہے اور یہی اس کا عام جانوروں سے خصوصی امتیاز ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذٰلِكَ خَيْرٌ (سورۂ احزاب:۲۶)" کہ اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا جو تمہاری شرمگاہ کو چھپاتا ہے اور سببِ زینت بھی ہے، اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے "یعنی عملِ صالح کا۔

شیطان کا انسان پر سب سے پہلا حملہ اسی راہ سے ہوا کہ اسکا لباس اتروا دیا اور آج بھی شیطان اپنے شاگردوں کے ذریعے جب انسان کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو

فیشن، تہذیب، شائستگی اور آزادی کے نام پر سب سے پہلے اس کو برہنہ (ننگا) یا نیم برہنہ کر کے سڑکوں اور گلیوں اور چوراہوں پر کھڑا کر دیتا ہے۔

ستر چھپانا فرض ہے

معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام میں ستر چھپانا فرض ہے اور اس کو کھلا رکھنا یا بیوی کے علاوہ کسی اور کے سامنے کھولنا حرام ہے اور اسلام میں مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے یعنی ران اور گھٹنا بھی ستر میں داخل ہے چنانچہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا یَا عَلِي لَا تَكْشِفْ فَخِذَكَ وَلَا تَنْظُرْ إِلَى فَخِذِ حَيٍّ وَلَا مَيِّتٍ (سنن ابي داود/۴۰۱۵). کہ اے علی نہ اپنی ران کھولو اور نہ کسی زندہ یا مردہ شخص کی ران کی طرف دیکھو۔

جَرْحَد ایک صحابی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کو مخاطب کرکے فرمایا یا جَرْهَدُ ! غَطِّ فَخِذَكَ فَإِنَّ الفَخِذَ عورةٌ (صحیح الجامع ۷۹۰۶) کہ اے جرحد! اپنی ران ڈھانک لو کیونکہ ران ستر ہے۔

تنبیہ: کچھ لوگ ایسی جینس پینٹ اور پتلون پہنتے ہیں جو پھٹی تو نہیں ہوتی لیکن اپنی وضع وبناوٹ کیوجہ سے یا پہننے والے کے جسم کے موٹا ہونے کی وجہ سے رکوع وسجدہ جاتے وقت کمر سے نیچے سرین (چوتڑ) کا کچھ حصہ کھل جاتا ہے، اس سے نماز خطرے میں پڑ جاتی ہے، اس پر بھی انہیں دھیان دینے کی ضرورت ہے۔

مَردوں کا بالی، چین، کڑا وغیرہ پہننے کا فیشن

افسوس صد افسوس کہ آج یہ بھی دیکھنے کو مل رہا ہے کہ بعض مسلم نوجوان لڑکے اپنی بے دینی یا جہالت کی وجہ سے عورتوں یا غیر مسلموں کی طرح کان میں بالی، بُندے لٹکائے پھرتے ہیں، گلے میں سونے وغیرہ کی لاکِٹ چین ڈالے رہتے

ہیں، ہاتھ میں کڑے، رِنگ اور انگلیوں میں سونے وغیرہ کی متعدد انگوٹھیاں پہنتے ہیں

جبکہ یہ مذکورہ تمام چیزیں ایک مومن ومسلمان مرد کے لئے بالکل جائز نہیں، اسلام اپنے ماننے والوں کو غیر مسلموں کی نقل ومشابہت اختیار کرنے سے سختی کے ساتھ روکتا ہے اور عورتوں کی شکل وشباہت اپنانے والے مسلمان مردوں پر لعنت بھیجتا ہے، چنانچہ حدیث رسول ہے مَن تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنهُمْ (سنن ابی داود / ۴۹۳۱) کہ جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اس کا شمار اسی میں سے ہوگا۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رَأى رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَيَّ ثَوْبَيْنِ مُعَصْفَرَيْنِ، فَقالَ: «إنَّ هَذِهِ مِن ثِيابِ الكُفّارِ فَلا تَلْبَسها(صحیح مسلم: ۲۰۷۷) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بدن پر رنگِ عصفر میں رنگے ہوئے دو کپڑے دیکھ کر فرمایا کہ یہ کافروں کا لباس ہے اسے نہ پہنو۔

اور بخاری شریف میں ہے لَعَنَ رَسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم المُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجالِ بالنِّساءِ (بخاری / ۵۸۸۵) کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر لعنت بھیجی ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ مَردوں کے لیے صرف چاندی کی ایک انگوٹھی پہننا جائز ہے جو ایک مثقال یعنی ۴ گرام، ۳۷۴ ملی گرام سے کم ہو جیسا کی حدیث رسول میں ہے.......اتَّخِذْهُ من ورِقٍ، ولا تُتِمَّهُ مِثقالًا(ابی داؤد / ۴۲۲۳) کہ چاندی کی انگوٹھی بناؤ اور اس کا وزن پورا ایک مثقال نہ رکھو۔اور عورتوں کی انگوٹھی کی ڈیزائن وشکل پر بھی بنی ہوئی نہ ہو،

اور مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی یا چاندی کی متعدد انگوٹھیاں پہننا یا

گلے میں سونے چاندی یا کسی اور چیز کا ہار، چین اور لاکٹ وغیر پہننا شریعت میں درست نہیں ہے اسی طرح ہاتھ میں کڑا، کنگن اور کان میں بالی بُندہ وغیرہ بھی کیوں کہ یہ سب چیزیں جہاں ایک طرف عورتوں کے زیورات اور ان کی زینت کی چیزیں ہیں وہیں دوسری طرف غیر مسلم مرد ان چیزوں کو بطور زیب وزینت پہنتے اور استعمال کرتے ہیں جن سے ایک مومن مسلمان کو کوسوں دور رہنا چاہیے۔

کھڑے کھڑے کھانے کا فیشن

بوفے سسٹم یعنی کھڑے کھڑے کھانا پینا بھی موجودہ زمانہ کا ایک مُرَوَّج فیشن بن چکا ہے چنانچہ آج بہت سی تقریبات شادی بیاہ وغیرہ میں انتظام ہی کھڑے ہو کر کھانے کا کیا جاتا ہے جہاں لوگ بلا جھجک کھڑے کھڑے کھاتے پیتے ہیں،

معلوم ہونا چاہیے کہ بوفے سسٹم مغربی قوم انگیریز کی ایجاد کردہ ایک نا پسندیدہ بدعت ہے جو سنت نبوی اور اسلامی آداب وروایات کے خلاف ہے اور مسلمانوں کا اپنی تقریبات شادی بیاہ وغیرہ میں اس طرح کھڑے ہو کر کھانے پینے کی ترتیب اور نظم رکھنا اجتماعی طور پر اپنے نبی کی سنت کے خلاف عمل کرنے کے مترادف وبرابر ہے جس سے مسلمانوں کو حد درجہ بچنے کی ضرورت ہے، مسلمان تو اسلامی آداب وروایات اور اپنے نبی کی سنت پر عمل کرنے اور اسے زندہ کرنے کے لئے ہے نہ کہ اسے مٹانے کے لیے،

کھانے کا اسلامی ونبوی طریقہ یہ ہے کہ بیٹھ کر، دستر خوان بچھا کر، کھانا اس پر رکھ کر کھایا جائے، نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، صحابہ کرام، اکابرین اور صلحائے امت کا

یہی معمول وطریقہ رہا ہے،

حضرت انس رضی اللہ عنہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں أَنَّهُ نَهى أَنْ يَشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا. قَالَ قَتَادَةُ: فَقُلْنَا فَالأكُلُ فَقَالَ: ذاكَ أَشَرُّ أَوْ أَخْبَثُ (مسلم / ۲۰۲۴) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا ہے قتادہ کہتے ہیں کہ ہم نے انس بن مالک سے پوچھا تو پھر کھڑے ہو کر کھانا کیسا ہے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کھڑے ہو کر کھانا تو اس سے بھی زیادہ برا اور گندا عمل ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے نَهى عنِ الشُّربِ قائمًا، والأكلِ قائمًا (البزار / ۷۲۸۷) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر کھانے پینے سے منع فرمایا ہے۔

قتادہ تابعی ہیں وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کے متعلق روایت بیان کر رہے تھے شاگردوں نے ان سے پوچھا.... فَعَلامَ كانُوا يَأْكُلُونَ؟ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز پر کھاتے تھے تو انھوں نے جواب دیا عَلى السُّفَرِ کہ آپ دستر خوان پر کھایا کرتے تھے۔

پس بلا ضرورت و مجبوری عام حالتوں میں کھڑے ہو کر کھانا پینا یا اس کی عادت بنانا خلافِ سنت، خلافِ مروت اور مکروہ و ناپسندیدہ ہے،

ہاں البتہ اگر مجبوری ہو یا بیٹھنے کی جگہ نہ ہو تو کھڑے ہو کر کھانے کی گنجائش ہے، اسی طرح اگر کھانا تو بیٹھ کر ہی کھایا جائے لیکن بطور تفکّہ ولذت کھائی جانے والی چیزیں جن کے لیے دستر خوان بچھانے کا اہتمام نہیں کیا جاتا مثلاً پھل چاکلیٹ، وغیرہ یا کھانے کے ایک دو لقمے چلتے پھرتے یا کھڑے ہو کر کھا لیے جائیں تو ان میں کوئی حرج نہیں، روایات میں اس کی گنجائش ہے جیسا کہ ابوداؤد شریف میں ہے حضرت عبد اللہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لَقَدْ رَأَيْتُنِي

سَابِعَ سَبْعَةٍ أَوْ سَادِسَ سِتَّةٍ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دَارِ رَجُلٍ، فَمَرَّ بِلَالٌ فَنَادَاهُ بِالصَّلَاةِ، فَخَرَجْنَا فَمَرَرْنَا بِرَجُلٍ وَبُرْمَتُهُ عَلَى النَّارِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَطَابَتْ بُرْمَتُكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، فَتَنَاوَلَ مِنْهَا بَضْعَةً، فَلَمْ يَزَلْ يَعْلُكُهَا حَتَّى أَحْرَمَ بِالصَّلَاةِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ. (سنن ابی داود /۱۸۳)

مجھے یاد ہے کہ میں ایک شخص کے گھر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مجلس میں ساتواں فرد تھا یا چھٹا تھا کہ بلال آئے، انہوں نے نبی ﷺ کو نماز کی اطلاع دی تو ہم نکلے اور ایک شخص کے پاس سے گزرے، اس کی ہنڈیا آگ پر رکھی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: ”کیا تمہاری ہنڈیا تیار ہو گئی ہے؟“ اس نے کہا جی ہاں میرے ماں باپ آپ پر قربان! تو آپ نے اس سے گوشت کی ایک بوٹی لی اور کھاتے ہوئے چلے گئے حتیٰ کہ نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہی اور میں آپ کو دیکھ رہا تھا۔

اور ترمذی شریف میں ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں كنّا نأكلُ على عَهدِ رسولِ اللهِ ﷺ ونحنُ نمشي ونشربُ ونحنُ قيامٌ (ترمذی/۱۸۰) کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کھالیا کرتے تھے جبکہ ہم چل رہے ہوتے تھے اور پی لیا کرتے تھے جب کہ ہم کھڑے ہوتے تھے۔

شارحینِ حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس سے ایک دو لقمے مراد ہیں یا ایسی چیز مراد ہے جس کے واسطے دستر خوان بچھانے کا اہتمام نہیں ہوتا جیسا کہ تکملة فتح الملهم: ۱۰/ ۱۵ پر ہے اِنَّ حَدِيثَ ابنِ عمرَ مَحْمُولٌ على اَكْلِ لُقْمَةٍ وَلُقْمَتَيْنِ وَاَكْلِ اشياءَ لا يُهْتَم بالمائدة کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ایک دو لقمہ کھانے پر محمول ہے یا ایسی

چیزوں کے کھانے پر محمول ہے جن کے لئے دستر خوان نہیں بچھائے جاتے۔

دشمنانِ اسلام کی ایک سازش

معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام دشمن قوتوں اور رسول اللہ ﷺ سے بغض و دشمنی رکھنے والی قوموں کی ایک بہت بڑی سازش ہے وہ یہ کہ وہ دیکھتی اور غور کرتی ہیں کہ کونسی چیز اور کونسا عمل مسلمانوں کے مذہب و شریعت کے خلاف ہے اور کونسی چیز ان کے ہر دل عزیز نبی حضرت محمد ﷺ کی حدیث و سنت کے مخالف ہے، پس جو چیزیں مذہب اسلام اور سنتِ رسول اللہ کے خلاف ہوتی ہیں ایسی چیزوں کو وہ فیشن بنا کر اور آرائش و زیبائش کے نام پر یا اسکیم و فوائد کا لیبل لگا کر پھیلاتی و متعارف کراتی ہیں اور مختلف حیلوں بہانوں اور مختلف طریقوں سے اس کی خوب خوب تشہیر و ایڈورٹائزنگ کراتی ہیں تا کہ خود مسلمانوں کے ذریعے ان کے دین و مذہب اور ان کے نبی کی سنت و شریعت کو پامال کرائیں اور پھر ان پر ہنسیں اور ٹھٹھہ کریں، کہ دیکھو یہ ہیں اسلام کے نام لیوا اور اپنے نبی سے محبت کا دعوی کرنے والے لوگ، چنانچہ بہت سارے مسلمان جانے انجانے میں یا خواہشات نفسانی کی پیروی کی وجہ سے ان کی سازشوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور اپنے ہی دین و مذہب کے خلاف چلتے و عمل کرتے ہیں اور اپنے ہی نبی اور رسول کی حدیثوں و سنتوں کی بے حرمتی اور مخالفت کرتے ہیں۔

یہود و نصاری کی نقل و اتباع کا فتنہ

امتِ مسلمہ جو افضلُ الاُمَمْ ہے جس کو اللہ تعالی رب العزت نے لوگوں کے لئے مقتدا و پیشوا بنایا تھا آج وہ مفضول و مغضوب قوموں کی مقتدی و پیروکار بنتی جارہی ہے

آج یہود و نصاریٰ اور دیگر قوموں کے رسوم و رواج اور طور طریقوں کی اتباع و پیروی کا فتنہ امت میں عام ہوتا جارہا ہے، دینی و دنیاوی شعبوں کو یورپ و مغرب کے طرز پر لانے کی کوشش کی جاتی ہے، سیاسی و حکومتی ادارے خود مختار ہونے کے باوجود ان ہی کے طرز و انداز پر چلائے جاتے ہیں، تمام سیاسی وعدالتی سرگرمیاں انہیں کے طریقوں پر انجام دی جاتی ہیں، دینی و دنیاوی شعبوں میں یورپ و مغرب کی نقل اتاری جاتی ہے، حتی کہ اب تو استنجاخانے و بیت الخلاء تک غیروں کے طرزوانداز پر بنائے جاتے ہیں اور انھیں کے انداز اور طریقوں پر پاخانہ پیشاب اور دیگر تمام ضروریات کو پورا کرنے کو پسند کیا جاتا ہے۔

افسوس صد افسوس کہ اب تو مساجد و مدارس اور اسلامی ادارے بھی اسلامی تشخص واسلامی امتیازات سے محروم ہوتے جارہے ہیں، سادگی و کفایت شعاری جو ایمان و اسلام کا خصوصی زیور اور اس کا طُرّہٗ امتیاز تھی جیسا کہ حدیث پاک میں ہے إِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْإِيمَانِ، إِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْإِيمَانِ (سنن أبی داود:۴۱۶۰)(کہ بیشک سادگی ایمان کا حصہ ہے، بیشک سادگی ایمان کا حصہ ہے۔ اور فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْهَانَا عَنْ كَثِيرٍ مِنَ الْإِرْفَاهِ، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بہت زیادہ اسباب عیش وعشرت جمع کرنے اور بہت زیادہ زیب وزینت سے منع فرمایا کرتے تھے) بعض مسجدیں اور دینی درسگاہیں اس سے دور ہوتی جارہی ہیں اور اب بعض دینی اداروں میں بھی وہی آسائش وزیبائش اور ٹھاٹ باٹ نظر آتا ہے جو یورپی اور مغربی کالجوں اور اسکولوں میں نظر آتا ہے، تعلیم و تعلّم اوراصلاح و تربیت کا نظام و طریقہ بدل کر یہود و نصاریٰ کے انداز پر لانے کی کوشش کی جاتی ہے، بھلا جس امت کا نبی ہر چیز میں اللہ کی طرف سے یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا مامور ہو اور

جس نبی کی ساری زندگی یہود و نصاریٰ کی مخالفت میں گزری ہو اور جس نے اپنی امت کو بڑی تاکید کے ساتھ یہود و نصاریٰ کے طور طریقوں، ان کے رسم رواج سے اجتناب اور دور رہنے کا حکم دیا ہو اگر اسی نبی کی امت اپنے نبی کا محبوب طریقہ وسنت چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کے طور طریقے کو اپنے سینے اور گلے سے لگا کر بیٹھ جائے تو کتنے افسوس کی بات ہے۔

آپ ﷺ نے چودہ سو سال پہلے جو پیشین گوئی فرمائی تھی آج وہ سچی ثابت ہو رہی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَأْخُذَ أُمَّتِي بِأَخْذِ الْقُرُونِ قَبْلَهَا شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَفَارِسَ وَالرُّومِ فَقَالَ وَمَنْ النَّاسُ إِلَّا أُولَئِكَ" [البخاری ۷۳۱۹] کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ میری امت اپنے سے پہلی قوموں کی بالشت بالشت ذراع بذراع یعنی قدم بقدم ہو بہو پیروی نہ کرنے لگ جائے، پوچھا گیا یا رسول اللہ! پہلی قوموں سے مراد فارس و روم کے لوگ ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا لوگوں میں سے ان کے سوا اس کا مصداق اور کون ہو سکتا ہے؟ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا. لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتَّى لَوْ سَلَكُوا جُحْرَ ضَبٍّ لَسَلَكْتُمُوهُ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى قَالَ فَمَنْ؟ [البخاری ۳۴۵۶] کہ ضرور بالضرور تم اپنے سے پہلے لوگوں کی ہو بہو پیروی کروگے یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے سوراخ میں گھسے ہوں گے تو تم بھی اس میں جا گھسو گے، ہم نے پوچھا کیا یہود و نصاریٰ مراد ہیں؟ تو آپ نے فرمایا تو پھر اور کون؟

اور ارشاد فرمایا نفسي بيدِهِ لتركبُنَّ سنَّةَ مَن كانَ قبلَكم کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تم ضرور بالضرور اپنے

سے پہلے لوگوں کی راہ پر چلو گے (ترمذی شریف: ۲۱۸۰)

اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یقیناً میری امت پر وہ زمانہ آئے گا جو بنی اسرائیل پر آیا تھا جس طرح ایک پیر کا جوتا دوسرے پیر کے جوتے کے برابر ہوتا ہے اسی طرح ہو بہو حتی کہ اگر ان بنی اسرائیل میں سے کسی نے اعلانیہ اپنی ماں سے زنا کیا ہو گا تو میری امت میں بھی ایسا کرنے والے ہوں گے۔

غیروں کی مخالفت پر چند احادیث

یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی مخالفت پر چند احادیث ملاحظہ فرمائیں

۱) یہود صرف دس محرم الحرام کو روزہ رکھتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت میں دس کے ساتھ نو یا گیارہ محرم الحرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا جیسا کہ حدیث پاک میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (صُومُوا يَوْمَ عَاشُورَاءَ ، وَخَالِفُوا فِيهِ الْيَهُودَ ، صُومُوا قَبْلَهُ يَوْمًا أَوْ بَعْدَهُ يَوْمًا).
(رواہ ابن خزیمۃ: ۲۰۹۵)

کہ عاشوراء کے دن کا روزہ رکھو لیکن اس میں یہود کی مخالفت کرو اس سے پہلے ایک دن روزہ رکھ کر یا اس کے بعد ایک دن روزہ رکھ کر۔

۲) یہود موزہ اور جوتا اتار کر نماز پڑھتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خَالِفُوا الْيَهُودَ فَإِنَّهُمْ لَا يُصَلُّونَ فِي نِعَالِهِمْ ، وَلَا خِفَافِهِمْ (سنن ابی داود: ۶۵۲) کہ یہود کی مخالفت کرو اپنے موزوں و جوتوں میں نماز پڑھ کر کیونکہ وہ اپنے موزوں و جوتوں میں نماز نہیں پڑھتے۔

نوٹ: موزہ و جوتا اگر پاک ہو تو اس کو پہن کر اگرچہ نماز پڑھنا جائز و درست ہے لیکن چونکہ آجکل جوتے چپل پہن کر نماز پڑھنا گستاخی و بے ادبی

سمجھی جاتی ہے اور جوتے چپل کے ساتھ مسجد میں داخل ہونا مسجدوں کی صفائی و ستھرائی کے خلاف ہے، اس میں مسجدوں کی بے حرمتی اور بے ادبی سمجھی جاتی ہے اور نیز اس زمانے کے یہود و نصاریٰ جوتے چپل اتار کر نہیں بلکہ اپنے جوتے چپل سمیت نماز پڑھتے ہیں اس لئے اہلِ ایمان اور اہلِ اسلام کو اب جوتوں اور چپلوں کے ساتھ نماز پڑھنا یا مسجدوں میں داخل ہونا مناسب نہیں۔

۳) یہود اپنے بالوں میں خضاب اور مہندی نہیں لگایا کرتے تھے اور سر کے بیچ سے مانگ نہیں نکالتے تھے تو آپ ﷺ نے ان کی مخالفت میں اپنی امت کو حکم دیا (اِخْتَضِبوا، وافرُقوا، وخالِفوا اليَهودَ) (میزان الاعتدال:۱۶۳۷) کہ بالوں میں خضاب کرو اور سر کے بیچ سے مانگ نکالو اور یہود کی مخالفت کرو۔

۴) یہود بے بہبود حالتِ حیض میں اپنی عورتوں کو گھر سے باہر نکال دیتے تھے ان کے ساتھ کھانا پینا لیٹنا بیٹھنا سب کچھ ترک کر دیتے تھے اس کے برعکس نصاری کی حالت تھی کہ وہ اس حالت میں بھی اپنی بیوی سے ہمبستری سے باز نہیں آتے تھے تو آپ ﷺ نے ان کی مخالفت میں ارشاد فرمایا جَامِعُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ، وَاصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ غَيْرَ النِّكَاحِ(سنن ابي داود:۲۵۸) کہ ان کو اپنے گھروں میں رکھو (یعنی ان کے ساتھ لیٹو بیٹھو، کھاؤ پیؤ) اور صحبت کے علاوہ سب کچھ کر سکتے ہو۔

۵) مشرکین اپنی مونچھیں بڑھاتے تھے اور داڑھی منڈاتے تھے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ أَحْفُوا الشَّوَارِبَ، وَأَوْفُوا اللُّحىٰ (مسلم:۲۵۹) کہ مونچھیں کترواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

(۶) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رَأَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ ثَوْبَيْنِ مُعَصْفَرَيْنِ، فَقَالَ: «إِنَّ هٰذِهِ مِنْ ثِيَابِ

اَلْکُفَّارِ فَلَا تَلْبَسْهَا (مسلم:۲۰۷۷) کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے بدن پر رنگِ عُصْفر میں رنگے ہوئے دو کپڑے دیکھ کر فرمایا یہ کافروں کا لباس ہے اس کو نہ پہنو، نیز آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (سنن ابی داود:۴۰۳۱) کہ جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی اس کا حشر اور شمار اسی قوم کے ساتھ ہو گا۔

اور ترمذی شریف میں ہے: لَيْسَ مِنَّا مَن تَشَبَّهَ بِغَيْرِنا. لاَ تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ ولاَ بِالنَّصارىٰ (سنن الترمذی:۲۶۹۵) کہ وہ ہم سے نہیں جو ہمارے غیر کی مشابہت اختیار کرے، نہ یہود کی مشابہت اختیار کرو اور نہ نصاری کی۔ پس ان تمام احادیثِ رسول کے ہوتے ہوئے کسی مؤمن مرد و عورت کے لیے مناسب نہیں کہ وہ یہود و نصاری یا غیر مسلموں کی نقل و اتباع کرے، یا ان کے طور طریقوں کو اپنائے۔

اہلِ قرآن یعنی انکارِ حدیث کا فتنہ

یہ فرقہ قرآن کو تو مانتا ہے لیکن حدیث کا انکار کرتا ہے یعنی اس بات کا قائل ہے کہ شریعت کی حُجَّت اور دلیل صرف قرآن کریم ہے نہ کہ حدیثِ رسول، کیوں کہ قرآن کریم تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہے یعنی قرآن کریم، دین کی تمام باتوں کی وضاحت کرنے والا ہے اس لیے قرآن کے علاوہ حدیث وغیرہ کسی چیز کی کوئی حاجت و ضرورت نہیں، یہ فرقہ احادیث مبارکہ کو بزرگوں کے ملفوظات کا درجہ دیتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ حدیث سے نصیحت پذیری کا کام تو لیا جا سکتا ہے مگر اس کو حُجَّت اور اسلامی قانون کا ماخذ نہیں بنایا جا سکتا،

اس باطل فتنے اور فرقے کی پیشین گوئی آنحضور اقدس ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ ہی میں کر دی تھی، جیسا کہ ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا أَلَا يُوشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلَى أَرِيكَتِهِ يَقُولُ : عَلَيْكُمْ بِهَذَا الْقُرْآنِ، فَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ فَأَحِلُّوهُ، وَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوهُ. (سنن ابی داود:۴۶۰۴) کہ عنقریب ایسا شخص پیدا ہوگا جو پیٹ بھرا اپنی مسہری اور چھپر کھٹ پر پڑا ہوا یہ کہے گا کہ صرف اس قرآن کو لازم پکڑو، قرآن میں جس چیز کو حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جن چیزوں کو حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔

آنحضورِ اکرم ﷺ کی یہی پیشین گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ کہ منکرینِ حدیث پیدا ہوئے، انکارِ حدیث کے فتنہ کا آغاز ہوا سب سے پہلے دوسری صدی ہجری میں خوارج اور معتزلہ نے حدیث رسول کی حُجیّتُ کا انکار کیا اور تیرھویں صدی ہجری میں برصغیر کے اندر منکرینِ حدیث کا ٹولہ پیدا ہوا جس نے اپنا لقب اہلِ قرآن رکھا، جن میں زیادہ مشہور عبد اللہ چکڑالوی تھا، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تخت پوش پر تکیہ لگا کر حدیث نبوی ﷺ کا انکار کیا کرتا تھا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اس فرقہ کے عقائد قرآن کریم اور احادیث رسول کے بالکل مخالف ہیں، یہ فرقہ ظاہر میں احادیثِ رسول کا منکر ہے جب کہ حقیقت میں یہ فرقہ قرآن کریم اور مذہب اسلام کا بھی مخالف ہے، اس فرقہ کے لوگ انکارِ حدیث کے ذریعے پورے اسلام کو مخدوش و مجروح کرکے تمام اوامر و نواہی سے بالکل آزاد ہونا چاہتے ہیں کیونکہ حدیث، قرآن کریم کی تفسیر ہے تمام شرعی احکام کی تفصیل حدیث پاک میں ہے مثلاً پانچوں نمازوں کے اوقات، رکعتوں کی تعداد فرائض واجبات کی تفصیل، اور اس کے ادا کرنے کا طریقہ، اسی طرح صوم و صلاۃ کے مفصل احکام، حج کے مناسک، خرید و فروخت، امورِ خانہ داری،

ازدواجی معاملات اور معاشرے کے قوانین سب کی تفصیلات حدیث میں ہے، قرآن کریم میں ان چیزوں کا بیان تو صرف اجمالاً ہے جن کی تفسیر و تشریح حدیث رسول میں کی گئی ہے، یہ گروہ انکارِ حدیث کر کے ان سب تفصیلات توضیحات کو اور پورے نظامِ اسلام کو بدل کر من مانی کرنا چاہتا ہے، نیز قرآن کریم میں بھی من مانی تفسیر کر کے قرآن کا حقیقی مطلب اور مرادِ الٰہی کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔

بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ فرقہ انکارِ حدیث کے سبب اہلِ قرآن بھی نہیں رہ جاتا کیوں کہ قرآن کریم تو کہتا ہے وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ (الحشر /۷) کہ 'جو رسول تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ بیشک اللہ رب العزت سخت سزا والے ہیں۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم /۴)(کہ 'یہ)یعنی نبی جی (اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے جو کچھ بولتے ہیں وہ اللہ کی وحی ہوتی ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود۔۔ گرچہ از حلقومِ عبد اللہ بود

منکرین حدیث کی تردید آنحضور کی زبانی

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا أُلفِيَنَّ أحَدَكُم متَّكِئًا على أَرِيكَتِهِ يَأْتِيه الأَمْرُ مِنْ أَمْرِي، مِمَّا أمَرْتُ به أو نهَيْتُ عنه، فيقولُ: لا نَدْرِي، ما وجَدْنا في كتابِ اللهِ اتَّبَعْناه. (سنن ابی داؤد /۴۶۰۵) کہ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہو اور میرے احکام میں سے کوئی حکم جن کا میں نے حکم دیا ہے یا جن سے میں نے منع کیا ہے اس تک پہنچے اور وہ اسے سن کر یہ کہہ دے کہ میں کچھ نہیں

جانتا، ہم تو جو کچھ اللہ تعالی کی کتاب میں پائیں گے ہم اس کی اتباع کریں گے۔

اور حضرت مِقْدَاد بن مَعْدِیْ کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الكتابَ ومِثْلَهُ مَعَه، أَلا يُوشِكُ رجُلٌ شَبْعانُ على أريكتِهِ يقولُ: عليكم بهذا القرآنِ فما وجَدْتُم فيه مِن حلالٍ فأَحِلُّوه، وما وجَدْتُم فيه مِن حرامٍ فحرِّموه، أَلا لا يَحِلُّ لكم لحمُ الحِمارِ الأهليِّ، ولا كلُّ ذي نَابٍ مِن السَّبُعِ، ولا لُقَطةُ مُعاهَدٍ، إلّا أن يَسْتَغْنِيَ عنها صَاحِبُها، (سنن ابی داؤد ۴۶۰۴) خبر دار مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کا مثل دیا گیا ہے (یعنی حدیث)، خبر دار عنقریب اپنے تخت پر پڑا ہوا ایک آدمی جس کا پیٹ بھرا ہوا ہو گا کہے گا کہ قرآن کو اپنے اوپر لازم پکڑو یعنی صرف قرآن کو سمجھو اور اس پر عمل کرو، اور جس چیز کو تم قرآن میں حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جس چیز کو تم قرآن میں حرام پاؤ اسے حرام جانو، (یعنی حدیث کا انکار کرے گا)

حالانکہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام بتایا ہے وہ اسی طرح حرام ہے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، (اور بطور مثال آپ نے چند چیزیں ذکر فرمائیں) خبر دار تمہارے لئے گھریلو گدھا حلال نہیں ہے اور نہ ہی کیچلیوں والا درندہ حلال ہے (یعنی چیر پھاڑ کر کھانے والا) اور نہ ہی تمہارے لئے معاہدہ کرنے والے کا لقطہ یعنی گری پڑی چیز حلال ہے لیکن وہ لقطہ (گری پڑی چیز) حلال ہے کہ جس کا مالک اس سے مستغنی ہو۔ یعنی اسے اس کی ضرورت نہ ہو۔

اور حضرت عِرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا أَيَحْسَبُ أَحَدُكُمْ مُتَّكِئًا على أَرِيكَتِهِ، قَدْ يَظُنُّ أَنَّ اللَّهَ لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئًا إِلّا ما فِي هَذا القُرْآنِ،

أَلا وإِنِّي واللَّهِ قَدْ وعَظْتُ، وأَمَرْتُ، ونَهَيْتُ، عَنْ أَشْياءَ إِنَّها لَمِثْلُ القُرْآنِ، أَوْ أَكْثَرُ، وإِنَّ اللَّهَ لَمْ يُحِلَّ لَكُمْ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتَ أَهْلِ الكِتابِ إِلّا بِإِذْنٍ، ولا ضَرْبَ نِسائِهِمْ، ولا أَكْلَ ثِمارِهِمْ، إِذا أَعْطَوْكُمُ الَّذِي عَلَيْهِمْ (سنن ابی داؤد / ۳۰۵۰) کیا تم میں سے کوئی آدمی اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہوئے خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالی نے وہی چیزیں حرام کی ہیں جو قرآن میں ذکر کی گئی ہیں، خبردار اللہ کی قسم بے شک میں نے حکم دیا ہے، میں نے نصیحت کی ہے اور میں نے چند چیزوں سے منع کیا ہے جو قرآن کے مثل ہیں بلکہ اس سے زیادہ ہیں، (یعنی تعداد میں) بیشک اللہ تعالی نے یہ تمہارے لئے حلال نہیں کیا کہ تم لوگ اہلِ کتاب کے گھروں میں اجازت لئے بغیر چلے جاؤ اور نہ ہی تمہارے لئے ان کے پھلوں کا کھانا حلال ہے جبکہ وہ لوگ وہ مقدار ادا کریں جو ان کے ذمہ لازم ہے۔

دیکھئے حدیثِ اول میں منکرین حدیث پر کس قدر بلیغ انداز میں تردید کی گئی ہے جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں اور جہالت کی وجہ سے احادیث کا انکار کرتے ہیں، اور حدیثِ ثانی میں صاف طور پر اس کی وضاحت کر دی گئی کہ قرآن وحدیث دونوں واجبُ العمل ہونے میں برابر ہیں، فرق دونوں میں صرف اس قدر ہے کہ قرآن حکیم وحی متلو ہے یعنی نماز میں اس کی تلاوت ہوتی ہے، اور حدیث، وحی غیر متلو ہے یعنی اس کی نماز میں تلاوت نہیں ہوتی، اور حدیث ثالث میں اس کی وضاحت کر دی گئی کہ صرف وہی چیز حرام نہیں ہے کہ جس کی حرمت کا ذکر قرآن میں آیا ہو بلکہ ایسی اور بے شمار چیزیں بھی حرام ہیں جن کی حرمت کا ذکر احادیث میں آیا ہے لیکن قرآنِ کریم میں نہیں آیا ہے، جیسا کہ مثال کے طور پر مذکورہ بالا احادیث میں چند چیزوں کو آنحضور ﷺ نے شمار کر کے بتایا۔

پس جس طرح قرآن کریم شریعت کی حجت اور دلیل ہے اسی طرح حضور ﷺ کی مبارک احادیث بھی شریعت کی حجت اور دلیل ہیں،

اسی لیے آنحضور ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک تمام اہلِ اسلام اور علماء کرام کا یہ عقیدہ ہے کہ جس طرح احکامِ شرعیہ کے لیے قرآن حکیم حجت اور دلیل ہے بالکل اسی طرح رسول پاک ﷺ کی مبارک احادیث بھی احکام کے لئے حجت اور دلیل ہیں، کیونکہ جس طرح قرآن کریم اللہ کی طرف سے اتارا ہوا ہے اسی طرح احادیث مبارکہ کا مضمون بھی اللہ ہی کی طرف سے اتارا ہوا ہے اور احادیث کے بغیر قرآن کریم کا سمجھنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن اور محال ہے، قرآن متن ہے اور حدیث رسول اس کی شرح اور تفسیر ہے، آنحضور اقدس ﷺ قرآن کے مفسر بنا کر بھیجے گئے ہیں جیسا کہ قرآن کریم کا اعلان ہے وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (النحل / ۴۴) اور ہم نے آپ پر ذکر یعنی قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے وہ احکام واضح طور پر بیان کر دیں جو ان کے لیے اس قرآن میں حلال و حرام کے نازل کئے گئے ہیں اور تاکہ وہ اس میں غور و فکر کریں اور عبرت حاصل کریں۔

فتنۂ اہلِ حدیث و غیر مُقلّدیت

اہل حدیث اور غیر مقلدین بھی ایک فتنہ کی شکل اختیار کرتے جا رہیں، یہ حضرات اپنی کم علمی اور جہالت کی بنیاد پر اپنے علاوہ دوسروں کو قرآن و حدیث سے ہٹا ہوا خیال کرتے ہیں، تقلید کو شرک سمجھتے ہیں، اجماع اور صحابہ کرام کے اجماعی فیصلے کو نہیں مانتے قیاس کو شرعی حجت تسلیم نہیں کرتے، فروعی مسائل میں تشدد کی راہ اختیار کرتے ہیں، افضل اور غیر افضل کا اختلاف ان کے نزدیک گویا حق و باطل کا اختلاف ہے، کم پڑھے لکھے اور سادہ لوح مسلمانوں کو قرآن و حدیث کے نام پر دین

وشریعت اور سلفِ صالحین سے دور کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں، بخاری و مسلم، صحیح اور ضعیف حدیث کے نام پر عوامُ الناس کے دلوں میں ان کی عبادتوں کے تعلق سے شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں، فقہ اور فتاوی جو کہ قرآن و حدیث ہی سے ماخوذ و مستنبط ہیں انھیں بکواس اور غلط قرار دیتے ہیں۔

چوں کہ یہ فرقہ خدا و رسول کے نام پر مغالطہ دیتا ہے اور قرآن و حدیث کے نام پر لوگوں کو دھوکہ میں مبتلا رکھنا چاہتا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے چند دھوکے اور مغالطے اور ان کے جوابات لکھ دیے جائیں تاکہ کوئی شخص ان کے مغالطے اور جھانسے میں پھنس کر اپنے ایمان واعمال کو برباد نہ کرے،

غیر مقلدین کے چند مغالطے اور ان کے جوابات

مغالطہ (۱) اطاعت واتباع صرف خدا اور رسول کی ضروری ہے، خدا اور رسول کو چھوڑ کر اماموں کی تقلید کرنا کیا اللہ کو چھوڑ کر أَرْبَاباً مِّن دُونِ ٱللَّهِ اوروں کو معبود بنانا نہیں ہے، جو کہ شرک ہے؟

جواب: مستقل مُطاع بالذات یعنی ہر چیز میں اطاعت اور پیروی کی مستحق ذات صرف خدا اور اس کے رسول کی ہے، جو شخص خدا اور رسول کے بجائے کسی اور کو مستقل بالذات مطاع یعنی اطاعت و پیروی کا مستحق سمجھے وہ مشرک اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے، اور رسول کی بھی اطاعت اس لیے ضروری ہے کہ اللہ نے ان کی اطاعت کرنے کا ہمیں حکم دیا ہے اور انہوں نے اپنے قول و فعل کے ذریعے احکامِ الٰہی کی ترجمانی فرمائی ہے ورنہ حقیقت میں مطاع بالذات صرف ایک اللہ رب العزت ہی ہے،

معلوم ہونا چاہئے خدا اور رسول کی صحیح و سچی اطاعت اور پیروی ہمیں قرآن و حدیث کے ذریعہ ہی نصیب ہو سکتی ہے،

لیکن قرآن وحدیث میں بعض احکام ومسائل تو ایسے ہیں کہ جنھیں ہر معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے نہ تو اس میں کوئی اجمال وابہام ہے یعنی پوشدگی، نہ کسی قسم کا تعارض واختلاف بلکہ جو شخص بھی انھیں پڑھے گا وہ کسی الجھن ودشواری کے بغیر ان کا مطلب خود ہی سمجھ لے گا، ایسے احکام ومسائل میں نہ اجتہاد کی ضرورت ہے اور نہ کسی امام ومجتہد کی تقلید واتباع کی ضرورت ہے،

اور اس کے برعکس قرآن وحدیث کے بہت سے احکام مسائل ایسے ہیں جن میں ابہام واجمال پایا جاتا ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں جو قرآن ہی کی کسی دوسری آیت یا حضور ﷺ ہی کی کسی دوسری حدیث کے معارض اوراس کے خلاف معلوم ہوتے ہیں، ایسی ہی جگہوں میں اجتہاد کی حاجت ہے اور ایسی جگہوں میں کسی امام یا مجتہد کی تقلید اور اتباع کی ضرورت پڑتی ہے، کیوں کہ اس کے بغیر قرآن وسنت پر عمل اور خدا اور رسول کی اطاعت آسان نہیں ہے، اس لئے کہ نہ تو ہر شخص اجتہادی صلاحیت رکھتا ہے کہ قرآن وحدیث سے ازخود احکام ومسائل نکال سکے اور نہ ہی حدیثوں اور آیتوں میں پائے جانے والے تعارض واختلاف کو دور کر سکتا ہے یا ان کے درمیان تطبیق یا ترجیح دینے کی قدرت رکھتا ہے، یا ناسخ ومنسوخ کا علم رکھتا ہے کہ منسوخ کو چھوڑ کر ناسخ پر عمل کر سکے اس لئے ایسے شخص پر ضروری ہے کہ جس کو قرآن وحدیث کا ماہر سمجھے، جس کی فہم وبصیرت پر بھروسہ کرے اور جس کے تقوی طہارت پر اعتماد ہو اس کے واسطے وذریعے سے قرآن وحدیث پر عمل کرے اور خدا اور رسول کی اطاعت کرے اسی کا نام تقلید ہے، اس سے زیادہ تقلید کی اور کوئی حیثیت نہیں،

یہ نہ اللہ کو چھوڑ کر اوروں کو معبود بنانا ہے اور نہ شرک ہے بلکہ قرآن وحدیث پر عمل کرنے اور خدا اور رسول کی اطاعت کرنے کا ایک طریقہ

ہے، جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

العیاذ باللہ کسی امام یا مجتہد کی تقلید کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسے خدا و رسول کے مثل شارع یعنی شریعت بنانے والا اور واجبُ الاطاعت سمجھ کر اس کی اتباع و تقلید کی جاتی ہے (معاذ اللہ اگر ایسا ہوتا تو ضرور یہ شرک تھا) بلکہ تقلید کا مطلب صرف یہ ہے کہ پیروی تو قرآن و سنت کی مقصود ہے لیکن جس جگہ ہم قرآن و سنت کی مراد و مفہوم سمجھنے سے عاجز و قاصر ہیں ایسی جگہ ائمۂ مجتہدین کا سہارا لیتے ہیں اور ان کو قرآن و سنت کا ماہر سمجھ کر ان کو قرآن و حدیث کا شارح یعنی تشریح کرنے والا سمجھ کر، ان کی بیان کی ہوئی تشریح و توضیح پر اعتماد کر کے قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہیں،

اور قرآن و حدیث میں بصراحت اس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جن باتوں کو نہ جانوں اسے جانکار سے پوچھ کر عمل کرو جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل:۴۳) کہ اہل علم سے پوچھو اگر تمہیں معلوم نہ ہو۔

اور حدیث پاک میں ہے فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ (الجامع الصحیح:۴۳۶۲) کہ عاجز کا علاج اور اس کی شفا پوچھنے اور معلوم کرنے میں ہے۔

اور یہ تقلید کوئی نئی چیز نہیں ہے جو بعد میں پیدا ہوئی ہو بلکہ دورِ صحابہ سے چلی آرہی ہے چنانچہ جو صحابہ اپنے آپ کو طلب علم میں زیادہ مصروف نہیں رکھ سکتے تھے یا خود کو اہلِ استنباط و اجتہاد نہیں سمجھتے تھے یا کسی خاص مسئلے میں اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے تھے وہ دوسرے فقہائے صحابہ کی طرف رجوع کرتے ان سے پوچھتے اور ان کے بتائے ہوئے مسائل پر اعتماد کر کے ان پر عمل فرماتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ہدایت فرما رکھی تھی کہ تفسیر، فرائض ومیراث اور فقہ کے معاملات میں ان کے ماہر وممتاز علماء کی طرف رجوع کر کے ان سے معلومات حاصل کیا کریں۔

جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جابیہ کے مقام پر خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو جو شخص قرآن کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہو وہ اُبَی ابن کعب کے پاس جائے (کیونکہ وہ سب سے بڑے قاری تھے) جو میراث کے احکام کے بارے میں پوچھنا چاہے وہ زید بن ثابت کے پاس جائے (کیونکہ وہ میراث کے ماہر تھے) اور جو فقہ کے بارے میں پوچھنا چاہے وہ معاذ بن جبل کے پاس جائے (کیونکہ وہ فقہ کے ماہر تھے) اور جو شخص مال کے بارے میں سوال کرنا چاہے وہ میرے پاس آجائے اس لیے کہ اللہ نے مجھے اس کا والی اور تقسیم کرنے والا بنایا ہے، (رواہ الطبرانی فی الاوسط)۔

مجتہد و مقلد دونوں ہی کتاب و سنت پر عمل کرتے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد کی روشنی میں عمل کرتا ہے اور مقلد ان کی راہنمائی میں کتاب وسنت پر عمل کرتا ہے جیسے آنکھوں والا چاند کو دیکھ کر روزہ رکھتا ہے اور نابینا پوچھ کر، جیسے نماز میں قبلہ رو ہونا بینا اور نابینا دونوں پر فرض ہے، بینا پر دیکھ کر اور نابینا پر پوچھ کر۔

تقلید کی مثال

تقلید کی حیثیت صرف یہ ہے کہ تقلید کرنے والا اپنے امام کی تقلید یہ سمجھ کر کرتا ہے کہ وہ دراصل قرآن و سنت پر عمل کر رہا ہے اور صاحبِ شریعت ہی کی پیروی کر رہا ہے اور گویا یہ تصور کرتا ہے کہ امام اس کے اور صاحب شریعت کے درمیان واسطہ ہے، مثال کے طور پر جس طرح جماعت کی نماز میں جب کہ

جماعت بڑی ہو امام کی آواز دور کے مقتدیوں کو سنائی نہ دیتی ہو تو اس وقت مُکبّر مقرر کیے جاتے ہیں وہ مکبر امام کی اقتداء کرتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہہ کر امام کی نقل و حرکت کی اطلاع پچھلی صف والوں کو دیتا ہے اور پچھلی صف والے یہ تصور کرتے ہیں کہ ہم امام کی اقتداء اور اتباع کر رہے ہیں اور اسی کے پیچھے نماز ادا کر رہے ہیں اگرچہ رکوع و سجدہ مکبر کی آواز پر کر رہے ہیں اور خود مکبر بھی یہی سمجھتا ہے کہ میں خود امام نہیں ہوں بلکہ میرا اور پوری جماعت کا امام صرف ایک ہی ہے سب اسی کی اقتدا کر رہے ہیں میں تو صرف امام کی نقل و حرکت کی اطلاع دے رہا ہوں، بالکل یہی صورت یہاں ہے کہ مقلد کا تصور یہی ہے کہ میں خدا اور رسول ہی کی اطاعت اور اتباع کر رہا ہوں امام کو درمیان میں بمنزلۂ مکبر تصور کرتا ہے اس کو مستقل بالذات مطاع (یعنی لائق اتباع) نہیں سمجھتا، مستقل بالذات مطاع تو صاحبِ شریعت ہی کو خیال کرتا ہے۔

تنبیہ

چاروں اماموں کی طرف نسبت کر کے حنفی شافعی مالکی حنبلی کہنے سے کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ نعوذ باللہ من ذلک شرعِ محمدی کے مقابلے میں ان حضرات کی اپنی کوئی مستقل علیحدہ شریعت ہے جس کی تقلید و پیروی کرنے کی وجہ سے ان کے مقلدیں کو حنفی شافعی مالکی حنبلی کہتے ہیں، ایسا ہرگز نہیں۔

بلکہ ان ائمہ کے جو کچھ فقہی مسائل اور فقہی اقوال ہیں وہ درحقیقت خدا اور رسول ہی کے اقوال ہیں، لیکن چوں کہ وہ قرآن و حدیث میں مخفی اور پوشیدہ تھے ان ائمہ نے ان کو کھولا اور ظاہر کر دیا اس لیے اس نسبت سے ان کی تقلید کرنے والوں پر حنفی شافعی مالکی حنبلی جیسے الفاظ بولے جا رہے ہیں، ورنہ حقیقت میں یہ خدا اور رسول کی تقلید ہے، نہ کہ ائمہ کی، ان ائمہ کی طرف نسبت صرف

مجازی ہے۔

مغالطہ (۲) غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ ائمہ کی تقلید جاہلانہ تقلید ہے اور قرآن پاک میں خدا رسول کے غیر کی تقلید پر مذمت آئی ہے۔

جواب: جاہلانہ تقلید اور ائمۂ مجتہدین کی تقلید میں زمین و آسمان کا فرق ہے، جو لوگ ائمۂ مجتہدین کی تقلید واتباع کو آبا واجداد کی اندھی تقلید سمجھتے ہیں یا جاہلانہ تقلید قرار دیتے ہیں اور اس پر قرآن کریم کی یہ آیت (وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (سورہ بقرہ: ۱۷۰) چسپاں کرتے ہیں وہ خود جاہل ہیں اور آیت کریمہ کے صحیح مدلول ومفہوم سے بالکل بے خبر ہیں،

(آیت کا ترجمہ یہ ہے " اور جب (ان کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کلام کی پیروی کرو جو اللہ نے اتارا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو ان باتوں کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے بھلا کیا اس صورت میں بھی (ان کو یہی چاہیے) جب کہ ان کے باپ دادے (دین کی) ذرا بھی سمجھ نہ رکھتے ہوں اور انہوں نے کوئی (آسمانی) ہدایت بھی حاصل نہ کی ہو؟)

خیال رہے کہ ممنوع، ناجائز اور باطل وہ تقلید ہے جو باطل عقائد اور برے افعال و اعمال میں ہو خواہ باپ دادا کی ہو یا ان کے علاوہ کسی اور کی، جیسا کہ آیت کریمہ کا یہ حصہ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ بصراحت اس پر دلالت کرتا ہے، کہ کیا یہ مشرکین اپنے آباء واجداد کی تب بھی پیروی کریں گے اگرچہ ان کے آباو اجداد دین کے معاملے میں نہ کچھ سمجھتے بوجھتے ہوں اور نہ حق کی طرف راہ پانے والے ہوں۔

اور جو تقلید صحیح عقائد اور اچھے افعال واعمال میں ہو وہ حق ہے اور جائز

ہے اور قابلِ مدح ہے، ایسی تقلید نہ تو آیتِ مذکورہ کا مدلول و مفہوم ہے اور نہ ہی آیت مذکورہ اس تقلید کی مذمت پر دلالت کرتی ہے بلکہ اس کے اثبات پر دلالت کرتی ہے۔

اور سورۂ یوسف کے اندر تو حضرت یوسف علیہ السلام کے کلام میں تقلیدِ حق و تقلیدِ باطل دونوں کی وضاحت بڑی اچھی طرح سے آئی ہے کہ اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ○وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ [یوسف:۳۷-۳۸] کہ میں نے ان لوگوں کی ملت و مذہب کو چھوڑ دیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور جو آخرت کے منکر ہیں اور میں نے اتباع کیا اپنے آباء ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا۔

آیت مذکورہ میں پوری وضاحت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ آباء واجداد کی تقلید باطل میں حرام وناجائز ہے اور حق باتوں میں نہ صرف جائز ہے بلکہ بہتر ہے،

اور ائمۂ مجتہدین کی تقلید حق میں تقلید ہے اور حق کے لئے ہے کیوں کہ ہمارا مقصود اصلی تو قرآن وسنت پر عمل کرنا اور اللہ اوراس کے رسول کے احکام پر عمل پیرا ہونا ہے، لیکن چوں کہ ہم قرآن وحدیث کی بہت سی باتیں نہیں سمجھ سکتے اور براہ راست اللہ کے احکام سے واقف نہیں ہوسکتے اس لیے کسی امام و مجتہد کو قرآن اور سنت کا ماہر سمجھ کر اس کے علم ودیانت، تقویٰ وطہارت پر بھروسہ کرکے اس کے ذریعے قرآن وسنت پر عمل کرتے ہیں اور خدا اور سول کے احکام کی اطاعت وتابعداری کرتے ہیں، اس لیے اس کو جاہلانہ تقلید یا باطل تقلید نہیں کہہ سکتے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

غیر مقلدین انکارِ تقلید پر یہ آیت پیش کرتے ہیں وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقرآن لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرْ (القمر: ۱۶) کہ ہم نے تو قرآن کو سمجھنے کے لیئے آسان کر دیا ہے پس ہے کوئی سمجھنے والا، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم بالکل آسان ہے، لہذا اس کے احکام سمجھنے کے لئے کسی امام و مجتہد کی تقلید کی ضرورت نہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیاتِ قرآنی دو قسم کی ہیں ایک وہ جو احکام پر مشتمل ہیں اور دوسری وہ جن کا مقصد نصیحت اور عبرت ہے، یہ دوسری قسم کی آیات بالکل آسان ہیں اور ہر شخص ان سے نصیحت حاصل کر سکتا ہے لہذا مذکورہ آیت میں اسی دوسری قسم کا بیان ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ یہاں قرآن کریم نے خود لفظ لِلذِّکْرِ کی قید لگا رکھی ہے (کہ نصیحت قبول کرنے کے لئے) اور آگے فَھَلْ مِن مُّدَّکِرْ فرمایا ہے (کہ ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا) فَھَلْ مِنْ مُسْتَنْبِطٍ نہیں فرمایا، کہ ہے کوئی مسائل نکالنے والا۔

یا تو وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقرآن لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرْ سے حفظ یاد کرنے کے لیے آسان کرنا مراد ہے نہ کہ اس سے مسائل نکالنے کے لیے آسان کرنا کیوں کہ اگر مسائل نکالنا آسان مراد ہوتا تو پھر نہ حدیث کی ضرورت تھی اور نہ سکھانے کے لیے نبی کی، حالانکہ قرآن کو سکھانے اور اس کی تفسیر و تبیین کے واسطے حضرت نبی پاک ﷺ کو بھی بھیجا گیا۔

مغالطہ: رہبری ورہنمائی کے لئے قرآن وحدیث کافی ہیں، ان میں کیا نہیں جو فقہ سے حاصل کرنے کی ضرورت پڑے چنانچہ قرآن فرماتا وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (الانعام:۵۹) کوئی خشک یا تر چیز ایسی نہیں ہے جو ایک

کھلی کتاب میں درج نہ ہو۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل:۸۹) اور ہم نے تم پر یہ کتاب اتار دی ہے تاکہ وہ ہر بات کھول کھول کر بیان کر دے۔

جواب: قرآن و حدیث بے شک رہبری اور رہنمائی کے لیے کافی ہیں اور ان میں سب کچھ موجود ہے مگر ان سے مسائل نکالنے کی قابلیت ہونی چاہیے، سمندر میں موتی ہیں مگر ان کو نکالنے کے لیے غَوَّاص و غوطہ خور کی ضرورت ہے، ائمۂ مجتہدین اس سمندر کے غوطہ خور ہیں، طب کی کتابوں میں سب کچھ لکھا ہے مگر ہم کو حکیم کے پاس جانا اوراس سے نسخہ تجویز کرانا ضروری ہے، قرآن و حدیث روحانی دوائیں ہیں اور ائمۂ مجتہدین ہمارے دینی و روحانی طبیب ہیں، پس دینی معاملے میں انھیں سے رہنمائی حاصل کرنا چاہیے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جس طرح اَنْ پڑھ جاہل کو ڈاکٹری کی کتاب سے نسخے لکھ کر علاج کرنا جرم ہے، کسی نااہل کمہار کو ہائی کورٹ کے فیصلوں کے خلاف قانون کی تشریح کرنا جرم ہے اور ایسا شخص توہینِ عدالت کا مستحق ہے۔

اسی طرح نااہل غیر مقلد کا براہ راست کتاب و سنت کو گھسیٹنا کتاب و سنت کی توہین ہے۔

اگر کوئی غیر مقلد یہ کہے کہ ہر شخص کو حق ہے کہ قرآن و حدیث میں اپنی سمجھ کی مطابق عمل کرے تو مرزا قادیانی ملعون کو کیسے غلط کہیں گے؟ وہ کہتا ہے کہ میں نے وفاتِ مسیح قرآن سے سیکھی العیاذ باللہ، اہلِ قرآن یعنی منکرین حدیث کو کیسے غلط کہیں گے؟ جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ ہدایت کے لئے قرآن کافی ہے نہ حدیث حجت ہے اور نہ حدیث کی کوئی ضرورت، اور اہلِ قرآن کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی اطاعت برحق ہے اور وہ زندگی میں تھی۔ جیسے ہر حاکم کی

اطاعت موت کے بعد ختم ہو جاتی ہے اسی طرح آپ ﷺ کی اطاعت بھی وفات کے بعد باقی نہیں رہی۔ العیاذ باللہ۔

مغالطہ (۳) بقولِ غیر مقلدین، مستند حدیث کی کتابیں صرف بخاری اور مسلم ہیں۔

جواب: کسی کا یہ سمجھنا کہ حدیث کی مستند کتابیں صرف بخاری و مسلم ہیں، یا بخاری و مسلم ہی میں صرف صحیح حدیثیں ہیں، یہ صحیح نہیں ہے

اگر حدیث کی مستند کتاب صرف بخاری و مسلم کو قرار دیا جائے تو پھر آں حضور ﷺ کے ارشادات وملفوظات کی تعداد تو گھٹ کر بہت کم ہو جائے گی یعنی صرف چار ہزار کے قریب، کیونکہ بخاری اور مسلم کی احادیث کی مجموعی تعداد مکررات کو حذف کر کے تین ہزار پانچ سو چوہتر / ۳۵۷۴ ہی ہے جیسا کہ امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع بین الصحیحین میں یہی تعداد ذکر فرمائی ہے۔

جبکہ آں حضور ﷺ سید الانبیا و خاتم النبیین ہیں، آپ قیامت تک کے لیے نبی اور ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے،

ترسٹھ / ۶۳ سال آپ دنیا میں باحیات رہے، نبوت ملنے کے بعد مسلسل تیئیس / ۲۳ برس تک آپ دین و شریعت کی تشریح و تلقین کرتے رہے تو پھر یہ ناممکن ہے کہ آپ کے ارشادات وملفوظات کی مجموعی تعداد تقریباً صرف چار ہزار ہی ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ بخاری مسلم کے علاوہ اور بھی بہت ساری حدیث کی کتابیں ہیں جو جمہور علماء کے نزدیک صحیح و مستند ہیں اور جن میں صحیح و لائق استدلال اور قابلِ عمل احادیث موجود ہیں، بخاری کو اَصَحُّ الکُتُب کہنے اور مُسلِم یا کسی اور کتاب کے ساتھ صحیح کا لفظ لگنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس کے علاوہ

جو حدیث کی کتابیں ہیں وہ سب غیر صحیح ہیں اور اس میں سب ضعیف حدیثیں درج ہیں،

محدثین نے حدیث لینے کے سلسلے میں حد درجہ احتیاط سے کام لیا ہے، تاکہ کوئی غلط بات حضور ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو، چنانچہ ہر محدث نے حدیث لینے کے لئے اپنے اپنے طور پر کچھ شرطیں مقرر کیں، ان تمام محدثین میں امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالی کی شرطیں چوں کہ سب سے زیادہ سخت تھیں اس لیے ان کی کتابوں کو زیادہ اہمیت دی گئی، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کی باقی اور حدیث کی کتابیں غیر مستند و غیر معتبر ہیں،

کیونکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی حدیث باوجودیکہ صحیح ہو لیکن بخاری و مسلم کی شرطوں کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے ان کتابوں میں جگہ نہ پا سکی ہو۔

نیز امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے تمام صحیح حدیثوں کو اپنی کتابوں میں جمع کرنے کا التزام نہیں فرمایا ہے کہ سب صحیح حدیثیں ان میں موجود ہوں، اور نہ ہی جمع کا کرنے کا دعوی کیا ہے۔

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں مَاأَدْخَلْتُ فِي كِتَابِي الجامِعِ اِلَّا مَا صَحَّ. وَتَرَكْتُ مِنَ الصِّحَاحِ لِحَالِ الطُّوْلِ (مقدمہ ابن الصلاح ص۱۹) کہ میں نے صرف صحیح حدیثیں اپنی کتاب جامع میں داخل کی ہیں، اور بہت سی صحیح حدیثوں کو اس لیے چھوڑ دیا کہ کتاب لمبی نہ ہو جائے۔

نیز آپ فرماتے ہیں مَا تَرَكْتُ مِنَ الصِّحَاحِ اَكْثَرُ (تدریب الراوی ج/۱ص ۱۰۵) کہ جو صحیح حدیثیں میں نے نہیں لکھیں ان کی تعداد زیادہ ہے۔

اور فرمایا اَحْفَظُ مِائَةَ اَلْفِ حَدِيْثٍ صَحِيْحٍ و مِائَتَىْ الفِ حَدِيثٍ غَيْرِ صَحِيحٍ (مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۰) کہ مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد ہیں اور دو

لاکھ غیر صحیح۔ تو باقی صحیح حدیثیں کہاں گئیں؟

اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے لَيْسَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدِي صَحِيحٌ وَضَعْتُه هَاهُنَا (مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۰) کہ ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح ہو اسے میں اپنی کتاب میں لکھ دوں ضروری نہیں.

خلاصۂ کلام: صرف بخاری اور مسلم کی حدیثوں کو حدیث سمجھنا، تمام صحیح حدیثوں کو بخاری مسلم میں جمع سمجھنا یا جو مسئلہ بخاری و مسلم کی حدیث سے ثابت ہو صرف اسی کو تسلیم کرنا، یا ہر شخص سے اس کے دعویٰ پر بخاری و مسلم کی حدیث کا مطالبہ کرنا یہ سب کم علمی اور جہالت کی باتیں ہیں۔

امام ابو زُرعہؒ کی پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی

حُفّاظِ حدیث نے کہا ہے کہ امام مسلم نے جب اپنی کتاب صحیح مسلم مکمل کرلی تو اسے امام ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش فرمایا، امام ابو زرعہ نے ان پر سخت نکیر کی اور وہ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم نے اس کا نام صحیح رکھا ہے، تم نے اہلِ باطل وغیرہ کے لئے ایک سیڑھی مہیا کردی ہے، جب ان کا کوئی مخالف ان کے سامنے کوئی حدیث پیش کرے گا وہ کہیں گے یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے نہیں، (لہذا یہ حدیث قابل اعتبار نہیں) اللہ تعالیٰ امام ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی رحمتوں سے نوازے انہوں نے جو کچھ فرمایا تھا فی الواقع ویسا ہی پیش آیا۔ (فتح القرآن / ۳۲)

مغالطہ (۴) غیر مقلدین خود مُدَّعی ہونے کے باوجود دوسروں سے صحیح، صریح، غیر مرجوح حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں، یہ ان کا بہت بڑا دھوکہ ہے، جس کا سمجھنا ضروری ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ حدیثِ متواتر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينُ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ (بلوغ المرام / ۴۲۱) (کہ دلیل

مدعی کے ذمہ ہے اور قسم منکر یعنی مدعیٰ علیہ کے ذمہ) اس حدیث کے رو سے شریعت کا متفقہ اصول ہے کہ دعوی میں دلیل پیش کرنے کی ذمہ داری مدعِی یعنی دعویٰ کرنے والے پر ہے نہ کہ مدعیٰ علیہ یعنی انکار کرنے والے پر، لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ غیر مقلدین حضرات باوجود خود مدعی ہونے کے اپنے مخالفین سے دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں وہ بھی مخصوص قسم کی دلیل کا، مثلاً حدیثِ صریح، صحیح، مرفوع و غیر مرجوح کا، چنانچہ خود رفعِ یدین، آمین بالجہر اور قراءت خلف الامام وغیرہ کے قائل ہیں، لیکن خود ان مذکورہ دعووں پر مخصوص دلیل پیش کرنے کے بجائے، رفع یدین، آمین بالجہر، قراءت خلف الامام نہ کرنے والوں سے مخصوص دلیل یعنی صحیح، صریح، مرفوع، غیر مرجوح حدیث پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں، تاکہ خود دلیل دینے کی زحمت سے بچ جائیں، یہ بھی ایک طرح کی ان کی چال بازی اور بڑا دھوکا ہے۔

اگر یہی طریقہ رائج ہو جائے جو غیر مقلدین اختیار کرتے ہیں تو دنیا میں نہ کوئی حق دعویٰ اور حق بات ثابت ہو سکتی ہے اور نہ کسی باطل اور غلط بات کو باطل اور غلط قرار دیا جا سکتا۔

اس طریقے سے تو شیعوں کی اذان اور بدعتیوں کی تمام بدعات و خرافات کو بھی صحیح ماننا پڑے گا، کیوں کہ اگر کوئی شیعہ یہ مطالبہ کرنے لگے کہ ہمارے کلمہ، نماز اور ہماری اذان اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيّاً وَلِيُّ اللّٰهِ کے خلاف کوئی صحیح صریح مرفوع و غیر مرجوح روایت پیش کرو جن میں صراحت کے ساتھ ان سے روکا گیا ہو تو ہم مان لیں گے، تو کیا کوئی سُنّی ان کے کلمہ، نماز اور اذان کے خلاف اس قسم کی کوئی روایت پیش کرنے پر قادر ہو سکے گا۔

اسی طرح اگر کوئی بدعتی مطالبہ کرے کہ قبر پر اذان دینے، کھانا سامنے رکھ

کر اس پر فاتحہ کرنے، میلادُ النبی میں قیام کرنے، اذان سے پہلے التزاماً درود شریف پڑھنے کی ممانعت پر کوئی صحیح صریح مرفوع اور غیر مرجوح حدیث پیش کرو جس میں صراحت کے ساتھ ان کی ممانعت کی گئی ہو تو کیا کوئی اہلِ حدیث غیر مقلد یا دیوبندی ایسی روایت پیش کر سکتا ہے؟ العیاذ باللہ پھر اس کا مطلب یہ ہو گا کہ شیعوں کا کلمہ، نماز اور ان کی اذان صحیح ہو اسی طرح بدعتیوں کی تمام بدعات وخرافات بھی صحیح ہوں۔

جس طرح شرعی واصولی طور پر خود ان شیعوں وبدعتیوں پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ خود اپنے ان مذکورہ اعمال اوردعووں پر دلیل پیش کریں اور نہیں پیش کر سکتے، نہ کہ دوسروں سے دلیل کا مطالبہ کریں، اگر یہ خود پیش کرنے کے بجائے دوسروں سے دلیل کا مطالبہ کریں یہ غلطی پر ہیں اور ان کا یہ مطالبہ غلط ہے۔

اسی طرح اگر غیر مقلدین اپنے دعووں پر خود دلیل پیش کرنے کے بجائے اپنے مخالفین سے مخصوص قسم کی دلیل کا مطالبہ کریں تو یہ بھی غلط ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ مدعیٰ علیہ کو مدعی کی پیش کردہ دلیل اوراس کے گواہان پر جرح وتنقید کا تو حق حاصل ہوتا ہے لیکن کسی مخصوص قسم کی دلیل یا مخصوص قسم کے گواہان کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہوتا، مثلاً یہ کہ ہم اس معاملے میں صرف فلاں فلاں شخص ہی کی گواہی قبول کریں گے، اگر ایسا ہونے لگے تو عدالت سے کسی معاملہ کا فیصلہ ہی نہ ہو سکے گا۔

دلیل خاص کا مطالبہ شیوہ کُفّار ہے

مدعی سے تو دلیل کا مطالبہ ہو سکتا ہے لیکن خاص دلیل کا مطالبہ نہیں ہو سکتا۔

دلیلِ خاص کا مطالبہ دراصل کفار ومشرکین کا شیوہ تھا، چنانچہ انبیائے کرام

علیہم الصلوٰۃ والسلام دنیا میں تشریف لاتے تھے، ان کا دعوی تھا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں ان کی ذمے یہ بھی تھا کہ اپنے دعوے کو دلیل سے ثابت کریں چنانچہ اللہ تعالی ان کے ہاتھوں پر معجزات کا اظہار فرماتا تھا جو ان کی نبوت کی دلیل ہوا کرتا تھا، اب منکرین کے ذمہ تھا یا تو ان معجزات کو ختم کر دیں یا اس جیسا کام خود کر کے دکھائیں، یا تو پھر مان لیں، لیکن ماننا تو تھا نہیں اس لیے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے مخصوص قسم کے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے مثلاً فلاں چٹان سے فلاں قسم کی اونٹنی نکال دیجئے، کوہِ صفا کو سونے کا بنا دیجئے، تب ہم ایمان لائیں گے اس قسم کے معجزات کے مطالبہ کا مقصد ایمان لانا نہیں تھا بلکہ حیران و پریشان کرنا اور انکار و عناد تھا،

اسی طرح غیر مقلدین کا مخصوص قسم کی دلیل کا مطالبہ کرنا ماننے کے جذبے سے نہیں بلکہ رد و انکار اور حیران و پریشان کرنے کے جذبے سے ہوتا ہے، ورنہ اگر ماننا و قبول کرنا مقصود ہوتا تو صحیح، صریح، مرفوع و غیر مرجوح حدیث کا مطالبہ ہرگز نہ کرتے بلکہ چاروں ادلۂ شرعیہ کتابُ اللہ، سنتِ رسول اللہ، اجماعِ امت اور قیاس میں سے جو بھی دلیل پیش کر دیجاتی فوراً اسے قبول کر لیتے اور مان لیتے۔

تنبیہ:

دلیل صرف حدیثِ صریح، صحیح، مرفوع، اور غیر مرجوح میں منحصر نہیں ہے۔

بتائیے اگر خود ان غیر مقلدین سے کوئی شخص یہ مطالبہ کر لے کہ آپ اپنی ہی شرط کے مطابق ایک ہی حدیثِ صریح، صحیح، مرفوع، اور غیر مرجوح سے یہ ثابت کر دیں کہ دلیل شرعی صرف صریح، صحیح، مرفوع اور غیر مرجوح میں ہی منحصر ہے تو کیا یہ پیش کر پائیں گے؟، نہیں ہرگز نہیں، قیامت کی صبح تک نہیں پیش کر سکتے تو پھر کیوں دوسروں سے ایسی دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں۔

مغالطہ(۵) غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ پہلے تقلید نہیں تھی تو اب کیوں؟چاروں اماموں سے پہلے لوگ کس کی تقلید کرتے تھے؟

جواب: یہ کہنا کہ تقلید پہلے نہیں تھی اب کیوں؟ یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ تقلید مطلق اور تقلید شخصی دونوں ہی دورِ صحابہ سے چلی آ رہی ہے، چنانچہ جو حضرات صحابہ تحصیل علم میں زیادہ وقت صرف نہیں کر سکتے تھے یا کسی خاص مسئلے میں اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے تھے وہ دوسرے فقہائے صحابہ سے پوچھ پوچھ کر عمل کیا کرتے تھے،

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جو کہ فقہائے صحابہ میں سے ہیں جن کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **وأَعْلَمُهُم بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بنُ جَبَلٍ** (ترمذی:۳۷۹۰) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یمن کی طرف حاکم، قاضی، معلم اور مجتہد بنا کر بھیجا اور اہل یمن کو پابند کیا کہ وہ ان کی اتباع و پیروی کریں، چنانچے اہل یمن اپنے تمام دینی معاملات میں حضرت معاذ بن جبل کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔

اہلِ مدینہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تقلید اور پیروی کیا کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ بعضِ اہلِ مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مسئلہ دریافت کیا کہ وہ عورت جو طواف فرض کے بعد حائضہ ہو گئی ہو وہ طواف وداع کے لیے پاک ہونے تک انتظار کرے یا طواف وداع اس سے ساقط ہو جائے گا؟ اور بغیر طواف کے واپس آنا جائز ہو گا؟ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ طواف وداع کے بغیر جا سکتی ہے، اس پر اہلِ مدینہ نے کہا "لا نَأْخُذُ بقَوْلِكَ ونَدَعُ قَوْلَ زَيْدٍ" (بخاري شريف /۱۷۵۸) ہم آپ کے قول پر زید بن ثابت کے قول کو چھوڑ کر عمل نہیں کریں گے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول یہ تھا کہ وہ طوافِ وداع کے بغیر نہیں جا

سکتی۔

اہلِ کوفہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تقلید و پیروی کیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ لوگوں کو اس بات کا مشورہ دیا کرتے تھے لا تَسْأَلُونِي مَا دَامَ هٰذا الحَبْرُ فِيكُمْ (صحيح البخاري /٦٧٣٦) کہ جب تک یہ عالم یعنی حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تمہارے درمیان موجود ہیں تمام مسائل انھیں سے پوچھا کرو مجھ سے نہ پوچھو۔ یہی تو تقلیدِ شخصی ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تو شرعی احکام معلوم کرنے کے ۳ تین طریقے تھے:

جو لوگ ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے وہ ہر مسئلہ دریافت کر لیتے

جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوتے وہ اگر مجتہد ہوتے تو اجتہاد کرتے جیسے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن میں۔

جو مجتہد نہ ہوتے تو وہ اپنے علاقے و شہر کے مجتہد کی تقلید کرتے جیسے اہلِ یَمَن۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دو طریق باقی رہے: مجتہدین اجتہاد کرتے اور غیر مجتہدین تقلید کرتے۔ خیرُ القرون کے بعد اجتہاد کی ضرورت باقی نہ رہی اس لئے وہ ختم ہو گیا، اس کے بعد صرف تقلید ہی باقی رہ گئی، یہ تقلید شروع دن سے چلی آرہی ہے۔ خیرُ القرون میں کچھ مجتہدین ہوتے تھے، اب صرف مقلدین باقی رہ گئے ہیں۔

چاروں اماموں سے پہلے اپنے علاقے یا قوم کے مجتہد کی تقلید ہوتی تھی، چنانچہ ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ سے پہلے مکہ مکرمہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، ان کے بعد حضرت عطاء رحمہ اللہ کی تقلید ہوتی رہی، مدینہ میں اپنی اپنی

خلافت میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی، زید بن ثابت کی، ان کے بعد فقہائے سبعہ کی تقلید ہوتی رہی، کوفہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، انکے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید ہوتی رہی، بصرہ میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید ہوتی رہی، ان لوگوں کے چونکہ مذاہب مُدَوَّن نہ ہو سکے اس لئے ان کے جو مسائل عملاً متواتر تھے ان کو ائمۂ اربعہ نے اپنی فقہ میں لے لیا، جو ان سے شاذ اقوال مروی تھے ان کو ترک کر دیا، یہ ایسے ہی ہے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بہت سے قاری تھے مگر انہوں نے اپنی قرأت کو مکمل طور پر مدون نہ فرمایا، پھر سات قاریوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی متواتر قرأت کو مدون کیا، شاذ و متروک قرأت کو ترک کر دیا، اب ان سات متواتر قرأتوں میں تلاوت کرنے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی متواتر قرأت پر عمل ہو رہا ہے، البتہ ان سات قرأتوں کے علاوہ کوئی قرأت صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب ہو تو اس کی تلاوت جائز نہیں کیونکہ متواتر کے خلاف شاذ واجب الترک ہے۔

اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کے متواتر فقہی مسائل پر ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ کی تقلید میں عمل ہو رہا ہے، ان متواترات کے خلاف کوئی شاذ قول کسی صحابی رضی اللہ عنہ، مجتہد یا تابعی کی طرف منقول ہو تو اس پر عمل جائز نہیں کیونکہ متواتر کے خلاف شاذ واجب الترک ہے۔

سوال وجواب

سوال: چاروں خلیفہ یعنی خلفائے راشدین افضل ہیں یا چاروں امام افضل ہیں خلفاء سے؟ آج چاروں خلفاء کی تقلید نہ کی جائے اور چاروں اماموں کی تقلید فرض مانی جائے، الٹی گنگا کیوں بہائی گئی؟

جواب: جس طرح ساتوں قاریوں کی قرأت پر قرآن پڑھنے سے خلفائے

راشدین رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم والا ہی قرآن پڑھا جاتا ہے، یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی قرأت چھوڑ کر قُرَّاءِ سبعہ کی قرأت پڑھنا غلط ہے نہ صرف جہالت بلکہ اس میں کفر کا خدشہ ہے ۔ اسی طرح کُتُبِ احادیث پر عمل کرنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی احادیث پر عمل ہو رہا ہے، بعینہ ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ کی فقہ پر عمل کرنا اور ان کی تقلید کرنا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی تقلید ہے ۔ یہ ایسی ہی باتیں ہیں جیسے کوئی کہے کہ آپ صحیح محمدی چھوڑ کر صحیح بخاری کیوں پڑھتے ہیں، صحیح ابو بکر چھوڑ کر ترمذی کیوں پڑھتے ہیں، جامع فاروق اعظم چھوڑ کر جامع مسلم کیوں پڑھتے ہیں، مسند علی چھوڑ کر مسند احمد کیوں پڑھتے ہیں۔ یہ سب باتیں جہالت سے ناشر و پیدا ہیں۔

مغالطہ (٦) غیر مقلدین اعتراضاً کہتے ہے کہ چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم مجتہد تھے یا نہیں؟ اگر تھے تو ان کی تقلید کیوں چھوڑی جاتی ہے؟

جواب: چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم مجتہد تھے، ان کے مذاہب مدون نہیں ہوئے، ان کے جو اجتہادات متواتر تھے ان کو ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ نے اپنی فقہ میں سمو لیا اور جمع کر لیا، اس لئے ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ کی تقلید خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی ہی تقلید ہے جیسے نہر کا پانی، دریا کا پانی ہے۔

سوال: یہ چاروں ائمہ افضل تھے یا چاروں خلفاء؟ جب ان چار ائمہ کی تقلید فرض ہو تو ان چار خلفاء کی تقلید ڈبل فرض کیوں نہ ہو؟

جواب: ا/ ائمہ پر وحی نازل نہیں ہوتی لیکن مرادِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھنے اور سمجھانے میں ماہر ہوتے ہیں، ان کے اساتذہ کے متواتر مسائل ان کی فقہ میں آگئے جیسے صِحَاحِ ستہ والوں کے اساتذہ کی حدیثیں صحاح ستہ میں آگئیں۔ ساتوں قاریوں کے اساتذہ کی قرأتیں سات قرأتوں میں آگئیں۔ اسی طرح قاری عاصم

رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت پڑھنے سے ان کے اساتذہ کی قرأت پڑھی گئی اور ہر امام کی تقلید کرنے میں ان کے اساتذہ کے مسائل پر بھی عمل ہو رہا ہے۔

جواب / ۲ چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ائمہ رحمہم اللہ کے پیشوا اور ان سے افضل ہیں، ان کی حیات میں ان کے اجتہادی مسائل کی تقلید ہوتی رہی لیکن چونکہ ان کے مذاہب مدون نہ ہوئے اس لئے ائمۂ کرام رحمہم اللہ نے ان کے متواتر مسائل کو مدون کرلیا۔ اب ان ائمہ کرام رحمہم اللہ کے ذریعے ان کے مسائل پر بھی عمل ہو رہا ہے جیسے ساتوں قرأتوں میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی قرأتیں بھی پڑھی جارہی ہیں۔

مغالطہ (۷) غیر مقلدین بطور اعتراض کہتے ہیں کہ چاروں امام کس کی تقلید کرتے تھے؟

جواب: چاروں امام خود مجتہد تھے، انھیں قرآن وحدیث کی مہارت حاصل تھی، وہ ازخود قرآن وحدیث سمجھنے اور اس سے احکام ومسائل نکالنے پر قدرت رکھتے تھے، اس لئے انھیں قرآن وحدیث کے احکام پر عمل کرنے کے لئے کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی، مجتہد کے لئے حکم ہے کہ وہ خود اپنے اجتہاد پر عمل کرے، ہاں البتہ جو اجتہادی شان کے مالک نہ ہوں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی امام ومجتہد کی تقلید کے ذریعہ قرآن وسنت پر عمل کریں۔

مغالطہ (۸) چار ہی امام کی تقلید کیوں ضروری ہے؟ کیا ان کے علاوہ کوئی اور مجتہد امام پیدا نہیں ہوا کہ جس کی تقلید جائز ہو؟

جواب (۱) اگر کوئی غیر مقلدین سے سوال کرلے کہ چار ہی بڑے فرشتے کیوں؟

چار ہی بڑی آسمانی کتابیں کیوں؟

آں حضور ﷺ کے چار ہی جگری دوست کیوں؟ خلافت راشدہ خلفائے اربعہ ہی میں کیوں منحصر ہوئی؟ تو کیا غیر مقلدین اس کا جواب دے پائیں گے؟ جو ان سوالوں کا جواب ہو گا وہی اس کا بھی جواب ہو گا۔

اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ یہ محض فضلِ ربانی اور قبولِ یزدانی ہے اس میں کسی توجیہ اور دلیل کی گنجائش نہیں مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ۔ اللہ نے جو چاہا وہ ہوا جو نہیں چاہا وہ نہیں ہوا۔

اچھا تو اگر پانچ مذاہب ہوتے تب بھی تو یہی سوال ہوتا کہ پانچ کیوں ہوئے؟

یہ بالکل بے جا اعتراض ہے لوگوں کو صرف بہکانے کے لیے، صحاحِ ستہ بخاری مسلم ترمذی ابو داؤد نسائی ابن ماجہ وغیرہ احادیث کی معتبر کتابیں ہیں کیا قرآن کی کسی آیت یا کسی حدیث میں ان کے معتبر ہونے کی وضاحت آئی ہے؟ ان کتابوں کے معتبر ہونے کی سند اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ امت کے علماء اور صُلحاء کی جانب سے اسے تَلَقِّی بِالْقُبول یعنی قبولیتِ عامّہ حاصل ہے اور تلقی بالقبول کسی چیز کے صحیح اور معتبر ہونے کی بہت مضبوط اور قوی دلیل وسند ہے، جیسا کہ حُجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اتفاقِ سلف وتوارثِ ایشاں اصلِ عظیم است در فقہ" کہ سلف کا اتفاق اور ان کا توارث فقہ میں اصلِ عظیم ہے۔ (یعنی فقہ پر سلف کا اتفاق اور اس کا ان سے نقل ہوتے چلے آنا یہ فقہ کے حق ہونے کی بڑی دلیل ہے) (ازالۃ الخفاء ص ۸۵)۔

جواب (۲) خیرُ القرون میں ائمۂ اربعہ یعنی امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے علاوہ اور بھی مجتہد علماء پیدا ہوئے جن کی لوگ ان کی زندگی میں ان کے اجتہادی وفقہی مسائل کی تقلید و پیروی کرتے رہے لیکن چونکہ ان کے فقہی مذاہب مدون وکتابی شکل میں محفوظ نہ رہ

سکے اور نہ عمل متواتر ہوا کہ آج تک لوگ ان پر عمل کرتے چلے آئے ہوں، اس لئے ان کی وفات کے بعد ان کے فقہی مذاہب مٹ گئے،ان کے اجتہادی مسائل ناپید ہوگئے اور انکی تقلید ختم ہوگئی جیسے مسجد کے امام کی وفات کے بعد اقتداء ختم ہو جاتی ہے۔

اس کے برخلاف چاروں اماموں کے کہ انکے اجتہادات اوران کے فقہی مسائل و مذاہب تفصیل کے ساتھ، کتابُ الطہارت سے لیکر کتابُ الفرائض والمیراث تک ، پیدائش سے لے کر موت تک مدون شکل میں محفوظ و مجتمع ہیں، شاگردوں کے ذریعے کتابی شکل میں تحریر کیے گئے، بکثرت ہر زمانے میں ان کے علماء پائے جاتے رہے جنھوں نے اپنی اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق مختلف اعتبارات سے ان مذاہب کی خدمت کر کے بامِ عروج تک پہنچانے کی کوشش کرتے رہے ، اللہ تعالی نے قبولیتِ عامہ عطاء فرمائی کہ مشرق و مغرب میں ان کا چرچا ہوا اور کروڑہا لوگوں نے عملی طور پر ان کو قبول کیا، اور آج تک لوگ تواتر کے ساتھ ان پر عمل کرتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔

اگر ائمۂ اربعہ کی طرح دیگر مجتہد علماء کے مذاہب مدون و محفوظ ہوتے تو بلاشبہ ان میں سے کسی کو بھی تقلید کے لیے اختیار کیا جاسکتا تھا لیکن نہ تو ائمۂ اربعہ کے مذاہب کے علاوہ کسی مذہب کی مفصل کتابیں مدون و مرتب ہیں اور نہ تو ان مذاہب کے علماء پائے جاتے ہیں، اس لئے ان کی تقلید کی کوئی سبیل وصورت نہیں ہے۔

اب اس کو حُسنِ اتفاق کہیے یا چار کے عدد میں اللہ رب العزت کی کوئی مصلحت، یا اللہ کے نزدیک ان چاروں کی قبولیت کہ چاروں اماموں کے مذاہب ومسائل باقی رہیں اور باقی کے ختم ہو جائیں' یا مجبوری کہ امت جائے تو کہاں

جائے کیونکہ کہ ان چاروں اماموں کے علاوہ کسی کی فقہ مدون مرتب نہیں کہ جس پر عمل کرنا ممکن ہو۔ اللہ اعلم بالصواب،

اور مُلّا جیُونؒ رحمۃ اللہ علیہ تفسیرات احمدیہ میں فرماتے ہیں انصاف کی بات یہ ہے کہ مذاہب کا چار میں منحصر ہو جانا اور انھیں چار مذاہب کی اتباع کرنا فضلِ الٰہی ہے اور منجانب اللہ قبولیت ہے۔ (تفسیرات احمدیہ: ۳۴۶)

مغالطہ (۹) غیر مقلدین کہتے ہیں کہ جب چاروں امام برحق ہیں تو ان میں سے کسی ایک ہی امام کی تقلید کیوں ضروری؟ بیک وقت چار اماموں کی تقلید کیوں جائز نہیں؟

جواب: تاکہ لوگ شریعت کے احکام کو کھلواڑ اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ نہ بنالیں، یعنی اتباع شریعت چھوڑ کر اتباع نفس وشہوت میں مبتلاء نہ ہو جائیں، کیونکہ چاروں اماموں میں سے ہر امام کے فقہی مسائل میں کچھ آسانیاں بھی ہیں اور کچھ سختیاں بھی، اب اگر ہر شخص کو اس بات کی کھلی چھوٹ دے دی جائے کہ جو شخص جب چاہے جس امام کا قول چاہے اختیار کرلے تو اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا تھا کہ لوگ بوقتِ ضرورت آسانیاں ڈھونڈنا شروع کر دیتے اوراپنی خواہشات نفسانی کی تکمیل کے واسطے ہر مجتہد امام کے آسان مسائل کو لے لیتے اور سخت مسائل کو چھوڑ دیتے اور بتقاضائے نفس کبھی کسی امام کی پیروی کرتے اور کبھی کسی کی، تو یہ نفس اور خواہش کی پیروی ہوتی نہ کہ شریعت کی، امت کو نفس پرستی کی لعنت سے بچانے کے لیے فقہاء وعلماء نے تقلید شخصی یعنی ائمۂ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل رحمہم اللہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کو ضروری قرار دیا ہے، ورنہ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

چنانچہ جب تک خیرُ القرون کے زمانے میں لوگوں پر خوفِ خدا اور فکرِ

آخرت کا غلبہ تھا تو اس دور میں لوگ تقلید مطلق پر بے روک ٹوک عمل کرتے تھے اور اس میں کوئی شناعت و قباحت نہیں سمجھی جاتی تھی، کیوں کہ اس زمانے کے لوگوں کے بارے میں اس بات کا قطعی اندیشہ نہیں تھا کہ لوگ اپنی خواہشات کے تابع ہو کر کبھی کسی مجتہد کا کبھی کسی مجتہد کا قول اختیار کریں گے لیکن جب زمانہ گزرنے کے ساتھ لوگوں کے حالات بھی بدل گئے اور بعد کے فقہاء نے جب یہ دیکھا کہ دیانت و تقویٰ کا معیار روز بروز گھٹتا جا رہا ہے اور لوگوں پر خوفِ خدا، فکرِ آخرت کے بجائے نفسانیت غالب آتی جا رہی ہے تو اس وقت انہوں نے انتظامی مصلحت کے پیش نظر یہ فتوی دیا کہ اب لوگوں پر تقلیدِ مطلق کے بجائے تقلیدِ شخصی یعنی چاروں اماموں میں سے صرف کسی ایک امام کی تقلید ضروری ہے۔ تلفیق یعنی آدھا تیتر آدھا بٹیر جائز نہیں کہ بعض مسائل میں کسی کی تقلید کرے اور بعض میں کسی اور کی۔

جیسے کہ امت کی آسانی کے لئے قرآن کریم کا نزول سات حروف پر ہوا تھا اور لوگ اس دی ہوئی آسانی کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک ساتوں حروف میں سے جس حرف پر چاہتے تھے تلاوت کر بھی رہے تھے لیکن جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کو بعض علاقوں سے قراءتِ قرآن کے تعلق سے لوگوں کے درمیان اختلافات ونزاعات کی خبر پہنچی تو آپ نے محسوس کیا کہ اگر اس اجازت کو برقرار رکھا گیا تو زمانے کے تغیر سے فتنے اور جھگڑے کا اندیشہ ہے اس لیے آپ نے انتظامی امور اور امت کی دینی مصلحت کے تحت چھ حروف کو ختم فرما کر صرف حرفِ قریش پر قرآن کی تلاوت کو لازم کر دیا، پس اسی طرح تقلیدِ شخصی یعنی چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کے مسئلہ کو سمجھیے، کہ جب تک لوگوں میں دیانت، تقوی، خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کا

غلبہ تھا تقلید مطلق کی اجازت رہی لیکن جب لوگوں پر خواہشاتِ نفسانی غالب آگئی تو کسی ایک امام کی تقلید کو لازم کر دیا گیا۔

مغالطہ (۱۰) غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ جب چاروں امام برحق ہیں تو ان کے درمیان آپس میں اختلاف کیوں؟

جواب (۱) جیسے کہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام برحق تھے باوجودیکہ ان کی شریعتوں میں اختلاف تھا، اسی طرح چاروں ائمہ فقہی مسائل میں اختلاف رکھنے کے باوجود برحق ہیں،

کیوں کہ ہر اختلاف برا اور ناحق ہونے کی دلیل نہیں ہوا کرتا، بلکہ وہ اختلاف برا اور ناحق ہونے کی دلیل ہوا کرتا ہے جو دین کی اصولی اور بنیادی باتوں میں ہو، پس جس طرح تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام دین کی اصولی وبنیادی باتوں میں متحد ہونے کی وجہ سے برحق تھے اگرچہ ان کی شریعتیں مختلف تھیں، اسی طرح چاروں ائمہ بھی برحق ہیں کیونکہ ان کا جو کچھ آپس میں اختلاف ہے وہ فروعی اور جزئی مسائل میں ہے، نہ کہ شریعت کی اصولی وبنیادی باتوں میں، اصول وبنیاد میں تو سب متحد و متفق ہیں۔

جواب (۲) ائمہ کے فقہی اختلافات درحقیقت مبنی ہیں بظاہر نصوص میں پائے جانے والے اختلافات پر، چنانچہ اگر حدیث کے اندر تعارض و اختلافات نہ پائے جاتے تو علماء کے فقہی مسائل میں بھی اختلافات نہ ہوتے۔

جواب (۳) قرآن و حدیث کے اولین مخاطب حضرات صحابہ تھے وہ براہِ راست حضور ﷺ سے فیض یافتہ تھے اس لئے وہی حضرات قرآن وحدیث کی مراد کو صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں لہذا ان حضرات نے جو سمجھا ہے ہمارے لئے معیار اور مشعل راہ ہے، اور قرآن وحدیث ایک ہوتے ہوئے بھی حضرات صحابہ

کے مابین بے شمار مسائل میں اختلاف تھا، چاروں اماموں نے چوں کہ انہی حضرات اور ان سے فیض یافتہ حضرات یعنی تابعین کی فہم و بصیرت پر اعتماد کیا اور انھیں کے اقوال و مذاہب کو اختیار کیا اس لئے ائمۃ اربعہ میں بھی مسائل میں اختلاف واقع ہوا، اور ان کا یہ اختلاف مبنی بر اخلاص ہے، اس لئے مذموم و برا نہیں بلکہ پسندیدہ اور باعثِ رحمت ہے جیسا کہ اس کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد ہے اختلافُ أُمَّتِي رَحْمَةٌ لِلنّاس (المقاصد الحسنہ ۴۷) کہ میری امت کا (فروعات میں) اختلاف لوگوں کے لئے باعثِ رحمت ہے۔

نیز اس اختلاف میں بھی کوئی مصلحت تھی ورنہ اللہ رب العالمین بزبانِ رسالت اس اختلاف کی تعریف نہ کرواتے بلکہ اس فقہی و فروعی اختلافات کو بھی اسی طرح حرام قرار دے دیتے جس طرح کہ اصلِ دین میں اختلاف کو حرام و ممنوع قرار دیا ہے۔

ائمہ کے مسائل میں اختلاف کی مثال

مسائلِ اجتہادیہ میں ائمۂ مجتہدین کا اختلاف ایسا ہے جیسا کہ احادیث کی صحت اور عِلّت میں ائمۂ حدیث کا اختلاف ہے پس جس طرح قواعدِ محدثین کی پابندی اور اتباع واجب ہے اور کسی شخص کو یہ اختیار نہیں کہ اپنی رائے سے جس حدیث کو چاہے صحیح بتائے اور جس کو چاہے موضوع اسی طرح اصولِ فقہ کی پابندی اور اتباع بھی ضروری ہے اور ہر کس و ناکس کو ہرگز اس کی اجازت نہیں کہ قرآن و حدیث کا ترجمہ دیکھ کر جو چاہے معنی سمجھے اس پر عمل کرے اور دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی تبلیغ کرے۔

جس طرح ائمۂ حدیث کی مساعئ جمیلہ پر اطمینان کر کے احادیثِ رِجال اور ان کی صحت اور ضعف کو بحث میں نہیں لایا جاتا اور ان کی علمی تحقیقات پر اعتماد

کر کے بلا دلیل معلوم کیے ہوئے ان کے قول کو تسلیم کر لیا جاتا ہے اسی طرح مجتہدین کے تَفَقُّہ اور استنباط اور خداداد نورِ فہم اور نورِ فراست و بصیرت پر اعتماد کر کے ان کے فتاویٰ پر بلا دلیل معلوم کئے اور بلا جانچ و پڑتال کے عمل کر لینا بلاشبہ صحیح اور درست ہو گا۔

ان دونوں تقلیدوں میں اگر فرق ہے تو غیر مقلدین بتلائیں کہ کیا فرق ہے کہ جس بنا پر محدثین کی تقلید تو فرض اور واجب ہو اور فقہاء کی تقلید شرک اور حرام؟

اگر محدثین اور حدیث کی کتابیں نہ ہوتیں تو ہمیں نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال کا علم کہاں سے ہوتا، اور اگر ائمۂ مجتہدین فقہاء اور فقہ کی کتابیں نہ ہوتیں تو ہم کتاب و سنت پر عمل کیسے کرتے، عمل تو بغیر معنی سمجھے نہیں ہو سکتا، قرآن و حدیث کا اصل مقصود اطاعت ہے اور اطاعت کا مدار معنی پر ہے نہ کہ لفظوں پر۔

مغالطہ (۱۱) غیر مقلدین اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حق تو بس ایک ہی ہو سکتا ہے؟ تو پھر چاروں مسلک برحق کیسے؟

جواب: چاروں مذاہب کا ماخذ اور مرجع چوں کہ ایک ہی ہے اور وہ ہے قرآن و احادیث، اس لئے چاروں برحق ہیں، ان کو غلط و گمراہ قرار دینا گویا قرآن و حدیث ہی کو موجبِ ضلالت و گمراہی قرار دینا ہے، جیسے کہ کعبۃُ اللہ کی چار سمتیں ہیں مشرق، مغرب، شمال و جنوب اور ان چار سمتوں میں بسنے والے لوگ اپنی اپنی سمت کے اعتبار سے کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں، ہر ایک سمت دوسری سمت والے کے اعتبار سے مخالف ہے مگر اس کے باوجود سب کی نماز صحیح ہو جاتی ہے، وجہ یہ ہے کہ سمتیں اگرچہ مختلف ہیں مگر سب کا مرکز ایک ہی کعبۃُ اللہ ہے، اسی طرح رائج چاروں مذہبوں کا مرجع اور ماخذ ایک ہی ہے، وہ

سب قرآن حدیث پر ہی عمل کرتے ہیں، اس لیے چاروں مذاہب صحیح کہلائیں گے، فرق صرف یہ ہے کہ ایک امام کبھی ایسی آیت جو چند معانی کا احتمال رکھتی ہو اس میں سے ایک معنی کو قرائن و شواہد سے راجح کر کے اس پر عمل کرتا ہے اور دوسرا اس معنی کو مرجوح قرار دے کر ترک کر دیتا ہے، اسی طرح وہ احادیث جو بظاہر متعارض ہیں ایک امام اپنی تحقیق اور تفتیش کے مطابق حسب قواعد وضوابط ایک حدیث کو ترجیح دے کر اس کو معمول بہ قرار دیتا ہے اور دوسرا امام اسی حدیث کو اپنی تحقیق اور اجتہاد سے مرجوح قرار دیتا ہے اور دوسری حدیث کو راجح قرار دے کر اس پر اپنے مسئلہ کی بنیاد رکھتا ہے، کبھی ایک امام حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتا ہے تو دوسرا امام دوسرے نصوص کو سامنے رکھ کر حدیث کی مراد تک پہنچنے کی سعی و کوشش کرتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہوتا ہے،

جیسے کہ حضور اقدس ﷺ کی ہدایت ہے کہ اندھیری رات میں یا جنگل میں جب قبلہ مشتبہ ہو جائے اور معلوم نہ پڑے کہ کدھر ہے تو آدمی پر ضروری ہے کہ تحرِّی یعنی غور وفکر کرے کہ قبلہ کس طرف ہے اور جس طرف تحری واقع ہو اور قبلہ ہونے کا گمان غالب ہو جائے اس طرف منہ کر کے نماز پڑھے اب مثلاً چند افراد ہیں اور سب نے اپنی اپنی تحری کے موافق چار سمتوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تو باوجود اختلاف کے، ازروئے حدیث سب کی نماز صحیح ہو جائے گی، یہی حال ائمۂ اربعہ کا ہے کہ سب قرآن و حدیث کو سامنے رکھ کر اجتہاد کرتے ہیں، اگر کسی مسئلے میں اختلاف ہو جائے تو چوں کہ ماخذ اور مرجع سب کا ایک ہی ہے اس لیے سب کا عمل صحیح کہلائے گا،

البتہ اصابتِ حق یعنی حق کو پانا صرف ایک کو حاصل ہو گا، مگر اللہ کے نزدیک ثواب سب کو ملے گا، البتہ حق پانے والے کو دہرا اور ڈبل ثواب ملے گا

ایک کوشش کرنے کا، دوسرا حق پالینے کا اور خطا کرنے والے کو اکہرا ثواب ملے گا جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے إِذَا حَكَمَ الحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ (بخاری / ۷۳۵۲ مسلم / ۱۷۱۶) کہ جب شرعی حکم لگانے والا کوشش کرتا ہے اور صحیح بات حاصل کرلیتا ہے تو اس کو دہرا ثواب ملتا ہے، اور جب کوشش کرتا ہے اور حق کو نہ پاسکا تو اس کو اکہرا ثواب ملتا ہے، ظاہر بات ہے کہ ثواب کا ملنا کم ہو یا زیادہ اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کی دلیل ہے، لہذا چاروں مذاہب اللہ کے نزدیک مقبول ہیں اور حق کس کو حاصل ہوا اس کا علم خدا ہی کو ہے لیکن چونکہ ہر ایک امام نے حق پانے کی کوشش کی ہے اس لیے ہر ایک کا اپنے کو حق پر کہنا صحیح ہے۔

بخاری شریف میں بنو قریظہ کے واقعہ میں مشہور ہے کہ روانہ کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ سے فرمایا لا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ العَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ (بخاری / ۹۴۶) کہ تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز بنو قریظہ کے علاوہ کہیں نہ پڑھے۔ راستہ میں عصر کا وقت ہوگیا صحابہ کی رائے مختلف ہوگئی ایک جماعت نے حضور اکرم ﷺ کے فرمانِ مبارک کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہوئے کہا کہ ہم نہ پڑھیں گے، اور بعض حضرات نے کہا کہ ہم تو یہیں نماز پڑھ لیں گے، حضور ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ جلدی سے جلدی بنی قریظہ پہنچ جائیں (بہر حال ہر ایک نے اپنی سمجھ اور اجتہاد کے موافق نماز پڑھی) بعد میں یہ واقعہ حضور کے سامنے ذکر کیا گیا، آپ نے کسی پر نکیر نہیں فرمائی اور کسی پر ملامت نہیں کی (بخاری شریف)۔

مذکورہ واقعہ میں ایک جماعت نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کرکے نماز نہ پڑھی اور دوسری جماعت نے اجتہاد کیا اور اس کے بعد حدیث کی جو مراد

ان کی سمجھ میں آئی اس پر عمل کیا اور نماز پڑھ لی، حضور علیہ السلام نے کسی کو غلط نہیں قرار دیا، سب کی نماز کو صحیح قرار دیا۔

اسی طرح نسائی شریف میں أَنَّ رَجُلًا أَجْنَبَ؛ فَلَمْ يُصَلِّ. فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فذكرَ ذلك لَهُ. فقال: أَصَبْتَ. فَأَجْنَبَ رجُلٌ آخَرُ؛ فتيمَّمَ وصلّى فَأَتَاهُ فَقَالَ نَحْوَ مَا قال لِلآخَرِ؛ یعني: أصبْتَ کہ ایک شخص کو جنابت لاحق ہوگئی اور پانی نہ ہونے کی وجہ سے انھوں نے نہ غسل کیا نہ تیمم اور نہ نماز پڑھی، بعد میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا قصہ بیان کیا، آپ ﷺ نے ان کے عمل کو درست قرار دیا، دوسرے ایک صحابی کو ایسا ہی واقعہ پیش آیا انھوں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی اور خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنا عمل بیان کیا آپ ﷺ نے ان کے عمل کو بھی درست قرار دیا، (نسائی شریف ۳۲۳)

غور کیجیے دونوں حضرات نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور بظاہر دونوں کے عمل میں تضاد واختلاف ہے مگر حضور اقدس ﷺ نے کسی کو غلط نہیں ٹھہرایا، بس یہی حال چاروں اماموں کا ہے۔

مغالطہ (۱۲) غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ فقہی مسائل اور اسلامی احکام حضور اکرم ﷺ کے دورِ نبوت میں مدون اور جمع نہ تھے، یہ بعد کی ایجاد ہیں اس لئے یہ بدعت سیئہ ہیں یعنی بری بدعت ہیں اس سے بچنا چاہیے؟

جواب: یہ اعتراض سراسر غیر مقلدین کی جہالت اور ناواقفیت کی علامت ہے، قرآن کریم بھی تو حضور اکرم ﷺ کے مبارک زمانے میں یکجا جمع نہ تھا، حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے جمع کیا گیا، اگر فقہ کے مسائل اور احکام حضور اکرم ﷺ کے بعد مدون ہونے اور جمع ہونے پر اعتراض ہے اور اسے بدعت وناجائز

کہا جاتا ہے تو آنحضور اقدس ﷺ کے بعد قرآن کریم کے یکجا جمع کرنے کے متعلق غیر مقلدین کیا کہیں گے؟

اسی طرح احادیث کی تدوین بھی حضور ﷺ کے وفات کے بعد ہوئی اور حدیث کی کتابیں بخاری و مسلم وغیرہ بعد میں مرتب ہوئیں، کیا اس کو بھی بدعت کہا جائے گا؟ اور اس سے اعراض کیا جائے گا؟ اور حدیث کی کتابوں سے استفادہ ترک کر دیا جائے گا؟

حقیقت یہ ہے کہ نہ فقہ مدون ہونا بدعت ہے نہ حدیث کی کتابوں کا مرتب ہونا بدعت اور نہ قرآن کو یکجا جمع کرنا بدعت کہا جا سکتا ہے، اس لئے کہ ہر نئ بات کو بدعت کہہ دینا عقل و سمجھ سے محروم لوگوں کا کام ہے، ہر نیا کام اور ہر نئ بات بدعت ممنوعہ نہیں ہے بلکہ جو عمل فِی الدِّیْن یعنی دین کے اندر بطور اضافہ اور کمی بیشی کے ہو اور اسے دین قرار دے کر اور عبادت وغیرہ دینی امور کی طرح ثوابِ آخرت اور رضائے الٰہی کا وسیلہ وذریعہ سمجھ کر کیا جائے حالانکہ اس کی کوئی دلیل نہ ہو، نہ قرآن و سنت سے نہ قیاس و اجتہاد سے تو یہ بدعت ہے، اور جو نیا کام لِلدِّیْن ہو یعنی دین کے استحکام اور مضبوطی اور دینی مقاصد کی تکمیل اور تحصیل کے لیے ہو اسے بدعت ممنوعہ نہیں کہا جا سکتا، جیسے قرآن جمع کرنے کا مسئلہ، قرآن میں اعراب وغیرہ لگانا، حدیث کی کتابوں کی تالیف و تصنیف اور ان کی شرح لکھنا اور ان کتابوں کا صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ نام رکھنا ان تمام امور کو بدعت نہیں کہا جا سکتا، اسی طرح فقہی احکام و مسائل کا مدون و مرتب کرنا اور چاروں مذہبوں کو متعین کرنا اور ان کا حنفی مالکی شافعی اور حنبلی نام رکھنا اس کو بھی بدعت نہیں کہا جا سکتا، یہ مذکورہ تمام امور لِلدِّیْن یعنی دین کی حفاظت اور اس کی مضبوطی کے واسطے ہونے کی وجہ سے مستحب بلکہ ضروری ہیں،

اگر قرآن جمع نہ کیا جاتا تو اس کی حفاظت مشکل ہو جاتی، اگر اس پر اعراب نہ لگائے جاتے تو صحیح تلاوت کرنا دشوار ہو جاتا، حدیثوں کو کتابوں کی صورت میں مرتب نہ کیا جاتا تو آج شاید امت کے پاس احادیث کا یہ معتبر ذخیرہ نہ ہوتا،

اسی طرح اگر فقہ کی تدوین اور چاروں مذہبوں کی تعیین نہ ہوتی تو آج لوگ خواہشات کے غلام اور بندے بن چکے ہوتے، یہ تو خدا کا فضل ہے کہ اس نے علماء کے دلوں میں یہ بات الہام کی کہ انہوں نے ضرورت محسوس کر کے فقہ کی تدوین کی اور اس کے طفیل لوگوں کے لئے شریعت کے احکام پر عمل کرنا آسان ہو گیا،

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وَبِالجُمْلَةِ فَالتَّمَذْهبُ للمُجتَهِدِينَ سِرٌّ اَلْهَمَهُ اللهُ تعالى العُلَمَاءَ وجَمَعَهُ مِنْ حَيثُ يَشْعُرُونَ او لَا يَشْعُرُونَ کہ خلاصۂ کلام ان مجتہدین کا صاحب مذہب ہونا اور پھر لوگوں کا ان کو اختیار کرنا ایک راز ہے جس کو اللہ نے علماء پر الہام کیا اور ان کو اس تقلید پر جمع کر دیا چاہے وہ اس کو راز جانیں یا نہ جانیں،

اور یہ بھی فرماتے اِعْلَمْ اَنَّ فِي الْاَخْذِ بِهٰذِهِ الْمَذَاهِبِ الاربَعَةِ مَصلِحَةٌ عظيمةٌ وفي الاِعْرَاضِ عَنْهَا كُلِّهَا مَفْسَدَةٌ كَبِيرَةٌ کہ جاننا چاہئے کہ چاروں مذاہب کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اور ان سے اعراض کرنے میں بڑا خطرہ ہے۔ (عقد الجید ص ۳۱ / ماخوذ از فتاوی رحیمیہ ج / ۱ ص ۱۱۰)

جھوٹے مدعیانِ نبوت کا فتنہ

انتہائی سنگین اور ایمان سوز فتنوں میں سے ایک فتنہ جھوٹی نبوت کا دعوی کرنے والے جھوٹے نبیوں کا ہے جس کی پیشین گوئی آنحضور اقدس ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ ہی میں کر دی تھی کہ بکثرت جھوٹے نبی ظاہر ہوں گے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰی

يُبْعَثَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ، قَرِيبًا مِنْ ثَلاَثِينَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ (بخاری ۳۶۰۹)

کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تیس کے قریب جھوٹے دجال کھڑے نہ ہوں جن میں سے ہر ایک کا دعوی اور خیال یہ ہو گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

اور ترمذی شریف میں ہے: لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ وَحَتَّى يَعْبُدُوا الأَوْثَانَ وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلاَثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي۔(ترمذی ۲۲۱۹) کہ قیامت اس وقت تک نہ آئے گی یہاں تک کہ میری امت کے کچھ گروہ مشرکین سے جاملیں گے، اور یہاں تک کہ میری امت کے کچھ گروہ بتوں کی پوجا کریں گے اور عنقریب میری امت میں تیس کذّاب (بڑے جھوٹے) ہوں گے جن میں سے ہر ایک کا خیال یہ ہو گا کہ وہ اللہ کا نبی ہے حالانکہ میں خاتمُ النبیین ہوں میرے بعد کوئی (نیا) نبی نہیں آئے گا۔

چنانچہ جھوٹے مدعیانِ نبوت کا یہ سلسلہ آں حضور ﷺ اور صحابہ کرام ہی کے زمانے سے شروع ہو گیا کہ مُسَیلَمَہ کذّاب، اسود عنسی جیسے بدبخت کذّاب نے آپ ﷺ ہی کی زندگی کے آخری دور میں نبوت کا جھوٹا دعوی کیا اور بالآخر قتل کر کے جہنم رسید کیے گئے، اور اب تک بہت سارے لوگ نبوت کا جھوٹا دعوی کر کے امتِ مسلمہ میں فتنہ وفساد کا بازار گرم کر چکے ہیں اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا کہ یکے بعد دیگرے جھوٹے مدعیانِ نبوت کھڑے ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا سب سے بڑا گرو گھنٹال کانا دجال ظاہر ہو گا جیسا کہ مسند احمد میں ہے: وَاللّٰهِ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ ثَلَاثُونَ كَذَّابًا اٰخِرُهُم الأَعْوَرُ الكَذَّابُ (مسند أحمد / ۲۰۱۹۰ السلسلۃ الصحیحۃ: ۷ / ۱۶۷)

کہ قسم بخدا قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ تیس کذاب ظاہر ہوں گے جن میں سے سب سے آخری جھوٹا کانا دجال ہوگا۔

تنبیہ: حدیث پاک میں جو تیس جھوٹے مدعیانِ نبوت کا ذکر آیا ہے اس سے مراد ایسے ۳۰ جھوٹے بڑے مدعیانِ نبوت ہیں جو شان و شوکت والے ہوں گے، جن کی لوگوں میں شہرت ہوگی جن کے متبعین و پیروکاروں کی کثرت ہوگی، ورنہ تو مطلق نبوت کا جھوٹا دعوی کرنے والے بکثرت ہوں گے، ان کی کوئی محدود اور متعین تعداد نہیں ہے کما فی فتح الباری (ج/۶۔ ص/۶۱۷)۔

عقیدۂ ختمِ نُبُوَّت

آنحضور اقدس ﷺ خاتَمُ النَّبیین ہیں، آپ پر سب قسم کی نبوت و رسالت ختم ہے، آپ بلا استثناء سب سے آخری نبی و پیغمبر ہیں، اب آپ کے بعد کوئی نیا نبی اور رسول پیدا نہیں ہوگا یعنی نئے سرے سے کسی کو پیغمبر اور رسول نہیں بنایا جائے گا، حضرت آدم سے دنیا میں نبی و پیغمبر آنے کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ سلسلہ حضور ﷺ پر ختم ہو گیا، بروزِ ازل انبیاء و رسول کی جو تعداد دنیا میں بھیجنے کی مقرر ہوئی تھی وہ اب آپ پر پوری ہوگئی، آپ کے خاتم النبیین ہونے کا عقیدہ دین کے ضروری اور بنیادی عقائد میں سے ہے لہذا اب اگر کوئی شخص کسی بھی قسم کی نبوت و رسالت کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا کذاب ہے اور اس کی جھوٹی نبوت کو ماننے اور تسلیم کرنے والا کافر اور مُرتَد ہے، قرآن و حدیث میں ختمِ نبوت و رسالت کا مسئلہ اتنا واضح اور ظاہر ہے کہ نبوت کا دعوی کرنے والے سے اس کی نبوت کی دلیل کا مطالبہ کرنا بھی علماء کے نزدیک باعثِ کفر ہے۔

چنانچہ قرآن کا اعلان ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِن رِجالِكم ولَكِنْ رَسُولَ اللهِ وخاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ للّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (الاحزاب/۴۰) کہ

محمد مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں (کیوں کہ آپ کے تمام لڑکے رجولیت و بلوغ کی عمر کو پہنچنے سے پہلے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے) لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے۔

اور آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے وأنا خاتَمُ النبيينَ لا نبِيّ بعدي (ترمذی شریف ۲۲۱۹) کہ میں سب سے آخری نبی ہوں اب میرے بعد کوئی (نیا) نبی نہیں آئے گا۔

اور مسلم شریف میں ہے "فُضِّلْتُ على الأنْبِياءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوامِعَ الكَلِمِ ونُصِرْتُ بالرُّعْبِ، وأُحِلَّتْ لِيَ الغَنائِمُ، وجُعِلَتْ لِيَ الأرْضُ طَهُورًا ومَسْجِدًا، وأُرْسِلْتُ إلى الخَلْقِ كافَّةً وخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ (مسلم شریف/۵۲۳)

کہ مجھے چھ چیزوں کے ذریعے تمام انبیاء پر فضیلت و فوقیت دی گئی ہے، مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے ہیں (جو الفاظ کے اعتبار سے تو مختصر ہیں لیکن معنی و مفہوم کے لحاظ سے وسیع تر ہیں)، اور رُعب کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے (یعنی میر اڈر و خوف دشمن پر دور ہی سے طاری ہو جاتا ہے) اور میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا ہے، اور پوری زمین کو میرے لئے ذریعۂ طہارت اور مسجد بنا دیا گیا ہے (کہ جہاں چاہوں نماز پڑھ لوں اور اگر پانی نہ ملے تو مٹی سے طہارت حاصل کر لوں)، اور میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔

آپ کے خاتمُ الانبیاء ہونے کی ایک محسوس مثال

آں حضور اقدس ﷺ نے اپنے خاتم الانبیاء والرُّسُل اور سب سے آخری نبی و پیغمبر ہونے کو ایک محسوس مثال کے ذریعہ سے سمجھایا ہے، چنانچہ حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَثَلِي وَمَثَلُ الأنبياءِ كَمَثَلِ قَصْرٍ أُحْسِنَ بناؤُه وتُرِكَ منه مَوْضِعُ لَبِنَةٍ فَطَافَ بِهِ النُّظَّارُ يَتَعَجَّبُونَ مِنْ حُسْنِ بِنَائِهِ إلا مَوْضِعَ تلك اللَّبِنَةِ لا يَعِيبُونَ سِواها فكنتُ أنا سَدَّدْتُ مَوْضِعَ تلك اللَّبِنَةِ خُتِمَ بِيَ البُنْيانُ وخُتِمَ بِيَ الرُّسُلُ (شرح السنہ: ۱۳/ ۲۰۱، البخاری: ۳۵۳۵) (کہ میری اور دیگر انبیاء کی مثال ایک محل جیسی ہے جس کی تعمیر شاندار انداز سے کی گئی مگر اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی، اس میں گھومنے والے دیکھ کر اس محل کی شاندار عمارت پر تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کاش یہ اینٹ بھی ہوتی یعنی یہ خالی جگہ بھی پر کر دی جاتی، تو میں وہی اینٹ ہوں جس نے محل کی اس خالی اینٹ والی جگہ کو پُر کر دیا اور مجھ سے عمارت کو مکمل کر دیا گیا اور مجھ پر رسولوں کی آمد کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

اور ایک روایت میں اس طرح کہ فَأَنَا اللَّبِنَةُ، وأنا خاتِمُ النَّبِيِّينَ. میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں ہی انبیاء کے سلسلہ کو ختم کرنے والا ہوں۔

اس حدیث میں انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور ان کی شریعت اور علمِ ہدایت کو ایک مضبوط محل سے تشبیہ دی گئی ہے، ایسا محل جو عمدہ بنا ہوا ہو، پس انبیاء کرام تشریف لاتے رہے اور دین کا محل تیار ہوا مگر اس میں کچھ کمی باقی تھی وہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پوری ہو گئی اور نبوت کا محل تیار ہو گیا۔ یعنی آپ سب سے آخری پیغمبر اور رسول ہیں۔

نوٹ: جھوٹے مدعیانِ نبوت کے تعلق سے مزید معلومات چاہتے ہوں تو بندہ کی کتاب "قیامت اور اس کی علامت" کا مطالعہ کریں۔

ایک شبہ کا ازالہ

شبہ "کسی کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ قیامت کے قریب حضرت عیسی آسمان سے دنیا پر تشریف لائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے، تو آخری نبی اور پیغمبر تو حضرت عیسی علیہ السلام ہوئے نہ کہ ہمارے نبی، کیا حضرت عیسی علیہ السلام کا دوبارہ دنیا میں تشریف لانا آنحضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منافی نہیں ہے؟

جوابِ شبہ

تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کی دوبارہ دنیا میں تشریف آوری آنحضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتمُ الانبیاء والرُسُل ہونے کے بالکل منافی نہیں اور نہ ہی اس سے حضرت عیسی علیہ السلام کا آخری پیغمبر اور نبی ہونا لازم آتا ہے کیوں کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک دنیا میں نبیوں ورسولوں کے بھیجنے کی جو تعداد مقرر تھی وہ آں حضور پر پہنچ کر منتہی اور ختم ہوگئی، اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو از سرِنو منصبِ نبوت ورسالت دیکر دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا اور حضرت عیسی علیہ السلام تو اپنی اسی سابقہ نبوت کے ساتھ دنیا میں تشریف لائیں گے جو انھیں پہلے عطا کی گئی تھی جس پر وہ برقرار ہیں ،از سرِنو دوبارہ نبوت نہیں عطا کی جائے گی کہ جس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی وپیغمبر ہونے پر کوئی اعتراض وارد ہو،

اور حضرت عیسی علیہ السلام، آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے علاوہ کوئی نئ شریعت بھی لے کر نہیں اتریں گے بلکہ آپ ہی کی شریعت پر خود بھی چلیں گے اور لوگوں کو بھی چلائیں گے اور قرآن و حدیث کے مطابق اپنے تمام فیصلے صادر فرمائیں گے، اعتراض تو جب ہوتا کہ وہ نئ نبوت اور نئ شریعت کے ساتھ

تشریف لاتے۔

فتنۂ قادیانیت

اس فتنے کا بانی ومبانی مرزا غلام احمد قادیانی ہے، اس بدبخت اور کذّاب شخص نے ہندوستان کے مشرقی پنجاب، قادیان نامی گاؤں میں نبوت کا جھوٹا دعوی کیا اور اپنے دَجَل و تلبیس اور فریب کاری کے ذریعے بہت سارے لوگوں کو گمراہ اور ان کی آخرت کو تباہ و برباد کیا، اس کی جھوٹی نبوت پر ایمان رکھنے والوں اور اس کے پیروی کرنے والوں کو مرزائی، احمدی اور قادیانی کہتے ہیں، جو کہ ختمِ نبوت کے صریح و قطعی عقیدہ کا انکار کرنے کی وجہ سے اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک مرتد اور کافر ہیں، مسلمانوں کا ان کے ساتھ شادی بیاہ کرنا جائز نہیں اور نہ ہی ان کے مُردوں کی مسلمانوں کے، قبرستان میں تدفین جائز ہے۔

ملعون مرزا غلام احمد قادیانی ابتدا میں ایک خالص سُنّی العقیدہ شخص تھا لیکن رفتہ رفتہ دنیائے دنی کی محبت نے اسے صراطِ مستقیم سے ہٹا دیا، مال وزر کی حرص و طمع میں سفید فام انگریزوں کا ایجنٹ و غلام بن گیا اور ان کے اشاروں پر امتِ مسلمہ و مرحومہ میں افتراق و انتشار کا ناپاک بیج بویا، اس بد ظاہر و باطن شخص نے امتِ مسلمہ کے ختمِ نبوت و فریضۂ جہاد جیسے متفق علیہ و مُسلّمہ عقیدے کا انکار کیا اور لوگوں کو یہ باور ویقین کرانے کی کوشش کی کہ وہ خود صحابہ اور اہلِ بیت سے افضل ہے اور یہ بلند بانگ اور جھوٹا دعوی کر بیٹھا کہ وہی عیسیٰ مسیح اور مہدیٔ موعود آخرُ الزماں ہے اور منصبِ نبوت جیسے عظیم وبڑے مرتبے پر بھی فائز ہے، وہ مُلہَم ہے اس پر وحی اترتی ہے اس کذاب نے بہت ساری پیشین گوئیاں کی تھیں جو سب کے سب روزِ روشن کی طرح جھوٹی ثابت ہوئیں، ملعون مرزا ہیضہ کی بیماری کو عذابِ الٰہی تصور کیا کرتا تھا، اپنے مخالفین کے لئے اس کے گندے منہ

سے اسی مرض میں مبتلا ہونے کی بد دعا نکلتی تھی، خدا کی قدرت دیکھئے کہ یہ مرزا معلون خود ہی مرضِ ہیضہ میں مبتلا ہو کر مرا۔

معلوم ہونا چاہئے کہ نبوت کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے یعنی اللہ تعالی نے جس کو چاہا نبوت و رسالت سے نوازا کوئی شخص چاہے وہ کتنا ہی عبادت گزار متقی اور پرہیز گار کیوں نہ وہ نبی نہیں بن سکتا۔ قادیانی اور مرزائیوں کو اسی لئے غیر مسلم قرار دیا گیا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نبی تھا اس پر وحی اترتی تھی، اس کو اللہ سے ہمکلام ہونے اور الہامات پانے کا شرف حاصل تھا۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے سلسلہ نبوت اور وحی ختم ہو چکا ہے جو کوئی دعویٰ کرے گا کہ اس پر وحی کا نزول ہوتا ہے وہ دجال، کذاب، مفتری ہو گا۔ امتِ محمدیہ اسے ہر گز مسلمان نہیں سمجھے گی، یہ امتِ محمدیہ کا اپنا خود ساختہ عقیدہ و فیصلہ نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث کا فیصلہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِن رِجَالِكم ولَكِنْ رَسُولَ اللهِ وخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (الاحزاب / ۴۰) کہ محمد مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے۔

اور آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے وأنا خاتَمُ النبيينَ لَانبِيَّ بعدي (ترمذی شریف: ۲۲۱۹) کہ میں سب سے آخری نبی ہوں اب میرے بعد کوئی (نیا) نبی نہیں آئے گا۔

فتنۂ تشکیلیت

ہر دور میں اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کو نعمتِ ایمان سے محروم کرنے اور ان کی عقیدت و محبت کو ان کے ہر دل عزیز پیغمبر نبی آخرُ الزماں حضرت محمد مصطفی

ﷺ سے ختم کرنے کے لئے میدانِ عمل میں سرگرم رہی ہیں اور اس کے لیے طرح طرح کے حربے و ہتھکنڈے استعمال کرتی چلی آئی ہیں، امتِ مسلمہ میں انتشار و اختلاف پیدا کرنا اور ان کی متحدہ صفوں میں دراڑ ڈالنا ان کا خاص شیوہ و محبوب مشغلہ رہاہے، خود اسلام ہی کے نام پر مسلمانوں کالبادہ اوڑھ کر مختلف گمراہ فرقے مسلم معاشرے میں گھس کر ہمیشہ سرگرمِ عمل رہے ہیں، دورِ حاضر میں تو گویا ایمان و عقائد اور مسلمانوں کے خلاف عالمی پیمانے پر ایک نہ تھمنے والی جنگ چھڑی ہے، فتنوں کا ایک امڈتا ہوا سیلاب ہے جو تھمنے کا نام نہیں لے رہاہے، اسلام و مسلمانوں کے خلاف نئے نئے فتنے سر اٹھارہے اور جنم لے رہے ہیں جنہیں اسلام دشمن حکومتوں اور ابلیسی حلقوں کی حمایت و سرپرستی حاصل ہوتی ہے، ان فتنوں کے سربراہوں اور اس کے کارندوں و اہلکاروں کے لئے تحفظ و سہولیات کے اسباب فراہم کیے جاتے ہیں جن کے بل بوتے پر یہ فتنے پنپتے اور پروان چڑھتے ہیں اور ان کے پرچارک و مبلغین بڑی جرأت اور بے باکی کے ساتھ اپنے باطل عقائد و نظریات کو لوگوں میں پھیلاتے پھرتے ہیں۔

دوسری طرف امتِ مسلمہ اپنی سیاسی بے کسی و بے بسی، کم علمی اور ایمانی کمزوری کے سبب خصوصاً عقائد کے باب میں، اسلام کے ضروری وبنیادی عقائد تک سے ناواقفیت کے سبب ان فتنوں کا بکثرت شکار ہو جاتی ہے، انہی فتنوں میں سے ایک فتنہ جھوٹے مُدَّعِیانِ مہدویت و مسیحیت کا ہے کہ آئے دن کوئی نہ کوئی بدبخت مہدئ آخرالزماں و عیسیٰ مسیح کا جھوٹا دعوٰی کر کے فرزندانِ توحید کو مرتد بنانے اور سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان و یقین کو خراب کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔

اسی جھوٹی مہدویت و مسیحیت کی ایک ناپاک کڑی فتنۂ شکیلیت بھی ہے جو ابھی کچھ سالوں سے منظرِ عام پر آیاہے اور بڑی تیزی کے ساتھ اپنے بال و پر اور

برگ وبار باہر نکال رہا ہے، اس فتنے کا بانی مبانی در بھنگہ بہار کے ایک گاؤں "عثمان پور رتن پور" میں پیدا ہونے والا شکیل بن حنیف نامی شخص ہے جس کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس فتنہ کو فتنۂ شکیلیت کہا جاتا ہے۔

اس شخص نے ۲۰۰۳ء میں لکشمی نگر دہلی کے اندر مہدیٔ آخرُ الزماں اور مسیحِ موعود یعنی عیسی ابن مریم ہونے کا جھوٹا دعوٰی کیا ہے، اس نے مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح سچے مہدیٔ آخر الزماں اور قربِ قیامت آسمان سے نازل ہونے والے عیسی ابن مریم علیہ السلام کے متعلق وارد ہونے والی روایتوں کو اپنے اوپر منطبق اور چسپاں کر کے خود کو مہدیٔ آخر الزماں اور عیسیٰ مسیح ہونے کو باور کرانے کی کوشش کی ہے حالانکہ اس کے یہ دونوں دعوے اس قدر جھوٹے اور کھوکھلے ہیں کہ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے معمولی واقفیت رکھنے والا مسلمان اس کو کبھی سچا تسلیم نہیں کر سکتا اور مہدی و عیسیٰ ابن مریم کے متعلق وارد ہونے والی روایات و احادیث کو جاننے والا با آسانی اس کے جھوٹ کا پردہ چاک کر سکتا ہے اور سچی اور صحیح روایات و احادیث کے آئینے میں اس کذاب شکیل بن حنیف کا مکروہ چہرہ دیکھ کر اس پر تھو تھو کر سکتا ہے کہ کہاں مہدی و عیسیٰ مسیح کی مقدس اور پاکباز شخصیات اور کہاں اس جھوٹے کذّاب شکیل کی ذات! دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور مغرب و مشرق کا تفاوت ہے کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگو تیلی اور عرب کی یہ کہاوت بھی بہت اچھی طرح اس پر صادق آتی ہے "اَنْفٌ فِي الماءِ و اِسْتٌ فِي السَّمَاءِ" کہ ناک زمین میں اور سُرین آسمان میں۔

شکیل بن حنیف اور اس کے پرچارک بڑی چالاکی کے ساتھ اسلامی لباس اور مسجد والے ماحول میں رہتے ہوئے دینی عقائد و مسائل سے ناواقف اور کم پڑھے لکھے مسلمانوں کو مختلف حیلوں و بہانوں سے اپنے دامِ فریب میں پھنسانے کی

کوشش کرتے ہیں، اہلِ علم و علماء سے بد ظن اور دور کرنا، علامات قیامت میں الجھا کر شکوک و شبہات پیدا کرنا، حضرت مہدی و نزولِ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اور دجالِ اکبر کے متعلق وارد ہونے والی صاف و صریح احادیث کا یا تو انکار کرنا یا تو اس میں اپنی من مانی و گمراہ کن تاویلات و تحریفات کرنا ان کا خاص طریقۂ کار ہے، چنانچہ ان کے انکار و تحریفات کے کچھ نمونے اور ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیں تاکہ ان کے دھوکے اور فریب سے خود بچ سکیں اور دوسروں کو بچا سکیں۔

شکیلیوں کی تحریفات

تحریف(۱) شکیل بن حنیف حضرت عیسی علیہ السلام کے آسمان سے نزول فرمانے کا انکار کرتا ہے اور ان کے اسی زمین پر دوبارہ پیدا ہونے کا قائل ہے وہ اپنے انکار کی یہ دلیل دیتا ہے کہ کُتُبِ صِحاحِ سِتَّہ یعنی بخاری، مسلم، نسائی، ابو داود، ترمذی، ابنِ ماجہ "نزول من السماء" یعنی عیسی علیہ السلام کے "آسمان" سے اترنے کے ذکر سے خالی ہیں۔

حالانکہ اس کی یہ دلیل انتہائی بودی اور کمزور ہے کیونکہ حدیث کی کتابیں صرف صِحاحِ ستہ ہی نہیں ہیں اور نہ ہی تمام صحیح حدیثیں صحاح ستہ میں آگئی ہیں، اور نہ ہی ان کے مصنفین نے تمام صحیح حدیثوں کو اپنی کتابوں میں جمع کر دینے کا التزام و دعویٰ کیا ہے۔

بلکہ صحاحِ ستہ کے علاوہ احادیث کی بے شمار کتابیں ہیں، جن میں صحیح حدیثیں موجود ہیں اور علماء کے نزدیک مقبول و معتبر ہیں، صرف صحاحِ ستہ کی حدیثوں کو ماننا اور باقی کا انکار کر دینا حد درجہ کی حماقت و جہالت ہے، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں وَتَرَكْتُ مِنَ الصِحَاحِ لِحَالِ الطُّولِ (مقدمہ ابن الصلاح ص/۱۹) کہ بہت سی صحیح حدیثوں کو میں نے اس لیے چھوڑ دیا کہ کتاب لمبی نہ ہو

جائے، نیز آپ ہی کا یہ بھی قول ہے وتَرَکْتُ مِنَ الصِحَاحِ اَکْثَرُ (تدریب الراوی ج۱ ص۱۰۵) کہ جو صحیح حدیثیں میں نے نہیں لکھیں ان کی تعداد زیادہ ہے اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے لَیْسَ کُلُّ شيءٍ عِنْدِي صَحِیْحٌ وَضَعْتُه هاهنا (مقدمہ ابن الصلاح/ ۲۰) کہ ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح ہو اسے میں اپنی کتاب مسلم میں لکھ دوں ضروری نہیں ہے، پس صرف صحاحِ ستہ کو حدیث کی کتاب ماننا اور صرف اسی میں صحیح حدیث جاننا بالکل درست نہیں، اگر صحیح بخاری وغیرہ کی روایات میں "نزول" کے ساتھ "من السماء" کے الفاظ نہیں آئے تو اس سے کیا ہوتا ہے جب کہ دیگر حدیث کی کتابوں میں تو "من السماء" کا لفظ موجود ہے، اور صحیح حدیثوں سے "من السماء" کی قید ثابت ہے چنانچہ مسند البزار اور مجمع الزوائد میں ہے ثُمَّ یَنْزِلُ عِیسیٰ اِبْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَاءِ (مسند البزار ح/ ۹۶۴۲ ج۱۶ ص۹۶، (مجمع الزوائد ح۱۲۵۴۳ کتاب الفتن ص/ ۴۷۲) کہ پھر عیسٰی بن مریم (علیہ السلام) آسمان سے اتریں گے۔

اور بیہقی میں ہے کَیْفَ اَنْتُمْ اِذْ نَزَلَ اِبْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَاءِ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُم مِنْکُم (الاسماء والصفات للبیہقی ص/ ۵۸۴) کہ اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب عیسی ابن مریم آسمان سے اتریں گے دراں حالیکہ تمہارا امام تم ہی میں سے ہو گا. یعنی حضرتِ مہدی۔

اور کنز العمال جلد/ ۱۴ صف/ ۶۱۹ حدیث/ ۳۹۷۲۶ میں ہے قَالَ بنُ عباسٍ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَعِنْدَ ذٰلِکَ یَنْزِلُ اَخِیْ عِیسیٰ اِبْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَاءِ" عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ پھر اس وقت میرے بھائی عیسی ابن مریم آسمان سے اتریں گے۔

اور جب شکیل کے سامنے مسلم شریف کی وہ حدیث ذکر کی جاتی ہے جس

میں حضرت عیسی علیہ السلام کے آسمان سے اترنے کی کیفیت مذکور ہے کہ آپ علیہ السلام دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے " فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ، بَيْنَ مَهْرُودَتَيْنِ، وَاضِعًا كَفَّيْهِ عَلَى أَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ" [مسلم ۷۳۷۳] کہ وہ یعنی عیسی علیہ السلام شہر دمشق کے مشرقی جانب زرد رنگ کا جوڑا پہنے ہوئے، اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے بازوؤں پر رکھے ہوئے سفید مینار کے پاس اتریں گے۔

توشکیل، مسلم شریف کی اس صحیح حدیث کا اور خدا تعالیٰ کی اس قدرت کا یہ کہہ کر انکار کر دیتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص آسمان سے فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اترے۔

جبکہ قرآن و احادیث کی روشنی میں پوری امتِ مسلمہ کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام اپنے جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: بَلْ رَفَعَهُ اللهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللهُ عَزِيزاً حَكِيماً [سورۃ النساء ۱۵۸] بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے پاس اُٹھا لیا تھا، اور اللہ تعالی بڑا صاحب اقتدار، بڑا حکمت والا ہے۔

اور اِس وقت وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں جیسا کہ شبِ معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دوسرے آسمان ہی پر ہوئی تھی۔ جیسا کہ مسلم شریف میں مذکور " ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ،فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، قِيلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ، قِيلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ، فَفُتِحَ لَنَا، فَإِذَا أَنَا بِابْنَيِ الْخَالَةِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ، وَيَحْيَى بْنِ زَكَرِيَّاءَ، صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمَا، فَرَحَّبَا وَدَعَوَا لِي بِخَيْرٍ (مسلم ۴۱۱:) کہ پھر ہمیں دوسرے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو جبریل علیہ السلام نے دستک

دی، ان سے معلوم کیا گیا کہ آپ کون ہیں؟ تو جواب دیا میں جبریل ہوں (پھر) سوال کیا گیا: آپ کے ساتھ کون صاحب ہیں؟ فرمایا: محمد ﷺ ہیں۔ پھر معلوم کیا گیا کیا وہ مدعو ہیں یعنی ان کو آنے کی دعوت دی گئی ہے؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں! مدعو ہیں۔ اس کے بعد ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا تو دفعۃً ہماری ملاقات دو خالہ زاد بھائیوں یعنی حضرت عیسیٰ ابن مریم اور حضرت یحیی بن زکریا علیہما السلام سے ہوئی تو ان دونوں نے مجھے مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔

پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ اٹھائے گئے ہیں اور آسمان ہی پر زندہ موجود بھی ہیں تو آسمان ہی سے دوبارہ نزول بھی فرمائیں گے اور قربِ قیامت آسمان سے اترنے کی بات احادیث میں بھی وارد ہوئی ہے جیسا کہ چند کتابوں کا حوالہ پیچھے گزر چکا جس میں بصراحت "من السماء" آسمان کا لفظ موجود ہے، اور دیگر بے شمار روایات و احادیث میں حضرت عیسی علیہ السلام کے لئے نَزَلَ، يَنْزِلُ، لَيَنْزِلَنَّ، نَازِلٌ، اورنُزُوْل" کا لفظ بکثرت وارد ہوا ہے چنانچہ بخاری میں نَزَلَ ح/۳۴۴۹)۔ مسلم میں لَيَنْزِلَنَّ اور نُزُوْل (ح/۳۹۱۔ح/۴۳۱۱)۔ سننِ ابی داؤد میں نَازِلٌ ح/۴۳۲۴). ابنِ ماجہ میں يَنْزِلُ (ح/۴۰۷۸) کا لفظ آیا ہے، جن سے آسمان ہی سے اترنا مراد ہے اور ان تمام الفاظ وروایات سے آج تک امتِ مسلمہ بالتواتر اور بالاجماع یہی سمجھتی رہی ہے کہ عیسی علیہ السلام قربِ قیامت آسمان ہی سے اتریں گے اور تواتر کے ساتھ عام وخاص میں یہی بات مشہور چلی آرہی ہے اور نزول عیسیٰ مسیح کے عقیدہ میں باتفاقِ امت نزول سے مراد آسمان ہی سے بحالتِ حیات نزول فرمانا ہے نہ کہ کسی عورت کے شکم سے زمین پر پیدا ہونا، یا کچھ اور،

"نَزَلَ" "يَنْزِلُ" کے اصلی اور حقیقی معنیٰ بھی اوپر سے نیچے اترنے کے ہیں، نَزَلَ کا صلہ جب "اِلیٰ" آئے تو اوپر سے نیچے اترنا ہی مراد ہوتا ہے، اور يَنْزِلُ

عیسیٰ ابنُ مَرْیَمَ کے معنیٰ تمام محدثین نے یہی لیا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام آسمان سے زمین کی جانب اتریں گے۔

لیکن شکیل بن حنیف آنکھ موند کر نزول من السماء کا انکار کرتا ہے تا کہ وہ اپنے مسیح موعود ہونے کا خواب پورا کر سکے کیونکہ "نزول من السماء" یعنی آسمان سے اترنے کا انکار کیے بغیر اس کا عیسیٰ مسیح بننے کا خواب پورا نہیں ہو سکتا۔

تنبیہ: معلوم ہونا چاہیے کہ جس طرح حضرت عیسی علیہ السلام کا آسمان پر بحالتِ حیات اٹھایا جانا مذہب اسلام میں ایک قطعی و یقینی عقیدہ ہے اس پر ایمان لانا فرض و ضروری ہے اسی طرح حضرت عیسی علیہ السلام کا قیامت کے قریب آسمان سے اترنا و نازل ہونا بھی مذہبِ اسلام میں ایک قطعی و یقینی عقیدہ ہے اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، احادیثِ کثیرہ و شہیرہ اور اجماعِ امت سے ثابت شدہ ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر تمام صحابہ کرام، تابعین عظام، تبعِ تابعین، ائمہ مجتہدین، فقہائے کرام، مجددین اور پوری ملتِ اسلامیہ کا ایک متفقہ اور یقینی عقیدہ ہے اس میں کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

تحریف (۲) شکیل بن حنیف اس بات کا مدعی ہے کہ اس کے اندر حضرت عیسی علیہ السلام کی روح اتر آئی ہے نعوذ باللہ من ذالک! جبکہ قرآن و حدیث میں کہیں اس بات کا ذکر اور اس کی تصریح نہیں ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کی روح کسی انسان کے جسم میں اترے گی اور داخل ہو گی۔

تحریف (۳) شکیل بن حنیف کے نزدیک عیسی ابن مریم اور مہدیٔ آخر الزماں دونوں ایک ہی شخص ہیں اور استدلال میں سنن ابن ماجہ [۴۰۳۹] کی یہ حدیث " وَلَا الْمَهْدِيُّ إِلَّا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ "(کہ مہدی تو عیسیٰ ابن مریم ہی ہوں گے۔) پیش کرتا ہے۔

جس کے جوابات یہ ہیں:

پوری حدیث اس طرح سے ہے ”لاَ یَزْدَادُ الأَمْرُ إِلاَّ شِدَّةً ، وَلاَ الدُّنْیا إِلاَّ إِدْبَارًا ، وَلاَ النَّاسُ إِلاَّ شُحًّا ، وَلاَ تَقُومُ السَّاعَةُ إِلاَّ عَلٰی شِرَارِ النَّاسِ ، وَلاَ الْمَهْدِيُّ إِلاَّ عِیسَی ابْنُ مَرْیَمَ“ (سنن ابن ماجہ /۴۰۳۹) کہ معاملہ سخت ہوتا چلا جائے گا، دنیا پسپائی ہی کی طرف لوٹتی چلی جائے گی، لوگوں میں بخل بڑھتا چلا جائے گا، قیامت بدترین لوگوں پر ہی قائم ہوگی اور مہدی عیسی ابن مریم ہی ہوں گے، (یعنی ایسے وقت میں کامل ہدایت یافتہ عیسی ابن مریم کے سوا کوئی نہ ہوگا)۔

جواب(۱): یہ حدیث ضعیف و مضطرب ہے، محدّثین کا اس کے ضعف پر اتّفاق ہے بلکہ محدّثین کی ایک جماعت مثلاً امام نسائی، حاکم، ابن تیمیّہ، شوکانی، قرطبی رحمہم اللہ نے اس کو موضوع و مُنکَر قرار دیا ہے کیوں کہ یہ حدیث بہت ساری صحیح احادیث کے خلاف ہے لہذا احادیث صحیحہ و قویّہ کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

جواب(۲): جو اوصاف و کارنامے مختلف صحیح احادیث میں دونوں کے الگ الگ مذکور ہیں بالیقین اس سے مہدی و عیسی کا الگ الگ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

مثلاً "عیسی بن مریم علیہ السلام خاندانِ بنی اسرائیل سے ہیں جبکہ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ محمد بن عبد اللہ بن اسماعیل علیہ السلام میں سے یعنی اولادِ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے ہوں گے۔

حضرت عیسی علیہ السلام کی وفات آسمان سے نزول کے چالیس سال بعد ہوگی جب کہ حضرت مہدی کی خلافت نزولِ عیسی سے پہلے ہی شروع ہو جائے گی اور وہ اپنی سات سال یا نو سال مدتِ خلافت پوری کر کے وفات پا جائیں گے اور حضرت عیسی علیہ السلام تو ان کی وفات کے بعد کئی سال تک زندہ رہیں گے اور خلافت کریں گے اور

پھر وفات پائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے اترنے کے وقت حضرت مہدی نمازِ فجر کی امامت کرنے کی درخواست حضرت عیسی علیہ السلام سے کریں گے لیکن حضرت عیسی علیہ السلام حضرت مہدی ہی کی اقتداء میں ایک نماز ادا کریں گے۔

آں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جبکہ میں اس کے شروع میں ہوں، مہدی درمیان میں اور حضرت عیسی علیہ السلام اس کے آخر میں ہیں۔ (اخرجہ رزین کمافی المشکوۃ) اس کے علاوہ ایسی بے شمار صحیح روایات ہیں جن میں دونوں کے کارنامے الگ الگ بیان کئے گئے ہیں جن سے روزِ روشن کی طرح بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ دونوں دو الگ الگ شخصیات ہیں نہ کہ ایک ہی، اس کے باوجود اگر کوئی نہ مانے اور انکار کرے تو یہ اس کی بدبختی ہے اور حد درجہ کی جہالت و گمراہی ہے وَمَن يُضْلِلِ ٱللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُۥ ۚ جسے اللہ بے راہ کر دے اسے کون راہ دکھا سکتا ہے۔

لیکن بالفرض والتقدیر اگر ابنِ ماجہ کی اس حدیثِ مذکور کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ حدیث محتملُ التاویل ہو گی، یعنی اس حدیث کا وہ مطلب ہر گز نہ ہو گا جو بظاہر سمجھ میں آرہا ہے بلکہ اس کی ایسی تاویل و تفسیر کی جائے گی جو دوسری صحیح احادیث کے خلاف نہ ہو چنانچہ علماء نے اس کی متعدّد تاویلات و تفسیریں فرمائی ہیں۔

تاویل(۱)

"لَا الْمَهْدِيُّ إِلَّا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ" میں مہدی سے مراد منسوب الی المهد ہے یعنی انبیائے کرام میں سے صرف حضرت عیسی ابن مریم ہی پیدا ہوتے ہی ماں کی گود میں دانشمندانہ وعاقلانہ کلام کرنے والے نبی ہیں۔

تاویل(۲)

"الْمَهْدِيُّ" سے اس کا لغوی معنیٰ "ہدایت یافتہ" مراد ہے اور بقاعدہ "اَلْمُطْلَقُ إِذَا أُطْلِقَ يُرَادُ بِهِ الْفَرْدُ الْكَامِلُ" (کہ جب کوئی چیز مطلق ذکر کی جائے تو اس سے اس کا فردِ کامل مراد ہوتا ہے)، پس یہاں مہدیٔ کامل مراد ہے اور مہدیٔ کامل کا مصداق صرف نبی ہی ہوسکتا ہے اس لئے آپ ﷺ کے اس ارشاد عالی "لا مهدى إلا عيسى ابن مريم" کا مطلب ہوا "لَا مَهْدِىَّ كاملٌ أو مَعْصُوْمٌ إِلَّا عيسى ابن مريم"، کہ میرے بعد مہدی کامل صرف عیسیٰ ہوں گے۔ یعنی لَا نَبِيَّ بَعْدِىْ کہ اب میرے بعد دنیا میں بالاستقلال بحیثیت نبی کوئی نبی تو نہیں آئے گا البتہ صرف عیسیٰ بن مریم میرے تابع ہوکر اور مہدی کامل بن کر دنیا میں تشریف لائیں گے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے نبی ہیں اور ان کی موجودگی میں اس وقت ان سے زیادہ اور ان سے بڑھکر ہدایت یافتہ کون ہوسکتا ہے؟! اس حدیث کو بس ایسے سمجھئے جیسے کہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کی شجاعت اور بہادری بتانے کے لئے فرمایا کہ "لَا فتى إلا علی رضی اللہ عنہ" کہ جوان تو بس علی ہی ہے)۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ علی کے علاوہ کوئی جوان ہی نہیں بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ علی بہت بہادر ہیں، اسی طرح لَا مَھدِیَّ اِلَّا عیسیٰ کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ کے وقت میں ان سے بڑھ کر کوئی ہدایت یافتہ نہیں جیسا کہ اسی طرح حدیث میں حج کے متعلق وارد ہے "اَلْحَجُّ عَرَفَةٌ" کہ حج تو بس عرفہ ہی ہے یعنی ارکانِ حج میں وقوفِ عرفہ سب سے اہم رکن ہے)۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حدیث مذکور میں مہدی کا اصطلاحی معنیٰ یعنی وہ شخصیت جس کا نام محمد یا احمد بن عبد اللہ اور لقب مہدی ہوگا مراد نہیں ہے بلکہ اس کا لغوی معنیٰ، کامل ہدایت یافتہ مراد ہے۔

تاویل(۳)

حدیث مذکور "لا المهدي إلا عیسی ابن مریم" میں جو ترکیب وانداز ہے وہ انداز وترکیب دو چیزوں میں کمالِ اتّحاد کو بیان کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے اور یہ اتّحاد تو کبھی باعتبار حقیقت ہوتا ہے اور کبھی باعتبار مجاز، مثلاً اگر دو چیزوں کا زمانہ بہت قریب قریب ہو اور ایک کا وقوع اس بات کی خبر دے کہ دوسری شئ عنقریب واقع ہو جائے گی تو باعتبار زمانہ ایک کو موضوع اور ایک کو محمول بنادیتے ہیں اور چونکہ آمدِ مہدی کے متّصلاً تھوڑے ہی وقفہ کے بعد نزولِ عیسیٰ علیہ السلام ہونے والا تھا اس لئے زمانہ قریب ہونے کی وجہ سے دونوں میں مجازاً اتّحاد کا حکم کر دیا گیا تو یہ اتّحاد حقیقۃً نہیں بلکہ از روئے زمانہ مجازاً ہے جیسے کہ یہی ترکیب وانداز حدیث پاک "عُمْرَانُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ خَرَابُ يَثْرِبَ وَخَرَابُ يَثْرِبَ خُرُوجُ الْمَلْحَمَةِ وَخُرُوجُ الْمَلْحَمَةِ فَتْحُ قُسْطَنْطِينِيَّةَ وَفَتْحُ الْقُسْطَنْطِينِيَّةِ خُرُوجُ الدَّجَّالِ" (سنن أبي داود/۴۲۹۴) میں تقاربِ زمان کی وجہ سے اختیار کیا گیا ہے حدیث مذکور کا ترجمہ یہ ہے کہ بیت المقدس کی آبادی یثرب یعنی مدینہ کی ویرانی ہے اور یثرب کی ویرانی ملحمۃُ الکبری (بڑی جنگ) کا برپا ہونا ہے اور ملحمۃُ الکبری کا برپا ہونا قسطنطنیہ کی فتح ہے اور قسطنطنیہ کی فتح خروج دجال ہے۔ (یعنی ان میں سے ہر ایک کا وقوع ووجود دوسرے کے متصلاً بعد واقع وموجود ہونے کی علامت ہے۔)

تاویل(۴)

یہاں عبارت مقدر ہے" تقدیرِ عبارت کے ساتھ اصل حدیث اس طرح ہے "لا قولَ للمهدی إلا بمشورةِ عیسی علیہ السلام"، یعنی حضرت مہدی اپنی ہر بات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مشورہ لیں گے۔

تحریف (۴) شکیل بن حنیف حضرت مہدی رضی اللہ عنہ سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی تمام پیشین گوئیوں کو مُجمَل، مبہم، گنجلک اور غیر واضح قرار دیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس کی جو تشریح و توضیح میں بیان کروں وہی حق اور سچ ہے کیونکہ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے خصوصی علم ملا ہے۔

جواب: حضرت مہدی آخر الزماں کی یقینی آمد کے متعلق جو علامات اور پیشین گوئیاں صحیح روایات اور احادیث میں وارد ہوئی ہیں "شکیل بن حنیف" کا ان کو مجمل، مبہم، اور گنجلک اور غیر واضح قرار دینا یہ اس کا بہت بڑا دھوکا اور فریب ہے تاکہ اس کے ذریعے اس کو ان علامات میں من مانی تشریح و تحریف کرنے کا موقع مل جائے اور اس کے مہدی بننے کا راستہ ہموار اور صاف ہو جائے اس لیے وہ ایسی ہفوات و بکواس بک رہا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

خیرُ القرون سے لے کر آج تک تمام علماء و محدثین کے نزدیک حضرت مہدیٔ آخر الزماں کی آمد کے متعلق وارد ہونے والی تمام روایات و پیشین گوئیاں صاف و واضح اور بے غبار تھیں، ان کے معانی و مفہوم میں کسی قسم کا اجمال وابہام نہ تھا لیکن شکیل بن حنیف کو سب کی سب روایتیں مجمل، مبہم غیر واضح اور گنجلک نظر آتی ہیں،

تو اصل بات یہ ہے کہ روایات و حدیثوں میں کوئی اجمال اور پوشیدگی نہیں بلکہ اس شخص کی آنکھوں پر جھوٹی مہدویت کا دبیز پردہ پڑا ہوا ہے پس یہ اپنی کور چشمی و اندھے پن اور فقدانِ بصیرت کی وجہ سے ان روایتوں کو گنجلک اور مجمل دیکھ رہا ہے۔

گر نبیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

کہ اگر دن میں چمگادڑ کو نظر نہیں آتا تو اس میں سورج کا کیا قصور ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ نبی کی پیشین گوئی غیرِ نبی کی پیشین گوئی کی طرح نہیں ہے کہ جس کے ہونے نہ ہونے میں شک وشبہ گنجائش ہو بلکہ نبی کی پیشین گوئی قطعی اور یقینی ہوا کرتی ہے اس میں شک وشبہ کی بالکل گنجائش نہیں، کیونکہ نبی ہر بات اللہ رب العزت سے علم پا کر کہتا ہے،

لہذا حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن علامات و پیشین گوئیوں کا ذکر کیا ہے وہ خدا تعالیٰ سے علم پا کر کیا ہے اس لئے ان علامات اور پیشین گوئیوں میں نہ تو کسی شک وشبہ کی گنجائش ہے اور نہ ہی شکیل جیسے اَیرُو غَیرُو نَتُّھو خَیرو کی نئی اور جدید تاویل و تشریح کی،

جس طرح نبی کی پیشین گوئیاں یقینی ہوتی ہیں اسی طرح ان کا وقوع یقینی ہوتا ہے اور ان کا وقوع اپنے وقت پر بالکل اسی طرح ہوتا ہے جس طرح نبی پیشین گوئی فرماتے ہیں، پس ہر شخص کو اس پر بے چون وچرا ایمان ویقین رکھنا لازم وضروری ہے۔

اللہ تعالی شکیل اور اس کے تمام پیروکاروں کو توبہ اور سیدھے راستے کی توفیق عطا فرمائیں آمین !۔

تحریف (۵) بقول شکیل بن حنیف آج کل خاندانوں کا کوئی ریکارڈ نہیں۔

جب شکیل سے یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت مہدی آخر الزماں تو خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ ہوں گے، حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے نجیب الطرفین ہوں گے یعنی باپ کی طرف حسنی اور ماں کی طرف سے حسینی، ان کی پیدائش مدینہ پاک میں ہوگی جبکہ تُو تو حنیف کا بیٹا دربھنگہ بہار میں پیدا ہوا ہے، تیرے نسب نامہ کا کوئی پتہ نہیں تو بھلا مہدی کیسے ہو سکتا ہے؟ تو وہ اس روایت کو یہ کہہ کر رد کر دیتا ہے کہ آج کل خاندانوں کا کوئی ریکارڈ محفوظ نہیں لوگ اپنا نسب نامہ ضائع کر چکے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب آنحضور ﷺ نے حضرت مہدی کا نسب بیان کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مہدی کا نسب نامہ محفوظ رہے گا اور ویسے آج بھی عربوں کے یہاں نسب نامے محفوظ رکھنے کا دستور باقی ہے، عجمیوں نے البتہ اپنا نسب نامہ ضائع کر دیا ہے۔ کما قال الفقهاء: "وَأَمَّا الْأَعَاجِمُ فَضَيَّعُوا أَنْسَابَهُم"

اور حضرت مہدی کو عجم یعنی غیرِ عرب میں پیدا ہونا ہے نہیں وہ تو سرزمینِ عرب میں پیدا ہوں گے تو عجمیوں کے نسب نامے ضائع ہونے سے کیا ہوتا ہے۔

تحریف (٦) شکیل بن حنیف کے سامنے اگر یہ حدیث سنائی جاتی ہے کہ حضرت مہدی کا نام تو محمد اور والد کا نام عبد اللہ ہو گا اور تو تو شکیل بن حنیف ہے تو پھر تو کیسے مہدی ہو سکتا ہے؟ تو وہ اس کا یہ جواب دیتا ہے کہ کیا میرا نام محمد سے شروع نہیں ہوتا؟ اور میرے والد کا نام حضور ﷺ کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صفاتی نام حنیف نہیں ہے؟ بس حدیث مذکور مجھ پر منطبق ہو رہی ہے لہٰذا میں مہدی ہوں۔

سبحان اللہ! کیا خوب تاویل ہے! شکیل کی یہ تاویل اگر مان لی جائے تو پھر صرف ہندوستان میں اگر ہزاروں لاکھوں لوگ مہدی ہونے کا دعوی کریں تو انھیں جھٹلانے کی کوئی وجہ نہیں بنتی کیونکہ یہاں اکثر مسلمان اپنے نام کو محمد سے شروع کرتے ہیں اور والد کا نام بھی حضور ﷺ کے کسی نہ کسی دادا سے مل ہی جائے گا جیسے کہ محمد سعد بن اسماعیل، محمد خلیل بن ہاشم وغیرہ۔

شکیل مہدی بننے کے لئے خان سے سید بن گیا

معلوم ہونا چاہیے کہ شکیل بن حنیف کذّاب نے اپنے کو سچا مہدی ثابت کرنے کے لئے اپنے نام و نسب میں تبدیلی کی ہے چنانچہ اسکول و کالج اور اس کی تعلیمی اسناد اور دیگر دستاویزات میں اس کا نام "شکیل احمد خان" درج ہے، یہ

خاندانی خان وپٹھان ہے اس کے اجداد سراج الدولہ کے زمانے میں افغانستان سے آئے تھے، اس کے حقیقی چچا نور محمد خان کی چالیس سال پرانی قلمی تحریر موجود ہے جس میں وہ اپنے خاندان کی تاریخ اور خاندانی نسب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انکے والد یعنی شکیل کے دادا کا نام محمد بشیر خان تھا، جنکے پانچ بیٹے تھے (۱) نور محمد خان، (۲) محمد حنیف خان (شکیل کا باپ) (۳) نذیر احمد خان، (۴) محمد عثمان خان، (۵) حیدر علی خان۔

لیکن شکیل نے دعوئ مہدویت کے بعد اپنا نام شکیل احمد خان سے "سید محمد شکیل" رکھ لیا یعنی احمد کو محمد سے اور خان کو سید سے بدل لیا، تاکہ اس کے مہدی بننے میں احمد اور "خان" کا لفظ رکاوٹ نہ بن سکے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ مہدی آخر الزمان کا نام آنحضور ﷺ کے نام پر ہوگا اور وہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے یعنی سید ہوں گے، اس لئے یہ جھوٹا مہدی، شکیل احمد "خان" سے "سید" محمد شکیل بن گیا، اور نسب تبدیل کر کے حرام اور گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے، کیوں کہ حدیث پاک میں نسب اور خاندان بدلنے پر بڑی سخت وعید آئی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے لیسَ مِن رَجُلٍ ادَّعی لِغَیْرِ أَبِیه وهو یَعْلَمُهُ إلّا کَفَرَ ومَنِ ادَّعی قَوْمًا لیسَ له فیهم فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النّار (بخاری/۳۵۰۸) کہ جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کرے اور وہ اس بات کو جانتا بھی ہو تو در حقیقت اس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا اور جو شخص کسی ایسی قوم میں ہونے کا دعوی کرے جس میں سے نہیں ہے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے، اور ارشاد فرمایا مَنِ ادَّعی إلی غیرِ أَبِیهِ وهو یَعْلَمُ فالجَنَّةُ علیهِ حَرامٌ (بخاری/۴۳۲۶) کہ جو شخص جان بوجھ کر اپنے باپ کے علاوہ سے اپنی نسبت جوڑے اس پر جنت حرام ہے، نیز آپ کا ارشادِ

گرامی ہے إنَّ مِن أعْظَمِ الفِرى أنْ يَدَّعِيَ الرَّجُلُ إلى غَيْرِ أبِيهِ، أوْ يُرِيَ عَيْنَهُ ما لَمْ تَرَ،أوْ يَقُولَ عَلى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ما لَمْ يَقُلْ (بخاری/۳۵۰۹) کہ سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ آدمی اپنی نسبت اپنے باپ کے غیر سے جوڑے، یا جھوٹا خواب بیان کرے، یا رسول پاک ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب کرے جو آپ نے نہیں کہی۔

نوٹ: اگر کسی کو شکیل کے نام ونسب کے دستاویزات دیکھنا ہو تو مولانا فضیل احمد ناصری صاحب کے آفیشل چینل پر دیکھ لے۔

تحریف(۷) حدیث پاک میں آمدِ مہدی وظہور مہدی کی یہ علامت بتائی گئی ہے کہ ایک خلیفہ کی موت کے بعد اس کی جانشینی پر اختلاف ہو گا اور متصلاً اس کے بعد حضرت مہدی ظاہر ہوں گے۔

يَكُونُ اخْتِلَافٌ عِنْدَ مَوْتِ خَلِيفَةٍ، فَيَخْرُجُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ هَارِبًا إِلَى مَكَّةَ، فَيَأْتِيهِ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ فَيُخْرِجُونَهُ وَهُوَ كَارِهٌ، فَيُبَايِعُونَهُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ (رواہ أبو داود/ ۴۲۸۶) کہ ایک خلیفہ کی موت کے وقت لوگوں میں (اگلا خلیفہ منتخب کرنے کے بارے میں) اختلاف ہو جائے گا۔ اس دوران ایک آدمی مدینہ سے نکل کر مکہ مکرمہ کی طرف بھاگے گا۔ لوگ اسے (خلافت کے لیے) نکالیں گے لیکن وہ اسے ناپسند کرتا ہو گا پھر لوگ اس کے ہاتھ پر حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان بیعت کریں گے۔

شکیل بن حنیف اس کی تاویل یہ کرتا ہے کہ یہ بات ۱۹۹۵ء میں تبلیغی جماعت کے امیر حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر پوری ہوچکی کیونکہ ان کے انتقال کے بعد امارت کے سلسلے میں اختلاف ہوا تھا۔

شکیل کی جہالت کی داد دیجیے کہ وہ مہدی وعیسیٰ مسیح بنا پھرتا ہے اور اسے اتنا

بھی پتہ نہیں کہ خلیفہ کسے کہتے ہیں؟

اصطلاحِ شریعت میں خلیفہ اس حاکم کو کہتے ہیں جو اسلامی نظام کا والی اور ذمہ دار ہو جبکہ مولانا انعام الحسن کاندھلوی صرف ایک جماعت اور ایک تحریک کے امیر تھے، پورے اسلامی نظام کے نہیں، وہ تو حاکم بھی نہیں تھے، مشورہ سے کام کیا کرتے تھے۔

ضروری تنبیہ: حضرت مہدیٔ آخر الزماں کے لئے آمد، تشریف آوری، خروج اور ظہور کا لفظ استعمال کرنے سے ہر گز یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ دجال کی طرح پہلے سے پیدا ہو چکے ہیں، یا شیعوں کے باطل و فرضی عقیدے کے مطابق شہر سامرا کے سُرَّ مَنْ رَأی نامی غار میں ۲۵۹ھ سے چھپے بیٹھے ہیں، وہاں سے وہ نکل کر ظاہر ہوں گے نعوذ باللہ من ذلک ہر گز ایسا نہیں!

بلکہ اہلسنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق مطلب یہ ہے کہ جب قیامت کے قریب ان کے آنے کا وقت ہو جائے گا تو وہ عام انسانوں کی طرح پیدا ہوں گے اور جب ان کی عمر چالیس ۴۰ سال کو پہنچے گی تب وہ لوگوں کے سامنے تشریف لائیں گے اور امت مسلمہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرے گی اور ان کو اپنا خلیفہ و قائد بنا کر ان کے ماتحتی میں برپا کردہ مظالم کے خلاف جہاد شروع کرے گی۔

تحریف (۸) حدیث پاک میں حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول کے بعد کی برکتوں کا ذکر آیا ہے کہ پھلوں اور پیداوار میں خوب خوب برکت ہو گی کہ ایک انار سے ایک جماعت شکم سیر ہو جائے گی اور وہ اتنا بڑا ہو گا کہ اس کے چھلکے سے لوگ سایہ حاصل کریں گے، دودھ میں اتنی برکت ہو گی کہ ایک اونٹنی کا دودھ لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے لیے کافی ہو گا، ایک گائے کا دودھ ایک قبیلہ کے لیے کافی ہو جائے گا، ایک بکری کا دودھ ایک چھوٹی جماعت کے لیے کافی ہو گا۔

(کمافی مسلم / ۷۳۷۳)

شکیلیوں کو یہ حدیث سنا کر جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے نام نہاد مسیح موعود شکیل بن حنیف کے دور میں یہ خیرات اور برکات کہیں دیکھنے میں نہیں آتیں، تو شکیلی پیروکار اور اس کے کارندے اس کا کیا جواب دیتے ہیں ذرا سنیے اور سر دھنیے، کہ یہ پیشینگوئی تو جرسی گائے کے ذریعے پوری ہو چکی ہے، وہ بھی خوب دودھ دیتی ہے، لہٰذا شکیل مسیح موعود ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث پاک میں دودھ اور پھلوں وغیرہ کے اندر برکات کا جو ذکر آیا ہے وہ یاجوج ماجوج کی ہلاکت کے بعد آیا ہے تو کیا شکیل بن حنیف کے زمانے میں یاجوج ماجوج کا خروج اور ان کی ہلاکت ہو چکی؟(کمافی مسلم / ۷۵۶۰)

دوسری بات یہ ہے کہ جرسی گائے کے دودھ کی وہ مقدار کہاں ہے جو حدیث پاک میں بیان کی گئی ہے اور اگر بالفرض مان بھی لی جائے تب بھی ابھی وہ حالات پورے نہیں ہوئے جو حدیث پاک میں بیان کیے گئے ہیں، کیوں کہ حدیث پاک میں چار چیزوں (انار کا بڑا ہونا، اونٹنی، گائے اور بکری کے دودھ کی مقدار) کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے، حدیث پاک کے مطابق حالات پورے اس وقت ہوں گے جب چاروں چیزیں ایک ساتھ پائی جائیں گی اور ابھی تک ایسا ہرگز نہیں ہوا۔

تحریف (۹) حدیث پاک میں آتا ہے کہ دجال زمین پر چالیس دن رہے گا، اس کا ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا، دوسرا ایک ماہ اور تیسرا ایک ہفتہ کے برابر ہوگا، باقی دن عام دنوں کی طرح ہوں گے، واقعی وہ دن مذکورہ مقدار کے برابر ہوں گے (جیسا کہ قاضی عیاض کی یہی رائے ہے) تبھی تو آپ ﷺ نے عام دنوں کے مطابق وقت کا اندازہ لگا کر وقفہ وقفہ سے نماز ادا کرنے کا حکم دیا یعنی ہر

۲۴ گھنٹے میں پانچ نمازیں (کمافی سنن ابی داود / ۴۳۲۱)۔

لیکن شکیل اور اس کے پیروکار اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے زمین کا وہ حصہ مراد ہے جہاں پر چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے جبکہ حدیث پاک کا یہ مطلب بالکل غلط ہے کیوں کہ زمین کا وہ حصہ جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے وہاں تو یہ سلسلہ اس وقت سے جاری ہے جب سے دن اور رات بنے ہیں اور اس کا علم لوگوں کو کافی زمانہ پہلے سے ہے اور حدیث پاک میں جن تین دنوں کے طویل اور اس کے دراز ہونے کی خبر دی گئی ہے وہ قربِ قیامت وقتی وعارضی طور پر ہونے کی دی گئی ہے نہ کہ دائمی وہمیشگی کے طور پر۔

تحریف (۱۰) شکیل بن حنیف اور اس کے حواریوں کے نزدیک دجال اکبر کوئی ایک معین شخص اور انسان نہیں ہے بلکہ دجال اکبر کا مصداق امریکہ وفرانس اور اس کے اتحادی ممالک ہیں۔

حدیث سے اس کا طریقۂ استدلال ایسا ہے کہ سن کر ہنسی آئے، چنانچہ مسلم شریف میں جو یہ مذکور ہے کہ دجال کی پیشانی پر کافر لکھا ہوگا جس کو ہر پڑھا لکھا اور ان پڑھ، پڑھ لے گا۔

الدَّجَّالُ مَمْسُوحُ الْعَيْنِ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ، ثُمَّ تَهَجَّاهَا ك ف ر يَقْرَؤُهُ كُلُّ مسلمٍ (رواه مسلم / ۷۳۶۵) کہ دجال کانی آنکھ والا ہے، اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہے، پھر آپ ﷺ نے اس کا ہجے کیا **ك، ف، ر**، ہر ایک مسلمان اسے پڑھ لے گا۔

شکیل بن حنیف اس حدیث کا مصداق امریکہ وفرانس کو قرار دیتا ہے وہ اس طرح کہ امریکہ + فرانس ملا کر لکھنے سے امریکہ کا لفظِ "کا" اور فرانس کا لفظِ "فر" ملنے سے کافر بن جاتا ہے پس دجال کا مصداق امریکہ وفرانس ہوا نہ کہ کوئی معین

مخصوص شخص اور آدمی۔

اور حدیث پاک میں جو دجال کے ایک آنکھ سے کانا اور دوسری سے عیب دار ہونے کی بات وارد ہوئی ہے

الدَّجَّالُ أَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُسرىٰ جُفَالُ الشَّعْرِ (رواہ مسلم / ۷۳۶۶) کہ دجال بائیں آنکھ سے کانا ہوگا، بہت گھنے بالوں والا ہوگا۔

اس حدیث کا یہ کہہ کر انکار کرتا ہے کہ اس سے حقیقت میں آنکھ کا کانا و عیب دار ہونا مراد نہیں ہے بلکہ موجودہ زمانے کی سٹیلائٹ (Satellite) مراد ہے۔

اسی طرح حدیث پاک میں مذکور ہے کہ دجال کی سواری سفید گدھا ہوگا، کما فی البیہقی "**یَخْرُجُ الدَّجَّالُ علیٰ حِمَارٍ اَقْمَرَ**" کہ دجال ایک سفید گدھے پر نکلے گا۔ وفی المستدرک / ۸۶۱۳ "**وَلَهٗ حِمَارٌ يَرْكَبُه**" کہ اس کا ایک سفید گدھا ہوگا جس پر وہ سواری کرے گا۔

تو شکیلی حضرات گدھے کی تفسیر جنگی جہاز اور فائٹر پلین سے کرتے ہیں۔

شکیلیوں کی ان مذکورہ بکواس کا جواب یہ ہے کہ دجال اکبر ایک مخصوص و متعین انسان اور آدمی ہے نہ کہ امریکہ و فرانس یا کوئی حکومت و سلطنت کیوں کہ احادیث صحیحہ و مشہورہ اور غیر متعارضہ میں دجال کا جو حُلیہ اور اس کے متعلق اور جو دیگر باتیں ذکر کی گئی ہیں وہ ہرگز کسی ملک یا حکومت پر صادق نہیں آتیں مثلاً یہ کہ وہ یہودی نسل سے ہوگا، گندمی رنگ، جوانُ العمر، موٹا، پستہ قد اور ٹیڑھی ٹانگوں والا ہوگا، بال اس کے پیچیدہ اور خَم دار ہوں گے، دیکھنے میں عبدُالعزیٰ بن قطن مشرک کے مشابہ ہوگا، (کمافی البخاری / ۷۱۲۸ و مسلم / ۷۳۷۳. وسنن ابی داؤد / ۴۳۲۰)

اور حضرت تمیم داری اور ان کے رفقاءِ سفر نے جزیرہ میں انسان اور آدمی ہی کی شکل وصورت میں دجال کو محبوس اور مقید دیکھا تھا جس کی خبر انہوں نے حضور

ﷺ کو دی اور آپ ﷺ نے ان کے واقعہ کی تصدیق فرمائی اور اپنے اصحاب کو اس واقعہ سے باخبر کیا (کمافی مسلم /۷۳۸۶)۔

حدیث پاک میں دجال کے مقتول ہونے کی جگہ و کیفیت مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بابِ لُد پر اپنے نیزہ سے اسے قتل کریں گے، اور بعد از قتل اپنا خون آلود نیزہ بلند فرما کر قتلِ دجال سے لوگوں کو آگاہ کریں گے، (کمافی مسلم /۷۳۷۳)۔

حضرات! ذرا غور فرمائیں یہ مذکورہ احوال و اوصاف کیا کسی ملک یا حکومت پر صادق آسکتے ہیں؟ ہر گز نہیں، آنحضور ﷺ نے دجال کے لیے "رجل" اور "انسان" کا لفظ استعمال کیا ہے جو انسان اور آدمی ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے نہ کہ کسی ملک یا حکومت یا کئی حکومتوں کے اتحاد کے لئے، پس دجالِ اکبر کا مصداق کسی حکومت و سلطنت کو قرار دینا احادیثِ رسول میں صریح تحریف، کھلی بد دیانتی ہے اور اس کا کھلا مذاق وانکار ہے، اسی طرح دجال کی آنکھ سے سٹیلائٹ (satellite) مراد لینا اور گدھے کی تفسیر جنگی جہاز اور فائٹر پلین سے کرنا احادیثِ رسول کے ظاہر کو چھوڑ کر عقل و نقل کے خلاف، علماء و محدثین کی تفسیر کے خلاف من مانی غلط سلط تاویل ہے اعاذنا اللہ منہ۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ۔ عنقریب ان ظالموں کو پتہ چل جائے گا کہ یہ کس برے انجام کی طرف جارہے ہیں۔

درحقیقت شکیل اور شکیلیوں کی مہدئ موعود اور عیسیٰ مسیح کے نام پر امتِ مسلمہ میں اختلاف و انتشار پیدا کرنے کی ایک سوچی سمجھی سازش ہے جس کے لیے وہ کسی حد تک بھی جاسکتے ہیں، اب ہم بہی خواہانِ قوم وملت کی ذمہ داری ہے خصوصاً اربابِ مدارس و ائمۂ مساجد و دیگر تمام دینی اور سماجی ذمہ داران و کارکنان

کی کہ وہ امتِ مسلمہ کے عقائد و اعمال کی درستگی کی فکر کریں اور ان کے دنیاوی مسائل حل کرنے کی طرف بھی توجہ دیں ورنہ وہ دن دور نہیں کہ امتِ مسلمہ کا ایک بڑا طبقہ ان گمراہ و باطل قوتوں کی بھینٹ چڑھ جائے گا اور ہم دنیا میں کفِ افسوس مل کر رہ جائیں گے اور میدانِ حشر میں ربُّ العالمین کے سامنے جواب دہ بھی ہونا پڑے گا۔

خلاصۂ کلام:

آنحضور ﷺ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام، مہدیٔ آخر الزماں اور دجالِ اکبر کے متعلق جن علامات و پشین گوئیوں کا ذکر کیا ہے وہ سب خدا تعالیٰ سے علم پاکر کیا ہے ان کا اپنے اپنے وقت میں اسی طرح واقع ہونا حتمی و یقینی ہے جس طرح آپ نے بیان فرمایا ہے نہ تو ان میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہے اور نہ ہی شکیل بن حنیف جیسی خلافِ نقل و عقل من مانی تاویل و توضیح کی۔

بلاوجہ آنحضور ﷺ کی احادیث و پیشین گوئیوں کو ان کے ظاہر سے پھیرنا یا ان کی ایسی من مانی تشریح و توضیح کرنا کہ جس سے ان کے معروف و مشہور معنی بدل جائیں یا جس سے امتِ مسلمہ کے مُسَلَّمَہ و مُتَّفَقَہ عقیدہ کے خلاف عقیدہ پیدا ہو جائے بالکل جائز اور درست نہیں، یہ الحاد و زندیقیت ہے اعاذنا اللہ منھا. ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (فصلت / ۴۰)

کہ جو لوگ ہماری آیتوں کے بارے میں ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہیں وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے بھلا بتاؤ کہ جس شخص کو آگ میں ڈال دیا جائے وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن بے خوف و خطر آئے گا؟ اچھا جو چاہو کر لو یقین جانو کہ وہ

ہر چیز کو خوب دیکھ رہا ہے۔

نوٹ: شکیل بن حنیف کی جن تحریفات کا اوپر ذکر ہوا وہ سب ماخوذ ہیں علمائے کرام کے ان رسائل، تحریرات اور کتابوں سے جو علماء اور مفتیان کرام نے فتنۂ شکیلیت کی تردید میں تحریر و تصنیف فرمائے ہیں جو نیٹ پر بھی موجود ہیں، جن میں انہوں نے شکیل بن حنیف کی ان تحریفات و بکواسات کو اسی کے مطبوعہ یا غیر مطبوعہ رسائل، و تحریرات وغیرہ سے حوالے کے ساتھ نقل کیے ہیں۔

سچے مہدیٔ آخر الزماں کی چند نشانیاں

مہدیٔ آخر الزماں جن کے قُربِ قیامت آنے کی حدیث پاک میں پیشن گوئی وارد ہوئی ہے، جن کا آنا یقینی ہے اور جن کی آمد پر امتِ مسلمہ کا اعتقاد و اتفاق ہے، احادیثِ رسول کی روشنی میں ان کی چند نشانیاں پیش خدمت ہیں تاکہ شکیل بن حنیف وغیرہ کی طرح اگر کوئی شخص مہدی آخر الزماں ہونے کا جھوٹا دعوی کرے تو اس کے جھوٹ کا پردہ چاک کیا جاسکے اور اس کے دجل و فریب سے بچا جاسکے۔

(ا) سچے مہدی آخرُ الزماں ہونے کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ مہدی ہونے کا دعوی نہیں کریں، اس لیے کہ ابتدا میں انھیں خود بھی معلوم نہ ہو گا کہ وہ مہدی ہیں، اور نہ ہی وہ لوگوں کو اپنی خلافت و بیعت کی دعوت دیتے پھریں گے بلکہ امارت و خلافت سے دور بھاگیں گے اور لوگ بھی ابتدا میں انھیں نہیں پہچان سکیں گے کہ وہ مہدیٔ آخر الزماں ہیں لیکن پھر اچانک اللہ رب العزت انھیں خلافت کی اہلیت و قابلیت سے نوازیں گے اور لوگ انھیں پہچان کر ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا شروع کر دیں گے۔

پس ایسا شخص مہدی آخر الزماں ہو ہی نہیں سکتا جو مہدی ہونے کا دعوی کرے، کیونکہ دعویٔ مہدویت اور حقیقی مہدویت میں آگ پانی کا تضاد ہے، مہدی

کی مسند پھولوں کی سیج تھوڑی ہے بلکہ کانٹوں بھرا تاج ہے، مہدی ہونے کا مطلب ہے پوری دنیائے کفر کی مخالفت، اور اس سے مقابلہ آرائی، جان پر کھیل کر مظلوم مسلمانوں کی نصرت و امداد، آگ کے دریا سے گزر کر فتح کا حصول اور خون کا سمندر پار کر کے خلافتِ الٰہیہ و خلافت علی منہاج النبوہ کا قیام، نہ کہ مال و دولت اور دنیوی عزت شہرت حاصل کرنے کے لئے لوگوں کو گمراہ اور بے وقوف بنانا اور اپنا الو سیدھا کرنا، اعاذنا اللہ منھا۔

(۲) حضرت مہدی سادات یعنی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے ہوں گے۔ کمافی سنن ابی داود /٤٢٨٤ (المَهْدِيُّ مِن عِتْرَتِي، مِن وَلَدِ فاطمَةَ۔

(۳) نام محمد یا احمد اور والد کا نام عبد اللہ ہو گا۔ يُوَاطِي اِسْمُهُ اِسْمِي، واِسْمُ أَبِيْهِ اِسْمَ أَبِي (سنن ابی داود ٤٢٨٢)

(۴) روشن و نورانی چہرہ، کشادہ پیشانی اور بلند ناک والے۔ أَجْلى الجَبْهَةِ، أَقْنى الأَنْفِ، (٤٢٧٥/سنن ابی داود)

(۵) ایک خلیفہ کی وفات کے بعد خلیفہ بننے کے ڈر سے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ بھاگ جانا۔

(٦) انکی بیعت کا حرمِ محترم میں حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان ہونا، يَكُونُ اِخْتِلَافٌ عِندَ مَوتِ خَلِيفَةٍ فيَخْرُجُ رَجُلٌ مِن أَهْلِ المدينةِ هَارِبًا إِلىٰ مَكَّةَ فَيَأْتِيْه نَاسٌ مِن أهلِ مَكَةَ فيُخْرِجُونَه وهُو كَارِهٌ فيُبَايِعُونَه بَينَ الرُّكْنِ و المَقَامِ (سنن ابی داود / ۴۲۸٦)

(۷) ایک سفیانی لشکر کا آپ کے مقابلہ کے لیے نکلنا اور اس کا مقامِ بَیدا پر زمین دھنسا دیا جانا (بیداء مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے)۔ ويُبْعَثُ إِلَيه بَعْثٌ مِنْ أَهْلِ الشامِ فيُخْسَفُ بِهِم بِالبَيداءِ بَينَ مَكةَ و المدينةِ) سنن ابی داود

(۸) ملک شام و عراق کے علماء و اولیاء اور اَقطاب واصفیا کا آکر حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا فإذا رأى الناسُ ذلك أَتَاهُ أَبْدَالُ الشامِ وعَصَائِبُ أَهْلِ العِراقِ فَيُبَايِعُونَه بَينَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ

(۹) قبیلۂ قریش کا ایک شخص آپ کے ساتھ مقابلہ آرائی کے لیے اٹھے گا جس کا ننہال قبیلۂ کلب ہو گا اور وہ آپ سے جنگ کرنے کے لیے ایک لشکر بھیجے گا جس پر اللہ رب العزت حضرت مہدی رضی اللہ عنہ ہی کی جماعت کو فتح و کامیابی عطا فرمائیں گے، اور اس شکست کھانے والی جماعت کو حدیث پاک میں بعثِ کلب کہا گیا ہے کما فی سنن ابی داود "ثُمَّ يُنْشَأُ رَجُلٌ مِن قُرَيْشٍ أَخْوَالُه كَلْبٌ فَيَبْعَثُ إليهم بَعْثًا فَيظهرُون عَلَيهِم وذلک بَعْثُ كلبٍ والخَيْبَةُ لِمَن لَم يَشْهَدْ غَنيمَةَ كلبٍ كمافي سنن ابی داود (۴۲۸۶) واخرجہ احمد ۲۶۶۸۹)

(۱۰) لوگوں میں خوب مال تقسیم کرنا، سنت و شریعت پر خود بھی چلنا اور دوسروں کو بھی چلانا "يَحْثُو المالَ حَثْيًا، لا يَعُدُّهُ عَدَدًا (مسلم/۲۹۱۴). فيقسم المالَ ويعملُ في الناسِ بسُنَّةِ نبيِّهم (سنن ابی داود/۴۲۸۶)

(۱۱) ان کے آنے کے بعد دنیا سے ظلم و ستم کا مٹ جانا اور اس کی جگہ عدل و انصاف کا قائم ہونا، آسمان اور زمین سے خوب خیرات و برکات کا نازل اور ظاہر ہونا اور نو یا سات برس ان کا حکومت کرنا۔

يَمْلَأُ الأرضَ قِسطًا وعَدلًا كَما مُلِئَتْ جَوْرًا و ظُلْمًا، يَمْلِكُ تِسْعَ سِنِينَ (٤٢٨٥ سنن ابی داود) وقال بَعْضُهُم: سَبْعَ سِنِينَ۔

(۱۲) ان کی امارت و خلافت پر پوری امتِ مسلمہ کا متحد اور متفق ہونا،

(۱۳) روئے زمین میں مذہب اسلام کو حد درجہ استقرار و استحکام نصیب

ہونا،ویُلْقِي الْإِسلامُ بجِرانِه إلى الأرضِ۔(سنن ابی داود/۴۲۸۶) و صحیح ابن حبان/۶۷۵۷)

(۱۴) حضرت مہدی آخرُالزماں قسطنطنیہ فتح کریں گے، اور آپ ہی کے زمانے میں دجال نکلے گا اور اس کے قتل کے واسطے حضرت عیسی علی نبیناعلیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے۔

عیسیٰ ابن مریم کا تعارف اور انکی چند خصوصیات وعلامات

قرآنِ کریم واحادیثِ رسول کی روشنی میں حضر عیسیٰ ابن مریم علیہ الصلوٰۃ و السلام کی صفات و خصوصیات اور ان کی کچھ نشانیاں پیشِ خدمت ہیں تاکہ جھوٹے مرزا غلام احمد قادیانی، اور شکیل بن حنیف وغیرہ کی طرح اگر کوئی شخص عیسیٰ ابن مریم ہونے کا جھوٹا دعوی کرے تو ان صفات و خصوصیات کے آئینے میں اس کا مکروہ چہرہ دیکھ کر پہچانا جاسکے، اس کے جھوٹ کا پردہ چاک کیا جاسکے اور اس کے دجل وفریب سے بچا جاسکے،

اختصار کے پیش نظر آیات اور احادیث نہیں لکھی جارہی ہیں، اگر کسی کو آیات و احادیث بھی مع حوالہ درکار ہوں تو بندہ کی کتاب "مسیح ہدایت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام" کی طرف رجوع کرے۔

آپ کا نام عیسی، کُنیّت ابن مریم، لقب مسیح، روحُ اللہ اور کلمۃُ اللہ ہے، آپ کے نانا حضرت عمران، ماموں ہارون اور نانی حضرت حنّہ بنت فاقوذ ہیں، حضرت ذکریا علیہ السلام آپ کے خالو اور حضرت یحییٰ علیہ السلام آپ کے خالہ زاد بھائی ہیں، والدہ محترمہ آپ کی حضرت مریم ہیں جو ایک مبارک اور گوناگوں صفات و خصوصیات کی حامل خاتون ہیں، جن کے تذکرے سے قرآن پُر ہے جن کے نام کی قرآن کی ایک سورت سورۂ مریم ہے، قرآن کریم میں جن کا لقب صدیقہ مذکور ہے، جو دنیا

جہان کی تمام عورتوں سے افضل تھیں، بوقتِ ولادت وہ مَسِّ شیطان یعنی شیطان کے کچوکا لگانے سے محفوظ رہیں، حضرت ذکریا علیہ السلام کی خصوصی تربیت میں پروان چڑھیں، بیتُ المقدس کی خدمت کے لئے وقف کی گئیں، وہ عند اللہ مقبول و برگزیدہ تھیں اور ایسی صاحب کرامت پاک باز خاتون تھیں کہ ان کے واسطے غیب سے خدائی رزق آتا تھا، فرشتے ان سے کلام کرتے تھے اور وہ بحکمِ الٰہی بغیر کسی مرد کے ہاتھ لگائے حاملہ ہوئیں۔

حضرت عیسی علیہ السلام کی پیدائش باپ کے بغیر صرف ان کی کنواری ماں حضرت مریم کے ذریعے ہوئی، بوقتِ پیدائش آپ علیہ السلام بھی مسِّ شیطان سے محفوظ رہے، پیدا ہوتے ہی آپ نے اپنی ماں سے تہمتِ زنا کو دور و صاف کرنے کے لئے لوگوں سے دانشمندانہ کلام فرمایا، آپ کی بعثت بنی اسرائیل کی اصلاح کی خاطر ہوئی تھی، آپ انبیائے بنی اسرائیل میں سب سے آخری نبی ہیں، آپ نے اپنے متصلاً بعد نبی آخر الزماں، خاتم الانبیاء حضرت احمد مجتبیٰ، محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے آمد کی بشارت سنائی، آپ مُردوں کو زندہ، اندھوں کو بینا اور کوڑھ زدہ مریضوں کو چنگا کر دیا کرتے تھے، مٹی کے بنے پرندے آپ کی پھونک سے زندہ ہو کر اڑنے لگتے تھے، یہود آپ کے قتل کے درپے ہوئے اور برائے قتل جمع بھی ہوئے لیکن اللہ تعالی نے آپ کو یہودیوں کے نرغے و محاصرے سے بحفاظت زندہ آسمان پر اٹھا لیا، آپ اپنے جسم اطہر کے ساتھ زندہ آسمان پر موجود ہیں، قربِ قیامت زمانۂ مہدی میں قتلِ دجال کے لیے اتریں گے، آپ کے اترنے کی جگہ دمشق ہے آپ دمشق کے مشرقی سمت سفید منارے کے پاس حضرت مہدی کے قریب، دو فرشتوں کے سہارے نماز فجر کے وقت اتریں گے، اس دن کی نماز فجر حضرت مہدی کی امامت میں ادا فرمائیں گے، دو ہلکے زرد رنگ کی چادریں آپکے جسمِ

مبارک پر ہوں گی، آپ ایک ذرہ زیب تن کریں گے بعض روایت کے مطابق ایک لمبی ٹوپی بھی آپ کے سر پر ہو گی، ایک نیزہ اور دو ہلکی پھلکی تلواریں آپ کے پاس ہوں گی، نیزے سے آپ دجال کو قتل کر کے ٹھکانے لگائیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے یعنی نصرانیت کو مٹائیں گے اور صلیب کو توڑ دیں گے یعنی صلیب پرستی ختم کریں گے، جزیہ و ٹیکس لینا بند کریں گے، آپ صرف اسلام لانے ہی پر راضی و خوش ہوں گے، اللہ رب العزت آپ کے دم و سانس میں کچھ ایسی تاثیر رکھ دے گا کہ وہ جس کافر تک پہنچے گا وہ ہلاک ہو جائے گا اور جہاں تک آپ کی نظر پہنچے گی وہاں تک آپ کا سانس پہنچے گا، آپ اپنی سابقہ نبوت پر برقرار رہتے ہوئے دینِ محمدی و مذہبِ اسلام پر خود بھی عمل کریں گے اور دوسروں کو بھی اسی کی دعوت دیں گے اور جو کوئی مذہبِ اسلام سے روگردانی کرے گا اسے جہنم رسید کر دیں گے، قتلِ دجال کے بعد آپ ہی کے دور میں فتنۂ یاجوج ماجوج برپا ہو گا اور بالآخر وہ سب آپ ہی کی بددعا سے ہلاک و برباد ہوں گے۔

آپ کا زمانہ روحانی و مادی خیرات و برکات کا زمانہ ہو گا، مال و زر کی اتنی فراوانی و بہتات ہو جائے گی کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ہو گا۔ غلہ، پھل، اناج اور دودھ میں بے پناہ برکت اور کثرت ہو گی، دلوں سے بغض، کینہ، حسد اور دشمنی دور کر دی جائے گی، زہریلے جانوروں کا زہر نکال دیا جائے گا، غرض یہ کہ آپ کا دورِ مسعود امن و سکون کا گہوارہ ہو گا، نزول کے بعد چالیس برس دنیا میں آپ کا قیام رہے گا آپ شادی بھی کریں گے، آپ کی اولاد بھی ہو گی، مقامِ فج روحا سے آپ حج یا عمرہ یا دونوں کریں گے، روضۂ اقدس ﷺ پر حاضر ہو کر سلام بھی پیش کریں گے اور حضور ﷺ ان کے سلام کا جواب دیں گے، اسی زمین پر حضرت عیسیٰ کی وفات ہو گی اور وہ روضۂ اقدس میں حضور ﷺ کے مبارک پہلو میں مدفون ہوں گے اور

بروزِ حشر ایک ہی قبر سے حضور ﷺ کے ساتھ اٹھیں گے، آپ کے حکم کے مطابق آپ کے بعد مُقعد نامی ایک شخص کو خلیفہ بنایا جائے گا۔

العیاذ باللہ! ملعون یہودیوں نے آپ کو ولدُ الزنا قرار دے کر آپ کی نبوت ورسالت کی تکذیب کی، آپ کو مسیحِ ہدایت سمجھنے کے بجائے آپ کو مسیحِ ضلالت سمجھا اور اپنے گمانِ باطل کے مطابق قتل بھی کر ڈالا۔

آپ کا مقتول و مصلوب نہ ہونا بلکہ زندہ و سلامت آسمان پر اٹھا لیا جانا اور قربِ قیامت نزول فرمانا اجماعی و متفقہ عقیدہ ہے جس کا انکار موجبِ کفر ہے آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے جیسے ان کی نبوت کا انکار و تکذیب کفر تھا اسی طرح بعدِ نزول بھی ان کا انکار موجبِ کفر ہو گا آنحضور ﷺ نے بالتفصیل ان کا حلیہ بیان فرما دیا ہے تا کہ بعدَ النزول لوگ با آسانی انھیں پہچان لیں اور انکار و تکذیب کی لعنت میں مبتلا نہ ہوں، وہ میانہ قد ہیں، رنگ ان کا گورا مائل بسرخی ہے، سینہ چوڑا، بال سیدھے انتہائی سیاہ چمکدار جیسے غسل کے وقت ہوتے ہیں جن سے موتیوں کے مانند قطرے ٹپکیں گے، وجیہ و خوبرو، صحابہ میں سے عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مشابہ ہیں،

نصاریٰ کا آپ کے تعلق سے نعوذ باللہ من ذلک! یہ باطل عقیدہ و نظریہ ہے کہ آپ عینِ خدا ہیں یا ابنِ خدا، یا ثالثُ ثلاثہ ہیں (یعنی ان کے باطل عقیدے کے مطابق خدائی کے تین اجزاء میں سے ایک جز آپ ہیں) اور اولاد آدم کے گناہوں کے کفارہ میں آپ مقتول و مصلوب ہوئے اور تین دن تک مردہ پڑے رہے پھر دوبارہ زندہ ہو کر آسمان پر اٹھا لیے گئے، یہ دونوں فرقے حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں افراط و تفریط کا شکار ہو کر راہِ حق سے بھٹک گئے، ان دونوں گمراہ فرقوں کے مقابلے میں فرزندانِ توحید و اہلِ اسلام کا قرآن و حدیث کی روشنی میں

صاف و شفاف اور سچا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بحکمِ الٰہی بغیر باپ، کنواری وپاک باز خاتون حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے، آپ ابن مریم ہیں نہ کہ ابنُ اللہ، اللہ کے ایک برگزیدہ بندے اور اس کے رسول ہیں اور نہ کہ الٰہ یا ثالث ثلٰثہ، اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ آسمان پر اٹھالیا ہے اور قربِ قیامت دوبارہ دنیا میں قتلِ دجال کے واسطے بھیجے گا۔

ذٰلِکَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ قَوۡلَ الۡحَقِّ الَّذِیۡ فِیۡہِ یَمۡتَرُوۡنَ مَا کَانَ لِلّٰہِ اَنۡ یَّتَّخِذَ مِنۡ وَّلَدٍ سُبۡحٰنَہٗ اِذَا قَضٰی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ (سورۃ مریم ۳۵/۳۴) یہ ہیں عیسی ابن مریم! ان (کی حقیقت) کے بارے میں سچی بات یہ ہے جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کوئی بیٹا بنائے اس کی ذات پاک ہے جب وہ کسی بات کا فیصلہ کرلیتا ہے تو بس اس سے یہ کہتا ہے کہ "ہو جا" چنانچہ وہ ہو جاتی ہے۔

نوٹ: حضرت عیسی علیہ السلام، مہدیٔ آخر الزماں، دجالِ اکبر کے تفصیلی حالات جاننے کے لئے اور قیامت کی چھوٹی بڑی علامتوں سے اچھی طرح واقفیت حاصل کرنے کے لیے بندہ کی ان کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں جو چھپ چکی ہیں اور مزید استفادہ کی خاطر نیٹ پر بھی موجود ہیں۔

۱) "مہدیٔ موعود"
۲) مسیحِ ہدایت عیسیٰ ابن مریم"
۳) "دجالِ اکبر"
۴) "قیامت اور اس کی علامت"

مسیحِ ضلالت دجّالِ اکبر کا فتنہ

مسیحِ ضلالت دجالِ اکبر کا فتنہ تاریخِ انسانی کا سب سے بڑا فتنہ ہے، اتنا بڑا اور

بھیانک فتنہ کہ اس سے بڑا فتنہ نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہو گا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قیامت قائم ہونے تک کوئی فتنہ دجّال کے فتنہ سے بڑا نہیں ہو گا۔ کما قال: "مَا بَيْنَ خَلْقِ آدَمَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ خَلْقٌ أَكْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ" (مسلم / ۷۳۹۵)

گویا کہ وہ ابلیس لعین کے ترکش کا سب سے بڑا، سب سے آخری اور سب سے مُہلِک تیر ہے جس سے مقابلہ آرائی کسی کے بس میں نہیں۔

حضرت امّ شریک فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا لَيَفِرَّنَّ النَّاسُ مِنَ الدَّجَّالِ فِي الْجِبَالِ. قَالَتْ أُمُّ شَرِيكٍ: يَا رَسُولَ اللهِ فَأَيْنَ الْعَرَبُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ هُمْ قَلِيلٌ (رواہ مسلم: ۲۹۴۵) کہ لوگ دجال کے خوف سے بھاگ کر پہاڑوں پر چلے جائیں گے امّ شریک کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ پس ان دنوں اہلِ عرب کہاں ہوں گے؟ تو آپ نے فرمایا وہ بہت تھوڑی تعداد میں ہوں گے (اس لئے ان میں دجال سے مقابلہ کی طاقت نہ ہو گی اور وہ اس کے مقابلے سے عاجز و قاصر ہوں گے۔)

اِس فتنہ کی سنگینی و اہمیت کا اگر ہم اندازہ لگانا چاہیں تو اس سے لگا سکتے ہیں کہ تمام انبیاءِ سابقین نے اپنی اپنی امّتوں کو اس فتنہ سے ڈرایا اور آگاہ کیا۔ کما قال رسول اللہ ﷺ: "مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلاَّ وَقَدْ أَنْذَرَ أُمَّتَهُ الأَعْوَرَ الْكَذَّابَ (مسلم: ۷۳۶۳) کہ کوئی نبی نہیں گزرے جو اپنی امت کو جھوٹے کانے (دجال) سے نہ ڈرائے ہوں، اور آپ ﷺ جن کی امّت کی ابتلاء و آزمائش کے لئے یہ عظیم فتنہ پیدا ہی کیا گیا ہے، جب آپ ﷺ اپنے اصحاب کے سامنے اس کا تذکرہ فرماتے تو صحابہ کرام پر ایک عجیب قسم کا خوف طاری ہو جاتا اور انھیں یوں محسوس ہوتا کہ دجال یہیں کہیں کھجوروں کے جُھنڈ میں روپوش ہے، ابھی

نکل کر ہمارے سامنے آجائے گا۔ کما فی مسلم: ۷۲۹۳ "حَتَّى ظَنَنَّاهُ فِي طَائِفَةِ النَّخْلِ" اور بطور تسلی آپ فرماتے ڈرومت اگر وہ میری موجودگی میں نکلا تو میں تمہاری طرف سے مدافعت کرنے والا ہوں گا یا) اس سے حجت و بحث کروں گا (اور حجت و بحث میں اس پر غالب آؤں گا۔ اور اگر میرے بعد نکلا تو پھر ہر شخص اپنا ذمہ دار خود ہے اور اللہ تعالیٰ میری طرف سے ہر مسلمان کا ناصر و محافظ تو ہے ہی۔ کما فی سنن أبي داوٗد: ۴۳۲۱) إِنْ يَخْرُجْ وَأَنَا فِيكُمْ، فَأَنَا حَجِيجُهُ دُونَكُمْ، وَإِنْ يَخْرُجْ وَلَسْتُ فِيكُمْ، فَامْرُؤٌ حَجِيجُ نَفْسِهِ وَاللهُ خَلِيفَتِي عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، میں اس وقت رو رہی تھی آپ ﷺ نے رونے کا سبب دریافت فرمایا، میں نے کہا یارسول اللہ! مجھے دجال یاد آگیا تھا اُس کے خوف سے رو رہی ہوں۔ (مسند احمد)

اور ایک رات امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو دجال یاد آگیا تو ان کی نیند اڑ گئی اور وہ پوری رات نہ سو سکیں اور صبح اس کا ذکر آنحضور ﷺ سے کیا تو آپ نے انھیں تسلی کے کلمات ارشاد فرمائے کہ گھبراؤ نہیں اگر وہ میری موجودگی میں نکلا تو اللہ تعالی میرے ذریعے تمہاری طرف سے کفایت کرے گا اور اگر میری وفات کے بعد نکلا تو اللہ تعالی نیک بندوں کے ذریعے تمہاری کفایت کرے گا۔ قَالَتْ امّ سَلَمَةَ ذَكَرْتُ الْمَسِيحَ الدَّجّالَ لَيلَةً، فلَم يَأْتِنِي النَّومُ، فلمّا أَصبَحْتُ دَخَلتُ علىٰ رسولِ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ، فقالَ: لا تَفْعَلِي، فإنَّهُ إِنْ يَخْرُجْ وأَنَا حَيٌّ يَكْفِيكُمُوهُ اللهُ بِي، وإِن يَخْرُجَ بَعْدَ أَن أَمُوتَ يَكْفِيكُمُوهُ اللهُ بِالصّالِحِينَ (مجمع الزوائد: ۱۲۵۵۲)

آنحضور ﷺ عذابِ دوزخ کے ساتھ فتنۂ دجال سے پناہ مانگنے کا

حکم دیتے تھے کما فی سنن أبي داود: ۱۵۷۴ تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ" کہ اللہ کی پناہ طلب کرو دوزخ کے عذاب اور دجال کے فتنے سے۔

اور آپ ﷺ باقاعدہ اپنے صحابہ کو قرآن کی سورتوں کی طرح بڑے اہتمام کے ساتھ منجملہ اور دعاؤں کے اس فتنۂ عظیم سے بچنے کی یہ دعا "اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ بھی سکھاتے تھے۔" کہ اے اللہ میں مسیحِ دجال کے فتنے سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

اور سکھانے کے بعد فرماتے کہ اس طرح دعا مانگا کرو کہ اے اللہ! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں عذابِ دوزخ و عذابِ قبر سے اور تیری پناہ طلب کرتا ہوں مسیح دجال کے فتنے اور زندگی اور موت کے فتنے سے۔ کما فی سنن أبي داود [۱۵۴۲]: "عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هَذَا الدُّعَاءَ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ، يَقُولُ: اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، وَأَعُوذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ"

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ آخرِ تشہد سے فراغت کے بعد چار چیزوں سے پناہ مانگنے کا حکم فرماتے تھے (۱) عذاب دوزخ سے (۲) عذاب قبر سے (۳) زندگی اور موت کے فتنے سے (۴) مسیح دجال کے شر سے۔ کما فی مسلم [۱۳۲۶]: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْآخِرِ، فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللهِ مِنْ أَرْبَعٍ: مِن عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ " اور تعلیمِ امت کی خاطر خود بھی اس کے فتنہ سے ہمیشہ پناہ مانگتے تھے۔ کما فی

البخاري [۷۱۲۹]: عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَسْتَعِيذُ فِي صَلَاتِهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ"۔
کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی نماز میں فتنۂ دجال سے پناہ مانگتے ہوئے سنا۔

اس لیے جب یہ فتنہ اتنا سنگین و خطرناک ہے تو اس کی پوری تفصیل جاننا ہر مسلمان کے لیے خصوصًا موجودہ نسل کیلئے انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ اگر اس کی پوری تفصیلات لوگوں کے سامنے نہ ہوں گی تو اس کے دامِ تزویر میں پھنس جانے کا قوی اندیشہ ہے، اسی لئے تو آنحضور ﷺ -فداہ ابی وامی- نے اپنی امت کو اس کے دامِ فریب سے بچانے کے واسطے اسکا حُلیہ، خَدّوخال، شکل و صورت، چال ڈھال، رفتار و گفتار، اس کی فریب کاری و شعبدہ بازی حتی کہ وہ کس قوم و نسل اور کس جگہ ظاہر ہوگا اور اس کے پیروکار کون لوگ زیادہ ہوں گے یہ سب بالتفصیل بیان فرمادیا ہے، اور ساتھ ساتھ اس سے بچنے کی تدابیر بھی، اب ہمارا فریضہ اور ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم خود بھی اس فتنۂ عظیم کے متعلق پوری جانکاری حاصل کریں اور اپنی اولاد و نسل کو بھی آگاہ کریں۔

نوٹ: دجال اکبر کے مفصل حالات جاننے کے لیے بندہ کی کتاب "دجالِ اکبر" کا مطالعہ کیجیے۔ نیٹ پر بھی کتاب موجود ہے۔

فتنۂ یاجوج و ماجوج

فتنۂ دجال کے ختم ہونے کے بعد جس وقت مومنین کو ذرا اطمینان و سکون نصیب ہو گا اور حضرت عیسی علیہ السلام فتنۂ دجال سے محفوظ رہنے والے اہلِ ایمان کو مبارکبادیاں اور عند اللہ ان کے مراتب عُلیا کی بشارتیں سنا رہے ہوں گے کہ اسی دوران یاجوج وماجوج کے نکلنے کی رکاوٹ دور ہو جائے گی اور ان کے تمام قبائل ایک ساتھ امنڈتے ہوئے سیلاب کی طرح نکل پڑیں گے اور ہر بلندی و اونچائی سے پھسلتے اور لُڑھکتے ظاہر ہوں گے، یعنی اپنی مقامی بلندیوں سے تیزی کے ساتھ اترتے ہوئے زمین کے گوشے گوشے میں پھیل جائیں گے اور ہر طرف چھا جائیں گے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "حَتَّىٰٓ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ" یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے پھسلتے نظر آئیں گے (سورۂ انبیاء۹۶) وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا يَا وَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ (سورۂ انبیاء:۹۶-۹۷) سچا وعدہ پورا ہونے کا وقت قریب آجائے گا تو ان کی حالت یہ ہو جائے گی کہ جن لوگوں نے کفر اپنالیا تھا ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی (اور وہ کہیں گے کہ) ہائے ہماری کمبختی ہم اس چیز سے بالکل ہی غفلت میں تھے بلکہ ہم نے بڑے ستم ڈھائے تھے۔

ہر طرف انھیں کا ریلا، انھیں کی بھیڑ نظر آئیگی، دنیا میں قتل و غارت گری کا ایسا بازار گرم کریں گے کہ جدھر سے گزریں گے تباہی ہی تباہی مچائیں گے انسانی آبادی کو ختم کر دینے کے درپے ہوں گے اور جس دریا سے گزریں گے اس کو چٹ کر جائیں گے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جب ان کا اول لشکر بُحَیرۂ طبریہ سے ہو کر گزرے گا تو اس کا پانی پی کر بالکل صاف کر دیگا اور ان کے لشکر کے

پچھلے لوگ جب اس پر پہنچیں گے تو انھیں یوں محسوس ہو گا کہ اس جھیل میں کبھی پانی رہا ہو گا کما في مسلم: فَيَمُرُّ أَوَائِلُهُمْ عَلَى بُحَيْرَةِ طَبَرِيَّةَ فَيَشْرَبُونَ مَا فِيهَا، وَيَمُرُّ آخِرُهُمْ فَيَقُولُونَ: لَقَدْ كَانَ بِهَذِهِ مَرَّةً مَاءٌ(۷ ۲۹۳)

ان کی تعداد پوری دنیا کے انسانوں کی تعداد سے بدرجہا زائد۔ کم از کم ایک اور دس کی نسبت ہے مثلاً اگر تمام انسانوں کے دس حصے کئے جائیں تو ان میں سے نو حصے یاجوج وماجوج کے ہیں، جیسا کہ روح المعاني میں ہے "عن ابن عمر اَنَّ اللہَ جَزَّأَ الاِنْسَ عشرۃ اَجْزَاءٍ فَتِسْعَةٌ مِنهُم یاجوجُ وماجوجُ وَجُزْءٌ سَائِرُ النَّاسِ (ص ۳۶۵)" عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے سارے انسانوں کو دس حصوں میں تقسیم فرمایا ان میں سے نو حصے تو یاجوج ماجوج کے ہیں اور ایک حصہ باقی انسانوں کا ہے۔ اور ان کی کثرت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی ہلاکت کے بعد مسلمان ان کی کمانوں تیروں ترکشوں سے سات برس تک آگ جلائیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے وَيَسْتَوْقِدُ الْمُسْلِمُونَ مِنْ قِسِيِّهِمْ وَنُشَّابِهِمْ وَجِعَابِهِمْ سَبْعَ سِنِينَ (وفي رواية: وأَترِسَتِهِمْ) (ترمذی:۲۲۴۰)

یہ لاتعداد وحشی انسان، خوں خوار درندوں کی طرح انسانی آبادیوں پر ایسے حملہ آور ہوں گے کہ کسی میں ان سے مقابلے کی طاقت نہ ہو گی حتی کہ حضرت عیسی علیہ السلام بھی باذنِ الہی اپنے رفقاء کے ساتھ کوہِ طور پر محصور ہو جائیں گے کما جاء في الحديث فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذْ أَوْحَى اللهُ إِلَى عِيسَى: إِنِّي قَدْ أَخْرَجْتُ عِبَادًا لِي، لَا يَدَانِ لِأَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ، فَحَرِّزْ عِبَادِي إِلَى الطُّورِ (مسلم:۷ ۲۹۳) کہ وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ اللہ رب العزت عیسی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجے گا کہ میں اپنے ایسے بندوں کو نکالنے جارہا ہوں کہ جن سے قتال کرنے کی کسی میں

طاقت نہیں لہذا تو میرے بندوں کو کوہ طور پر لے کر چلا جا، اور دیگر لوگ بھی محفوظ مقامات پر مع اموال اپنی جانیں بچا کر روپوش ہو جائیں گے، غذا کی اتنی شدید قلت ہو گی کہ لوگوں کو ایک بیل کا سر سو دینار میں بھی سستا معلوم ہو گا جیسا کہ مسلم شریف میں ہے حَتَّى يَكُونَ رَأْسُ الثَّوْرِ لِأَحَدِهِمْ خَيْرًا مِنْ مِائَةِ دِينَارٍ لِأَحَدِكُمُ الْيَوْمَ (مسلم:۲۹۳۷) کہ بیل کا سر تم میں سے ہر شخص کے لیے سو/۱۰۰ دینار سے بھی بہتر معلوم ہو گا۔ ان کی دیدہ دلیری اس قدر بڑھی ہو گی کہ یہ لوگ زمین پر فتنہ و فساد اور قتل وغارت گری مچا کر آسمان کی طرف متوجہ ہوں گے اور کہیں گے لَقَدْ قَتَلْنَا مَنْ فِي الْأَرْضِ هَلُمَّ فَلْنَقْتُلْ مَنْ فِي السَّمَاءِ، فَيَرْمُونَ بِنُشَّابِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ، فَيَرُدُّ اللهُ عَلَيْهِمْ نُشَّابَهُمْ مَخْضُوبَةً دَمًا (مسلم:۲۹۳۷) کہ ہم نے زمین والوں کو قتل کر ڈالا اب آؤ ہم آسمان والوں کی خبر لیتے ہیں پس وہ اپنے تیروں کو آسمان کی طرف چلائیں گے تو اللہ تعالی ان پر ان کے تیروں کو خون آلود کر کے لوٹائے گا۔

اور ترمذی شریف میں ہے کہ یاجوج وماجوج آسمان کی طرف تیر چلانے اور ان تیروں کو خون آلود دیکھنے کے بعد فاخرانہ و فاتحانہ انداز میں بولیں گے قَهَرْنَا أَهْلَ الْأَرْضِ، وَغَلَبْنَا مَنْ فِي السَّمَاءِ قُوَّةً وَعُلُوًّا (مستدرک للحاکم: ۸۵۰۱) کہ ہم نے زمین والوں کو مغلوب کرنے کے بعد آسمان والوں پر بھی غلبہ حاصل کر لیا۔

یاجوج ماجوج کی اس ابتلاء و مصیبت سے نجات کے لئے حضرت عیسی اور مؤمنین بارگاہ خداوندی میں خوب گڑ گڑا کر دعائیں کریں گے تو اللہ رب العزت ان کی آہ وزاری اور دعاؤں کی بدولت اس ٹڈی دَل لشکر کو حلق اور گردن کی بیماری میں جس کو نَغَف کی بیماری کہتے ہیں مبتلا کر کے دفعۃً ہلاک کر دیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللهِ عِيسَى وَأَصْحَابُهُ، فَيُرْسِلُ اللهُ

عَلَيۡهِمُ النَّغَفَ فِي رِقَابِهِمۡ، فَيُصۡبِحُونَ فَرۡسَىٰ كَمَوۡتِ نَفۡسٍ وَاحِدَةٍ (مسلم:۷۲۹۳) کہ اللہ کے نبی عیسی (علیہ السلام) اور ان کے ساتھی دعائیں کریں گے پس اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں میں نغف کی بیماری پیدا کر دے گا تو وہ سب کے سب ایک شخص کے مرنے کی طرح مر جائیں گے۔ پوری زمین ان کی لاشوں سے بھر جائے گی ، فَلَا يَجِدُونَ فِي الۡأَرۡضِ مَوۡضِعَ شِبۡرٍ إِلَّا مَلَأَهُ زَهَمُهُمۡ وَنَتۡنُهُمۡ (مسلم:۷۲۹۳) پس لوگوں کو زمین میں بالشت بھر بھی ایسی جگہ نہ ملے گی جہاں ان کی سڑن اور بدبو نہ ہو

زمین کے جانور ان کے گوشتوں کو کھا کھا کر خوب فربہ و موٹے ہو جائیں گے ، جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے وَالَّذِي نَفۡسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، إِنَّ دَوَابَّ الۡأَرۡضِ لَتَسۡمَنُ وَتَبۡطُرُ، وَتَشۡكُرُ شَكَرًا مِنۡ لُحُومِهِمۡ (المستدرک للحاکم: ۸۵۰۱) کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے ضرور بالضرور زمین کے جانور ان کے گوشتوں سے موٹے و فربہ اور خوب لد ابد ہو جائیں گے۔

تعفّن و بدبو کی وجہ سے زمین پر رہنا و بسنا مشکل ہو جائے گا دوبارہ پھر حضرت عیسی علیہ السلام اور ان کے رفقاء اس مصیبت کے ازالے کے واسطے دعا کریں گے تو اللہ رب العزت لمبی لمبی گردن والے بڑے بڑے پرندے بھیج دے گا جو اٹھا اٹھا کر ان سب لاشوں کو سمندر میں یا وہاں پھینک آئیں گے جہاں اللہ کو منظور ہو گا جیسا کہ مسلم شریف میں ہے۔ فَيَرۡغَبُ نَبِيُّ اللهِ عِيسَى وَأَصۡحَابُهُ إِلَى اللهِ، فَيُرۡسِلُ اللهُ طَيۡرًا كَأَعۡنَاقِ الۡبُخۡتِ فَتَحۡمِلُهُمۡ فَتَطۡرَحُهُمۡ حَيۡثُ شَاءَ اللهُ ۔ (مسلم:۷۲۹۳)وفِي رِوايةٍ فِي الۡبَحۡرِ ، کہ پھر اللہ کے نبی یعنی حضرت عیسی علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعائیں کریں گے تو اللہ تعالی اونٹوں کی گردنوں کے مانند لمبی گردن والے پرندے بھیج دیں گے پس وہ انھیں اٹھائیں گے

اور وہاں پھینک آئیں جہاں اللہ چاہے گا اور ایک روایت میں سمندر میں پھینکنے کا ذکر ہے۔

اس کے بعد ہر جگہ موسلادھار بارش برسا کر زمین کو بالکل مثل آئینہ صاف کر دیا جائے گا، بحکمِ الٰہی زمین از سرِ نو اپنی برکات خوب ظاہر کرے گی اور لوگ خوب خوب آسودہ ہو جائیں گے، چالیس برس تک لوگ بے حد چین و سکون والی زندگی بسر کریں گے، جیسا کہ حدیث میں ہے: ثُمَّ يُرْسِلُ اللهُ مَطَرًا لَا يَكُنُّ مِنْهُ بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ، فَيَغْسِلُ الْأَرْضَ حَتَّى يَتْرُكَهَا كَالزَّلَفَةِ، ثُمَّ يُقَالُ لِلْأَرْضِ: أَنْبِتِي ثَمَرَتَكِ، وَرُدِّي بَرَكَتَكِ (مسلم:۲۹۳۷) پھر اللہ تعالی ایسی بارش برسائیں گے کہ کوئی بھی کچا پکا گھر ایسا نہ بچے گا جہاں بارش نہ ہو پھر زمین کو مثل آئینہ دُھل کر صاف کر دیا جائے گا اور اس کو حکم دے دیا جائے گا کہ تو اپنے پھل نکال اور اپنی برکات واپس لوٹا، پس اس وقت خیرات و برکات کا ظہور اس طرح ہو گا۔ فَيَوْمَئِذٍ تَأْكُلُ الْعِصَابَةُ مِنَ الرُّمَّانَةِ، وَيَسْتَظِلُّونَ بِقِحْفِهَا، وَيُبَارَكُ فِي الرِّسْلِ، حَتَّى أَنَّ اللِّقْحَةَ مِنَ الْإِبِلِ لَتَكْفِي الْفِئَامَ مِنَ النَّاسِ، وَاللِّقْحَةَ مِنَ الْبَقَرِ لَتَكْفِي الْقَبِيلَةَ مِنَ النَّاسِ وَاللِّقْحَةَ مِنَ الْغَنَمِ لَتَكْفِي الْفَخِذَ مِنَ النَّاسِ (مسلم:۲۹۳۷) کہ ایک انار اتنا بڑا ہو گا کہ اس سے ایک جماعت آسودہ ہو جائے گی اور اس کے چھلکے کے نیچے سایہ حاصل کرے گی اور دودھ میں اتنی برکت ہو گی کہ ایک اونٹی، ایک گائے اور ایک بکری کا دودھ قبیلے اور بڑی جماعت کے لیے کافی ہو جائے گا۔

نوٹ: یاجوج ماجوج کے مفصل حالات جاننے کے لیے بندہ کی کتاب "قیامت اور اس کی علامت" کی طرف رجوع کیجئے اور یہ کتاب نیٹ پر بھی موجود ہے۔

فتنوں سے بچنے کی تدابیر

قرآن کریم سے مضبوط تعلق قائم کرنا ایسا تعلق کہ قرآن ہماری زندگی کا حصہ بن جائے، کیوں کہ فتنوں کا اصل علاج تو قرآن کریم ہی ہے بشرطیکہ قرآن کریم کو احادیثِ نبویہ اور سلفِ صالحین کے علوم کی روشنی میں علمائے امت کے ذریعے سے پڑھا و سمجھا جائے چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا"أَلا إنّها سَتَكُونُ فِتْنَةٌ فقُلْتُ: مَا المَخْرَجُ منها يا رسولَ اللهِ؟ قال: كتابُ اللهِ فيه نَبَأُ مَا قَبْلَكُم، وخَبَرُ ما بعدَكم وحُكْمُ ما بينكم، وهو الفَصْلُ لَيسَ بالهَزْلِ مَن تَرَكَه مِن جَبّارٍ قَصَمَهُ اللهُ ومَن ابْتَغى الهُدىٰ في غيرِه أَضَلَّهُ اللهُ، وهو حَبْلُ اللهِ المَتِينُ وهو الذِّكْرُ الحكيمُ، وهو الصراطُ المستقيمُ. هو الذي لا تَزِيغُ به الأهواءُ، ولا تَلْتَبِسُ به الأَلْسِنَةُ، ولا يَشْبَعُ منه العلماءُ، ولا يَخْلَقُ عن كَثْرَةِ الرَّدِّ، ولا تَنْقَضِي عجائبُه. هو الذي لم تَنْتَهِ الجِنُّ إذ سَمِعَتْه حتى قالوا: إنّا سَمِعْنا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إلى الرُّشْدِ فَآمَنّا بِهِ. مَن قال به صدق، ومَن عَمِلَ به أُجِرَ، ومَن حكم به عدل، ومَن دعا إليه هُدِيَ إلى صراطٍ مستقيمٍ. (ترمذی/۲۹۰۶) سنو! عنقریب فتنے رونما ہوں گے، تو میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول اس سے نجات اور بچاؤ کا کیا طریقہ ہے تو آپ نے فرمایا اللہ کی کتاب۔

اس میں گذشتہ امتوں کے سبق آموز واقعات اور آئندہ کی اطلاعات ہیں اور حال کے فیصلے ہیں اور اس کے ارشادات فیصلہ کن ہیں، وہ دل لگی کی باتیں نہیں ہے، جو بھی سرکش اسے چھوڑے گا اللہ اس کو توڑ دے گا، اور جو قرآن سے ہٹ کر ہدایت تلاش کرے گا اللہ اس کو گمراہ کر دے گا، وہ اللہ کی مضبوط رسی

ہے اور پُر حکمت نصیحت نامہ ہے، قرآن وہ کتاب ہے جس سے خیالات میں کجی وٹیڑھا پن نہیں آتا اور زبان اس میں گڑبڑ نہیں کر سکتی، اہلِ علم کبھی اس سے سیراب نہیں ہوتے، وہ کثرتِ تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا، یعنی طبیعت کبھی اس سے نہیں اکتاتی، اس کے حیرت انگیز مضامین کبھی ختم نہیں ہوتے، قرآن کریم کی شان یہ ہے کہ اس کو جنات نے سنا تو بے اختیار پکار اٹھے ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، تو ہم اس پر ایمان لے آئے، جس نے قرآن کریم کے موافق حق بات کہی اس نے سچی بات کہی اور جس نے قرآن پر عمل کیا وہ اجر وثواب کا حق دار ہوا اور جس نے قرآن کریم کے مطابق فیصلہ کیا اس نے عدل وانصاف والا فیصلہ کیا اور جس نے قرآن کریم کی طرف دعوت دی وہ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کیا گیا۔

ذکر اللہ کا اہتمام یعنی شب وروز اللہ کی یاد کے ساتھ بسر کرنا، کیوں کہ اللہ کی یاد اوراس کے ذکر سے اِعراض وغفلت برے حالات پیش آنے کا باعث ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا (طٰہ:۱۲۴) اور جو میری نصیحت سے منہ موڑے گا تو اس کو بڑی تنگ زندگی ملے گی،

تمام فرائض واجبات کی ادائیگی کا اہتمام اور گناہ وحرام کاموں سے اجتناب کرنا،

اسلام سے وابستگی اور ایمان پر ثابت قدمی کے لیے ہر نماز کے بعد خصوصی دعاؤں کا اہتمام رکھنا،

فتنۂ عام کے زمانہ میں فتنوں سے دور رہ کر اپنی اصلاح کی فکر کرنا، فتنوں سے بچنے کی بکثرت دعائیں کرتے رہنا، خصوصاً وہ دعائیں جو آنحضور اَقدس ﷺ سے فتنوں سے پناہ مانگنے کے متعلق منقول ہیں جن کا ذکر پیچھے گزر چکا،

صبح وشام اور خصوصاً گھر سے نکلتے وقت اس دعا کے پڑھنے کا اہتمام رکھنا

*اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزَلَّ أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ

*بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ،

اسلام کے بنیادی عقائد پر مشتمل مستند و معتبر کتابوں کا مطالعہ کرنا، گمراہ کن فتنوں کی تردید میں لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کرنا، علماء واہل حق سے وابستگی رکھنا اوران کی محفلوں و مجلسوں میں شرکت کرنا،

دینی اور شرعی علوم کا حاصل کرنا، معتمد اہلِ علم کی طرف متوجہ رہنا، علماء وفقہاء اور اہلِ دین سے محبت و حسن ظن رکھنا، کسی صاحبِ نسبت بزرگ سے گہرا تعلق رکھنا،

گمراہ وباطل اور خارج از اسلام فرقوں سے میل جول نہ رکھنا،

اجنبی اور غیر متعارف شخصیات وافراد سے مذہبی موضوعات پر گفتگو نہ کرنا،

مذہبی عنوانات پر نام نہاد دانشور اور ملحد قسم کے لوگوں کے لیکچر وبیانات نہ سننا اور نہ پڑھنا،

شوشل میڈیا، واٹس ایپ، فیس بک، انٹرنیٹ سے دینی عقائد و معلومات کو حاصل کرنے سے احتیاط واجتناب کرنا،

اخلاقی اور دینی اعتبار سے گرے ہوئے معاشرے سے دور رہنا خصوصاً کفار ومشرکین کے علاقوں میں رہائش اختیار نہ کرنا، فُسّاق وفُجّار کی صحبت سے اجتناب کرنا۔

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ

صَلٰوۃً وَّسَلَامًا دَائِمَیْنِ مُتَلَازِمَیْنِ إِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ.

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اِجْتِنَابَہٗ، اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی وَاجْعَلْ اٰخِرَتَنَا خَیْرًا مِنَ الْاُوْلٰی، اَللّٰھُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِینَ، آمِیْن یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ
وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

بندہ: امان احمد صدیقی
سنہرا، امبیڈکر نگر (فیض آباد) یوپی
خادم مدرسہ دارالعلوم اسلامیہ تلوجہ، رائے گڈھ، نیو ممبئی
۱۷ ربیع الاول سن ۱۴۴۳ھ

فہرستِ ماخذ

قرآن کریم	کتاب الفتن لنعیم بن حماد
آسان ترجمۂ قرآن	سنن بیہقی
معارف القرآن	مصنف بن ابی شیبہ
جمالین شرح جلالین	مصنف بن عبد الرزاق
انوار القرآن	درس ترمذی
بخاری شریف	الدر المنضود
مسلم شریف	تیسیر مصطلح الحدیث
نسائی شریف	تقلید پر اعتراضات کے جوابات
سنن ابی داؤد	فتاوی دار العلوم دیوبند
سنن ترمذی	مظاہر حق
سنن ابن ماجہ	بذل المجہود
صحیح ابنِ حبان	شعب الایمان
غایۃ المرام	مشکوۃ
مسندِ احمد	مجمع الزوائد
الطبرانی	المقاصد الحسنہ
السلسلۃ الصحیحۃ	الترغیب والترہیب

الدر المنثور	زاد المعاد
المعجم الاوسط	شرح النووی
شرح الصدور	تدریب الراوی
مقدمہ ابن الصلاح	فتح الباری
فیض الباری	فیض القدیر
حجۃ اللہ البالغہ	رحمۃ اللہ الواسعہ مع حجۃ البالغہ
ازالۃ الخفا	عقد الجید
تحفۃ الالمعی	تکمیل الحاجہ
فتاویٰ شامی	خیر الفتاوی
الاشباہ والنظائر	جواہر الفقہ
مجموع الفتاوی ابن باز	فتاوی رحیمیہ
کتاب النوازل	علم الکلام
محاضرۂ علمیہ	الاعتصام علامہ شاطبی
مہدئ موعود	مسیحِ ہدایت عیسیٰ ابن مریم
دجالِ اکبر	قیامت اور اس کی علامت

مؤلف کی دیگر تالیفات